احمدیہ

تعلیمی پاکٹ بک

حِصّہ اوّل۔دوم

مرتبہ

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل

ناظر اشاعت و تصنیف

نام کتاب ..... احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک حصہ اوّل۔دوم
مصنف ..... قاضی محمد نذیر صاحب فاضل
طبع اوّل ..... دسمبر 1977ء
طبع دوم ..... جون 2012ء
ناشر ..... نظارت اشاعت ربوہ
مطبع ..... ضیاءالاسلام پریس ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

بارِ دوم

احباب جماعت کی علمی تربیت اور دعوت الی اللہ میں معاونت کے لئے محترم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نے ایک مفید تصنیف ''احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک'' کے نام سے مرتّب فرمائی تھی۔ پاکٹ بک کا حصہ اوّل و دوم یکجائی طور پر 1977ء میں شائع ہوا تھا۔ایک عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی اوراس کی طلب برقرار تھی۔اس کے پیش نظراس کودوبارہ شائع کیا جارہا ہے تااحبابِ کرام احمدیہ علم کلام کے حوالہ سے اپنے علم میں اضافہ کرسکیں۔

اس کے موجودہ ایڈیشن میں حوالہ جات اصل مآخذ سے چیک کر کے دیئے گئے ہیں اور کتب حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے حوالہ جات روحانی خزائن سے جبکہ ملفوظات 2003 ایڈیشن،تذکرہ 2004ءایڈیشن اور مجموعہ اشتہارات مطبوعہ بارِدوم سے حوالے دیئے گئے ہیں۔دیگر حوالہ جات بھی اصل کتب سے چیک کر کے دیئے گئے ہیں اور بعض مقامات پر ایڈیشن کی تبدیلی کی وجہ سے صفحات نمبر تبدیل ہوئے ہیں۔

اس ایڈیشن کی تیاری میں معاونت کرنے والے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مکرم منیر احمد بسمل صاحب ایڈیشنل ناظر اشاعت کی نگرانی میں مکرم ظفر علی طاہر صاحب مربی سلسلہ اور مکرم طاہر احمد شریف صاحب مربی سلسلہ نے حوالہ جات کی چیکنگ کا

کام کیا ہے۔مکرم عطاء البصیر صاحب مربی سلسلہ نے اس کی کمپیوٹر سیٹنگ کی ہے جبکہ مکرم محمد محمود طاہر صاحب نے مسودہ کی فائنل پروف ریڈنگ کی ہے۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔اوراس کتاب کی اشاعت کو نافع الناس بنائے۔آمین

والسلام

خاکسار

خالد مسعود

ناظر اشاعت

1/6/2012

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

جماعت احمدیہ کی علمی تربیت کے لئے احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک حصہ اول شائع شدہ 1969ء اور حصہ دوم شائع شدہ 1970ء کو اکٹھا ایک جلد میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کو مرتب کرنے میں سیّد عبدالحی صاحب فاضل ایم اے اور مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری فاضل نے میرے ساتھ کام کیا تھا۔ اب اس کی کاپیاں قریشی محمد افضل صاحب فاضل نے دیکھی ہیں۔ غلطیوں کی دوسری پڑتال مولوی محمد صدیق صاحب ننگلی فاضل اور مولوی نصیر احمد خاں صاحب فاضل اور چوہدری عبدالمالک صاحب فاضل نے میرے ساتھ مل کر کی ہے۔ اس کے دوسرے حصہ میں کچھ سوالات کے جوابات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے اور بعض جگہ ضروری تبدیلی بھی کی گئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور یہ جماعت کی تربیت کے لئے مفید ثابت ہو۔ اَللّٰھُمَّ آمین۔

خادم سلسلہ احمدیہ
قاضی محمد نذیر
ناظر اشاعت وتصنیف

2/12/77

فہرست مضامین

حِصّہ اول

احمدیہ

تعلیمی پاکٹ بک

حِصّہ اوّل

مرتبہ

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل

ناظر اشاعت و تصنیف

مسئلہ

حیات و وفات عیسیٰ بن مریم علیہ السّلام

آیات قرآنیہ سے وفات مسیح ناصری علیہ السلام کا ثبوت

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۔ (المائدة: 118,117)

ترجمہ :۔ اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بن مریم! کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ خدا کے سوا۔ تو (عیسیٰ نے) کہا : پاک ہے تُو، ناممکن تھا میرے لئے کہ میں کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا اگر مَیں نے (ایسا) کہا ہو تو تجھے معلوم ہی ہوگا۔ تُو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور مَیں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے یقیناً تُو غیبوں کو خوب جاننے والا ہے مَیں نے اُن سے نہیں کہا مگر وہی جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا۔ کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے اور میں ان پر نگران تھا (اس وقت

تک ہی) جب تک میں اُن میں موجود رہا۔ پس جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی اُن پر نگران تھا اور تُو ہر چیز پر نگران ہے۔

استدلال:۔

1 : قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جواب كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ سے ظاہر ہے کہ وہ جب تک اپنی قوم میں موجود رہے ان کی قوم نہیں بگڑی تھی کیونکہ اس وقت وہ اُن پر نگران تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی تَوَفِّیْ کر لی تو پھر قیامت تک خدا ہی ان کی قوم کا نگران تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے بعد ان کی نگرانی نہیں کی۔ اس بیان سے واضح ہے کہ ان کی قوم سے علیحدگی جب تَوَفِّیْ کے ذریعہ ہوگئی تو تَوَفِّیْ کے بعد وہ قوم میں دوبارہ نہیں آئے ہوں گے بلکہ وہ قیامت تک قوم کے بارہ میں کوئی مشاہداتی علم نہیں رکھتے ہوں گے۔

2 :۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنی ہیں جب تُو نے مجھے وفات دے دی۔

تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنی محاورہ عرب کے علاوہ سیاقِ کلام کے لحاظ سے بھی پُورا پُورا لینا بمع رُوح و جسم لے کر آسمان پر اٹھا لینا درست نہیں کیونکہ تَوَفِّیْ کے بعد اُن کے دوبارہ قوم میں آنے کی كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ میں نفی کر دی گئی ہے پس زندہ اٹھا لینے کا جو یہ مقصد خیال کیا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ اصالتاً قوم میں آئیں گے۔اس کی كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ میں تردید موجود ہے کیونکہ اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ پھر مجھے قوم کی نگرانی کا موقع نہیں ملا بلکہ اے خدا! پھر تُو ہی ان کا نگران تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ سے اِشَارَۃُ النَّصّ کے طور پر یہ امر ثابت ہے کہ تَوَفِّیْ کے بعد وہ پھر قوم میں نہیں گئے۔ پس ان کا قوم میں دوبارہ آنا

جب ناممکن قرار پایا تو ان کو زندہ رکھنے کا کیا فائدہ! لہٰذا اس جگہ تَوَفَّیْتَنِیْ کے صحیح اور معروف معنی (تُو نے مجھے وفات دے دی) ہی ضروری ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت کے دن قوم سے تَوَفِّیْ کے بعد سے قیامت کے دن تک مشاہداتی لاعلمی کے متعلق یہ بیان چونکہ درست ہے کیونکہ وہ خدا کے نبی ہیں۔ لہٰذا ان کی وفات کی وجہ سے قوم میں دوبارہ نہ آنے اور قوم کو ان کی وفات کے بعد خدا کی نگرانی میں چھوڑ جانے کا اعتراف سچائی پر مبنی ہے۔ خدا کا نبی کبھی یہ جھوٹ نہیں بول سکتا کہ وہ قوم میں دوبارہ اصلاح کے لئے آیا ہو مگر خدا کو یہ کہے کہ قوم سے علیحدگی کے بعد مجھے ان کی نگرانی کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ وہ خدا کی نگرانی میں ہی رہے۔

3: حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

حضرت امام بخاری کتاب التفسیر میں زیرِ آیت ھٰذا یہ حدیث لائے ہیں:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا ..... اِنَّہٗ یُجَآءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِیْ فَیُؤْخَذُبِھِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ! اُصَیْحَابِیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْابَعْدَکَ فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔ فَیُقَالُ اِنَّ ھٰؤُلَآءِ لَمْ یَزَالُوْا مُرْتَدِّیْنَ عَلٰی اَعْقَابِھِمْ مُنْذُ فَارَقْتَھُمْ.

(بخاری کتاب التفسیر . باب و کنت علیھم شھیداً......)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ (قیامت کے دن) میری اُمت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے اور انہیں بائیں طرف (جہنم کی طرف) لے جایا جائے گا۔ پس مَیں کہوں گا۔ اے میرے ربّ! یہ تو میرے ساتھی ہیں تو کہا جائے گا تو نہیں جانتا کہ یہ تیرے

بعد کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔تو اس وقت مَیں اسی طرح کہوں گا جس طرح اس نیک بندے (حضرت عیسیٰ) نے کہا کہ مَیں ان پر (اس وقت تک) نگران تھا جب تک مَیں ان میں موجود رہا۔پس جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تُو ہی ان پر نگران تھا۔اس پر کہا جائے گا کہ یہ لوگ تیرے بعد مرتد ہی رہے۔

استدلال:۔

جو معنی تَوَفَّيْتَنِیْ کے اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے بیان کے لئے جاتے ہیں وہی معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لئے جائیں گے۔کیونکہ رسول کریم ﷺ کا اپنی وفات کے بعد قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں بیان دینا واضح کرتا ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ والا بیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی وفات کے بعد ہوا۔اور تَوَفِّیْ کے بعد انہیں قوم میں اصالتاً دوبارہ آنے کا موقع نہیں ملا جس طرح آنحضرت ﷺ کو تَوَفِّیْ کے بعد اصالتاً قوم میں آنے کا موقع نہیں ملا۔

4: تَوَفِّیْ کے متعلق تحقیق:۔

جن لوگوں کو اس آیت کی تفسیر میں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ کے معنی پُورا پُورا لے لیا تُو نے مجھے یعنی روح و جسم کے ساتھ قبضہ میں لے لیا تُو نے مجھے کے معنوں پر اصرار ہو ان پر فرض ہے کہ وہ ایسے استعمال کی عربی زبان سے کوئی مثال پیش کریں۔جس میں تَوَفِّیْ باب تَفَعُّل کا کوئی صیغہ استعمال ہوا ہو جس کا فاعل خدا اور مفعول بہٖ کوئی ذی روح ہو وہاں وفات دینے یا سُلا دینے کے سوا ذی روح کے لئے قبض الجسم کا مفہوم لیا گیا ہو قرآن کریم میں تو ذی روح کے لئے تَوَفِّیْ کا دو

معنوں میں حصر کر دیا گیا ہے۔

1۔ وفات دینا

2۔ سُلا دینا

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا ۚ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۔ (الزّمر:43)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جو جان نہ مرے اسے قبض کرتا ہے اس کی نیند میں پھر وہ روکے رکھتا ہے اس جان کو جس پر اس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو بھیج دیتا ہے مقررہ وقت تک کے لئے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر جاندار کو تَوَفِّیْ یا موت کی صورت میں ہوتی ہے یا نیند کی صورت میں۔ پہلا جملہ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا مثبت ہے اور دوسرا جملہ وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ منفی ۔اس طرح اثبات اور نفی کے ذریعہ ذی روح کے لئے تَوَفِّیْ کا دو معنوں میں حصر کر دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جس جس جان کی تَوَفِّیْ موت کے ذریعہ نہ ہوگی اس کی تَوَفّی صرف اور صرف نیند کی صورت میں ہی ہوگی۔پس تَوَفِّیْ کے معنی بیداری میں خدا کا جاندار کے روح وجسم کا قبضہ میں لے لینا از روئے قرآن مجید درست معنی نہیں کیونکہ یہ ایسے تیسرے معنی ہوں گے جس کا استعمال ذی روح کے لئے قرآن مجید تسلیم نہیں کرتا اور سُلانے کے معنی وہاں لئے جاتے ہیں جہاں نیند کے لئے قرینہ موجود ہو ورنہ قرآن کریم میں جہاں نیند کا قرینہ نہیں ہے وہاں ہر جگہ تَوَفِّیْ کے صیغے خدا کے فاعل ہونے اور انسان کے مفعول

ہونے کی صورت میں وفات دینے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ پس اس طرح تَوَفِّیٌ کے معنی خدا کا انسان کو وفات دینا ایک قرآنی محاورہ ہے اسی محاورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تَوَفِّیٌ کا استعمال ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآنی محاورہ کے خلاف معنی نہیں لئے جا سکتے۔

5: لغت عربی میں تَوَفَّی اللّٰہُ فُلَانًا کے معنی:

1: تَوَفَّاہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ : اِذَاقَبَضَ نَفْسَہٗ۔ (تاج العروس)

ترجمہ : اس کو اللہ نے تَوَفِّیٌ کر لیا اس وقت کہتے ہیں جب وہ اس کی جان کو قبض کر لے۔

2: اَلْوَفَاۃُ اَلْمَوْتُ وَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ : قَبَضَ رُوْحَہٗ۔(القاموس)

ترجمہ : وفات کے معنی موت ہیں اور اس کو اللہ نے تَوَفِّیٌ کیا کے معنی ہیں اس نے اس کی روح قبض کر لی۔

3: تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اَیْ قَبَضَ رُوْحَہٗ ۔ (صراح)

ترجمہ : اللہ نے اس کو تَوَفِّیٌ کیا یعنی اس کی روح قبض کر لی۔

4 : تُوُفِّیَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ : اَدْرَکَتْہُ الْوَفَاۃُ۔

(اساس البلاغة از علامه زمخشری .زیر لفظ. و.ف.ی)

ترجمہ : فلاں تَوَفِّیٌ کیا گیا اور اللہ نے اسے تَوَفِّیٌ کیا کے معنی ہیں اسے وفات نے آ لیا۔

5: اَلْوَفَاۃُ اَلْمَوْتُ وَتُوُفِّیَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ اِذا قَبَضَ نَفْسَہٗ وَفِی الصِّحَاحِ اِذَا قَبَضَ رُوْحَہٗ۔ (لسان العرب)

ترجمہ : وفات کے معنی موت ہیں اور فلاں تَوَفِّیٌ کیا گیا اور اللہ نے اسے تَوَفِّیٌ کیا تب کہتے ہیں جب وہ اس کی جان قبض کرے اور صحاح میں ہے

جب وہ اس کی روح قبض کرے۔

6 : تَوَفَّی اللّٰہُ فُلَانًا اَیْ قَبَضَ رُوْحَہٗ۔ (الصحاح للجوھری)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے فلاں کو تَوَفِّیْ کیا یعنی اس کی روح قبض کر لی۔

7 : اَلتَّوَفِّیْ : اَلْاِمَاتَۃُ وقَبْضُ الرُّوْحِ وَعَلَیْہِ الْاِسْتِعْمَالُ الْعَامَّۃُ۔
(کلیّات ابی البقاء صفحہ129)

ترجمہ : تَوَفِّیْ کے معنی مار دینا اور قبض روح ہیں۔ اسی معنی کا عام استعمال ہے۔

عربی لغت کی کتابوں کے ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ تَوَفِّیْ کے فعل کا فاعل جب خدا ہو اور انسان پر یہ فعل وارد ہو رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا نے اس کی جان قبض کر لی یا اس کی روح قبض کر لی۔ خدا کے فاعل اور انسان کے مفعول بہٖ ہونے کی صورت میں قبضِ جسم کے معنوں میں یہ لفظ عربی زبان میں استعمال نہیں ہوتا۔ لہٰذا قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے جن دو مقامات میں مُتَوَفِّیْکَ اور تَوَفَّیْتَنِیْ کے الفاظ وارد ہیں چونکہ ان میں خدا فاعل اور حضرت مسیحؑ مفعول بہٖ ہیں لہٰذا ان دونوں جگہ تَوَفِّیْ کے ان صیغوں کے معنی وفات دینا ہی ہیں نہ کچھ اور۔

واضح رہے کہ لغت میں تَوَفِّیْ کے معنی قَبْضُ الشَّیءِ وَافِیًا شَیْئًا کا پورا پورا لینا بھی ہیں۔ چنانچہ جب تَوَفِّیْ کا مفعول انسان نہ ہو بلکہ انسان کے علاوہ کوئی غیر ذی روح شے ہو اور فاعل بھی اس کا خدا نہ ہو تو تَوَفِّیْ کے معنی پورا پورا وصول کر لینا ہوتے ہیں۔ جیسے تَوَفَّیْتُ مِنْہُ حَقِّیْ وَ تَوَفَّیْتُ مِنْہُ مَالِیْ۔ یعنی میں نے اس سے اپنا حق یا اپنا مال پورا پورا وصول کر لیا ہے لیکن جب تَوَفِّیْ کا فاعل خدا ہو اور انسان اس کا مفعول بہٖ ہو جیسا کہ پہلے مذکور ہوا تو اس جگہ ہمیشہ قبض روح کے معنی ہی ہو سکتے ہیں۔ جس کی دو صورتیں ہیں۔

1: وفات دینا۔ 2: سُلا دینا۔مگر سُلا دینے کے معنوں کے لئے قرینہ ہونا چاہئے۔اگر سُلا دینے کے معنوں کا قرینہ نہ ہوتو اس جگہ حتمی طور پر موت کے معنی متعین ہوجاتے ہیں کیونکہ یہ تینوں شرطیں کہ تَوَفّی باب تَفَعّل سے ہو، خدا اس کا فاعل ہواور ذی روح اس کا مفعول بہٖ ہواور نیند کا قرینہ موجود نہ ہووفات کے معنی کی تعیین کے لئے حتمی قرینہ ہیں۔ کیونکہ یہ معنی عرفی ہیں اور حقیقت عرفیہ کے محل پر لغوی معنی مُراد نہیں ہوا کرتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اعلان

ا: بعض علمائے وقت کو اس بات پر سخت غلو ہے کہ مسیح ابن مریم فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہی آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور حیات جسمانی دنیوی کے ساتھ آسمان پر موجود ہے اور نہایت بے باکی اور شوخی کی راہ سے کہتے ہیں کہ تَوَفّی کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنے وفات دینا نہیں ہیں بلکہ پورا لینا ہے۔ یعنی یہ کہ روح کے ساتھ جسم کو بھی لے لینا۔ مگر ایسے معنے کرنا ان کا سراسر افتراء ہے قرآن کریم کا عموماً التزام کے ساتھ اس لفظ کے بارہ میں یہ محاورہ ہے کہ وہ لفظ قبض روح اور وفات دینے کے معنوں پر ہر یک جگہ اس کو استعمال کرتا ہے یہی محاورہ تمام حدیثوں اور جمیع اقوالِ رسول اللہ ﷺ میں پایا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں عرب کا جزیرہ آباد ہوا ہے اور زبان عربی جاری ہوئی ہے کسی قول قدیم یا جدید سے ثابت نہیں ہوتا کہ تَوَفّی کا لفظ کبھی قبض جسم کی نسبت استعمال کیا گیا ہو بلکہ جہاں کہیں تَوَفّی کے لفظ کو خدا تعالیٰ کا فعل ٹھہرا کر انسان کی نسبت استعمال کیا گیا ہے وہ صرف وفات دینے اور قبض روح کے معنی پر آیا ہے نہ کہ قبض جسم کے معنوں میں۔ کوئی کتاب لُغت

کی اس کے مخالف نہیں کوئی مثل اور قول اہل زبان کا اس کے مغائر نہیں ۔ غرض ایک ذرہ احتمالِ مخالف کے گنجائش نہیں اگر کوئی شخص قرآن کریم یا کسی حدیث رسول اللہ صلعم سے یا اشعار و قصائد و نظم و نثر قدیم وجدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ تَـوَفِّـیْ کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجُز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنی پر بھی اطلاق پا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے تو میں اللہ جـلّ شـانـہٗ کی قسم کھا کر اقرارِ صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دوں گا اور آئندہ اس کے کمالاتِ حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کرلوں گا۔

.....اس اشتہار کے مخاطب خاص طور پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں جنہوں نے غرور اور تکبّر کی راہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تَوَفِّیْ کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنے پورا لینے کے ہیں یعنی جسم اور روح کو بہ ہیئت کذائی زندہ ہی اٹھا لینا اور وجود مرکب جسم اور روح میں سے کوئی حصہ متروک نہ چھوڑنا بلکہ سب کو بحیثیت کذائی اپنے قبضہ میں زندہ اور صحیح سلامت لے لینا۔ سو اسی معنی سے انکار کر کے یہ شرطی اشتہار ہے۔

(ازالہ اوھام ۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 602 تا 604)

ب: ایسے شخص کو صرف یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ حدیث جس کو وہ پیش کرتا ہے وہ حدیث صحیح نبوی ہے یا گزشتہ عرب کے شاعروں میں سے کسی ایسے شاعر کا قول ہے جو علمِ محاورات عرب میں مسلم الکمال ہے اور یہ ثبوت دینا بھی ضروری ہوگا کہ قطعی طور پر اس حدیث یا اس شعر سے ہمارے دعوٰی کے مخالف

معنے نکلتے ہیں اور ان معنوں سے جو ہم لیتے ہیں وہ مضمون فاسد ہوتا ہے یعنی وہ حدیث یا وہ شعر ان معنوں پر قطعیۃ الدلالت ہے کیونکہ اگر اس حدیث یا اس شعر میں ہمارے معنوں کا بھی احتمال ہے تو ایسی حدیث یا ایسا شعر ہرگز پیش کرنے کے لائق نہ ہوگا کیونکہ کسی فقرہ کو بطور نظیر پیش کرنے کے لئے اس مخالف مضمون کا قطعیۃ الدلالت ہونا شرط ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 384)

2: وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ (آل عمران : 55، 56)

ترجمہ: اوران (یہود نے) تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے جب کہا اللہ نے اے عیسٰی! مَیں (ہی) تجھے وفات دینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف رفعت دینے والا ہوں اور تجھے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا پاک کرنے والا ہوں اور بنانے والا ہوں ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی، غالب ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا قیامت کے دن تک کے لئے۔

استدلال:

یہود کی تدبیر یہ تھی کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر مارے جائیں۔ خدا کی تدبیر ان کو صلیب سے بچانا تھی۔ سو خدا نے انہیں اپنی تدبیر سے بچا لیا نہ کہ زندہ آسمان پر اٹھانے کا معجزہ دکھا کر۔ کیونکہ آسمان پر زندہ اٹھا لینا دشمنوں کے مقابلہ میں تدبیر نہیں اعجاز اور قدرت نمائی ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے مفتی مصر علامہ محمود شلتوت کا مضمون "The Ascension of Jesus" ۔ مجلۃ الازھر شمارہ فروری 1960ء)

2: خدا تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو صلیبی موت سے بچانے کے لئے تسلّی دی اور ان سے چار وعدے کئے۔

وعدۂ اوّل:۔ مَیں تجھے وفات دوں گا یعنی یہودی تجھے نہیں مار سکتے۔

وعدۂ دوم:۔ مَیں تجھے عزت دینے والا ہوں یعنی یہودی تجھے صلیب پر مار کر ذلیل نہیں کر سکتے بلکہ بعد وفات تو مرفوع الی اللہ ہوگا نہ کہ ملعون جیسا کہ یہودی تجھے اپنی تدبیر سے ملعون ثابت کرنا چاہتے ہیں یاد رہے کہ رفع، وضع کی ضد ہے وضع کے معنی ذلّت اور رفع کے معنی عزت افزائی کے ہیں۔ اس جگہ یہ لفظ رفع الروح اور رفعِ روحانی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے کیونکہ پہلے وفات دینے کا وعدہ ہے پھر رفع دینے کا۔

وعدۂ سوم: مَیں تجھے یہود کے الزامات سے پاک ٹھہراؤں گا۔

وعدۂ چہارم: مَیں تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک تیرے منکرین پر غلبہ دوں گا۔ یہ چاروں وعدے خدا تعالیٰ نے علی الترتیب پورے کر دیئے۔

1۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ہاتھ سے بچا کر خود طبعی وفات دے دی۔

2۔ بعد از وفات ان کی روح کی اپنے حضور عزت افزائی کی اور ان کے مدارج کو بلند کیا۔

3۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ان کو یہودیوں کے الزامات سے پاک ٹھہرایا۔

4۔ ان کی پیروی کرنے والوں کو ان کے منکرین پر غالب کر دیا۔

علامہ زمخشری اپنی تفسیر الکشاف میں اس جگہ مُتَوَفِّیکَ کے

معنوں میں لکھتے ہیں:

اَیْ مُسْتَوْفِیْ اَجَلَکَ وَمَعْنَاہُ : اِنِّیْ عَاصِمُکَ مِنْ اَنْ یَّقْتُلَکَ الْکُفَّارُ. وَ مُمِیْتُکَ حَتْفَ اَنْفِکَ لَا قَتْلاً بِاَیْدِیْھِمْ.

یعنی مَیں تیری عمر پوری کرنے والا ہوں اور تجھے اس طرح قبضہ میں لے لینے والا ہوں کہ کفار تجھے قتل نہ کر سکیں اور تجھے طبعی موت دینے والا ہوں نہ ان کے ہاتھوں سے قتل ہو کر موت۔

تفسیر روح المعانی میں بھی یہی معنی لکھے ہیں۔

بعض مفسّرین نے اس جگہ مُتَوَفِّیْکَ کے معنی۔ ''مَیں تجھے وفات دینے والا ہوں'' لے کر رَافِعُکَ کے یہ معنی کئے ہیں۔ وفات دینے کے بعد تجھے زندہ کر کے آسمان پر اُٹھا لینے والا ہوں یہ معنی درست نہیں کیونکہ وفات دینے کے بعد زندہ کرنے اور آسمان پر اٹھانے کا کوئی ذکر اس جگہ موجود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف وفات دینے کے بعد اپنی طرف اٹھا لینے کا ذکر کیا ہے پس اس سے رُوح کا خدا کی طرف اٹھایا جانا اور روحانی رفع دیا جانا یعنی مزید عزّت بخشا جانا ہی مراد ہے۔ عزت دینا اور قرب عطا کرنا ہی رفع کے متعارف معنی ہیں۔ اور حضرت مسیحؑ کا جسمانی رفع الی اللہ تو محال ہے کیونکہ خدا تعالیٰ جہات سے پاک ہے اور رفع جسمانی خدا تعالیٰ کے ذوجہت ہونے کو چاہتا ہے اور خدا کا ذوجہت ہونا محال ہے لہٰذا اس کی طرف رفع جسمانی محال ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہہ کر کہ واؤ جمع کے لئے ہوتی ہے نہ ترتیب کے لئے آیت میں تقدیم و تاخیر تسلیم کی ہے یعنی رفع پہلے کیا اور وفات بعد میں دے گا۔ اس طرح رَافِعُکَ اِلَیَّ کے معنی مسیحؑ کو آسمان پر مع جسم اٹھانے والا ہوں لیے ہیں۔ یہ معنی بھی بوجوہات ذیل درست نہیں۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

اِذَا اَمْكَنَ حَمْلُ الْكَلَامِ عَلٰى ظَاهِرِهٖ كَانَ الْمَصِيْرُ اِلَى التَّقْدِيْمِ وَالتَّاخِيْرِ غَيْرَ جَائِزٍ (تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 177)

کہ جب کلام کو ظاہر پر محمول کیا جا سکے تو تقدیم و تاخیر کی طرف جانا ناجائز ہوتا ہے۔

آیت ھٰذا میں صرف یہی بات نہیں پائی جاتی کہ اس کلام کا حمل ظاہر پر ممکن ہے بلکہ اس جگہ ترتیب کو ملحوظ نہ رکھنا امر محال ہے۔ اگر تقدیم و تاخیر کر کے رَافِعُکَ کو پہلے رکھا جائے اور مُتَوَفِّیکَ کو اس کے بعد رکھا جائے تو مُتَوَفِّیکَ کے لفظ کو مُطَهِّرُکَ سے پہلے رکھنا محال ہے۔ کیونکہ تطہیر کا وعدہ تو رسول کریم ﷺ کے ذریعے پورا ہو چکا ہے۔ اور حیاتِ مسیح کے قائلین کے نزدیک اس وقت تک بھی وفات مسیح واقع نہیں ہوئی تھی۔

اب مُتَوَفِّيْكَ کے لفظ کو اٹھا کر جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ سے پہلے بھی نہیں رکھ سکتے کیونکہ مسیحؑ کے متبعین کو ان کے منکرین پر غلبہ بھی مل گیا اور قائلین حیاتِ مسیحؑ کے نزدیک ابھی تک حضرت مسیحؑ کی وفات نہیں ہوئی ..... یہ غلبہ کا وعدہ قیامت کے دن تک کے لئے ہے۔ لہٰذا مُتَوَفِّيْكَ کو اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے بعد رکھا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ قیامت کے دن جب دوسرے لوگ زندہ ہو رہے ہوں گے اس دن حضرت مسیحؑ کی وفات ہو رہی ہو گی۔ حالانکہ قیامت کا دن دوبارہ زندگی کا دن ہے۔ نہ کسی کی موت کا لہٰذا اس آیت میں ترتیب کا بدلنا محال ہے اور کلام کا حمل ظاہر پر ہی از بس ضروری ہے۔

پس حضرت مسیحؑ کی وفات پہلے ہونے والی تھی اور رفع بعد میں لہٰذا اس جگہ روح کا رفع اور روحانی رفع ہی مراد ہو سکتا ہے۔

2۔ اگر پھر بھی کوئی ترتیب بدلنے پر مُصِر ہو تو واضح رہے کہ رَافِعُکَ اِلَیَّ کو

پہلے رکھنے سے بھی خدا تعالیٰ کی طرف حضرت مسیحؑ کا رفع جسم مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ رفع جسمی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ خدا اُوپر کی جہت میں ہو حالانکہ خدا تعالیٰ مقام اور جہت سے پاک ہے پس رفع جسم سے خدا تعالیٰ کا محدود المکان ہونا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔

ماسوا اس کے رفع الی اللہ کے معنی صرف خوش بختی یا خدا کا قرب دیا جانا ہوتے ہیں۔ لغت میں ہے۔

اَلـرَّفْعُ ضِدُّ الْوَضْعِ وَفِیْ اَسْمَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَلرَّافِعُ ھُوَالَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِ سْعَادِ وَاَوْلِیَآءَ ہٗ بِالتَّقْرِیْبِ.

(لسان العرب و القاموس)

کہ رفع وضع کی ضد ہے اور اللہ کے ناموں میں سے ایک نام اَلــرّافِع (رفع دینے والا) ہے۔ یہ وہی ہے جو مومنوں کو خوش بختی اور اولیاء کو اپنا مقرب بنانے سے رفع دیتا ہے۔

انہی امور کے مدنظر تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ نے رَافِعُکَ کے معنی لکھے ہیں۔

وَاعْلَمْ اَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ رَفْعَہٗ فِیْ قَوْلِہٖ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ ھُوَ الرِّفْعَۃُ بِالدَّرَجَۃِ وَالْمَنْقَبَۃِ لَا بِالْمَکَانِ وَالْجِھَۃِ.

کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ رَافِعُکَ اِلَـیَّ میں رفع درجہ اور منقبت (منقبت بمعنی شان) میں ہے نہ کہ مکان اور جہت میں۔

3۔ رفع الی اللہ کے ایک معنی باعزّت وفات دینے کے بھی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَکْـرَمَ اللّٰہُ نَبِیَّہٗ اَنْ یُرِیَہٗ فِیْ اُمَّتِہٖ مَایَکْرَہُ فَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ وَبَقِیَتِ النَّقْمَۃُ. (البیھقی بحوالہ کیلی الموفی صفحہ28)

کہ خدا تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی یوں عزت افزائی فرمائی کہ آپ کی موجودگی میں اُمّت کے لئے جو باتیں آپ کو ناپسند تھیں وہ ظاہر نہیں ہوئیں اور خدا نے آپ ﷺ کو اپنی اپنی طرف اُٹھالیا (باعزت وفات دی) اور موجبِ عذاب باتیں بعد میں وقوع پذیر ہوئیں۔

4: قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کے فاعل ہونے اور انسان کے مفعول ہونے کی صورت میں جہاں بھی رفع کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں قربِ منزلت ہی مراد ہے نہ کہ جسم کا اٹھایا جانا۔

آیات قرآنیہ

اَ: وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ۔(الاعراف:177)

ب: مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔(البقرۃ: 254)

ج: رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔(الانعام :166)

د: رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔(الزخرف: 33)

ہ: نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ۔(الانعام : 84)

و: وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔(مریم:58)

ز: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔(المجادلۃ:12)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ رفع کا صلہ جب اِلٰی ہو اور خدا فاعل ہو اور مفعول انسان تو اس جگہ رفع جسمی مراد ہوتا ہے مگر یہ قاعدہ خود ساختہ ہے اس کی کوئی شہادت اور مثال عربی زبان میں موجود نہیں۔ حضرت اَنسؓ کی اوپر درج کردہ حدیث اس کی تردید کرتی ہے۔ وہاں تینوں شرطیں موجود ہیں مگر مراد وفات کے بعد قرب پانا ہے۔

پھر آیت زیر بحث میں اِلَیَّ کا لفظ بھی موجود ہے اَلسَّمَاء کا لفظ موجود

نہیں مگر رفع الی اللہ سے مجازاً حضرت مسیحؑ کا **رفع الی السماء** مراد لینا بھی درست نہیں کیونکہ رفع کے بعد اگر اَلسَّمَاء کا لفظ بھی موجود ہو اور اِلٰی کا صلہ بھی موجود ہو اور رفع کا فاعل خدا ہو اور کوئی ذی روح اس کا مفعول ہو تو عربی زبان میں اس صورت میں بھی رفع سے مراد درجہ کی بلندی ہوتی ہے نہ کہ جسم کا آسمان پر اُٹھایا جانا۔ چنانچہ حدیث نبویؐ میں آیا ہے۔

اِذَا تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللّٰهُ بِالسِّلْسِلَةِ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ.

(کنز العمال جلد3 صفحہ 117 باب التواضع)

ترجمہ: جب بندہ عاجزی اختیار کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اسے ساتویں آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہے زنجیر کے ساتھ۔

اس جگہ فروتنی اختیار کرنے والے کے لئے سلسلہ وار بلند مرتبہ پانے کا ذکر ہی ہے نہ کہ ظاہری طور پر مادی جسم کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا۔

8: بعض مفسّرین نے آیت یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ میں ترتیب تو تسلیم کی ہے مگر انہوں نے مُتَوَفِّیْكَ کے یہ معنی کئے کہ خدا نے کہا ”میں تجھے پورا پورا قبضے میں لے لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں“ لہٰذا پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مع روح وجسم زندہ قبضہ میں لے لیا اور پھر زندہ کو ہی آسمان پر اٹھا لیا۔

ہم بتا چکے ہیں کہ تَوَفِّیْ کے فعل کا جب اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور انسان اس کا مفعول بہٖ ہو تو اس جگہ صرف قبض روح کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ قبض روح کی از روئے قرآن مجید دو ہی صورتیں ہیں وفات دینا اور سُلا دینا۔ آیت زیر بحث میں صرف وفات دینے کے معنی ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سُلا دینے کے معنوں کے لئے کوئی قرینہ چاہیئے اور وہ اس جگہ موجود نہیں اور بلا قرینہ اس کے معنی سُلا دینا نہیں

ہوتے بلکہ خدا کے فاعل اور ذی روح کے مفعول ہونے کی صورت میں وفات دینا ہی ہوتے ہیں۔

9: ماسوا اس کے جب ہر زندہ انسان ہر آن مع روح و جسم ہمیشہ خدا کے تصرّف اور قبضہ میں ہے تو پھر مُتَوَفِّيْكَ کے لفظ سے حضرت مسیح علیہ السلام کو آئندہ خدا کے قبضہ میں لے لینے کا وعدہ تحصیل حاصل ہے کیونکہ جو چیز پہلے سے حاصل ہو اس کے متعلق یہ وعدہ کرنا کہ وہ آئندہ تمہیں حاصل ہوگی ایک لغو بات ہے۔

ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ رفع کا فاعل جب خدا ہو اور انسان اس کا مفعول ہو تو اس کے معنی اس انسان کا جسم آسمان پر اٹھا لینے کے نہیں ہوتے خواہ رفع کے ساتھ اَلسَّمَاء کا لفظ بھی موجود ہو جو یہاں موجود نہیں بلکہ اس کے معنی خدا تعالیٰ کا اُسے بلندی درجات دینا ہوتے ہیں۔ خواہ یہ درجات زندگی میں حاصل ہوں یا مرنے کے بعد حاصل ہوں۔ ہاں رفع کی تکمیل بعد از وفات ہی ہوتی ہے۔

پس مُتَوَفِّيْكَ کے بعد وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کا وعدہ صرف یہ مفہوم رکھتا ہے کہ خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وعدہ سے تسلّی دی کہ یہودی تمہیں صلیب پر مار نہیں سکتے میں تمہیں طبعی وفات دوں گا اور تمہاری روح کا رفع کروں گا اور تمہارے درجات اپنے حضور بلند کروں گا۔

3. وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ۔

(النحل : 22،21)

ترجمہ: اور اللہ کے سوا جن معبودان باطلہ کو وہ پکارتے ہیں وہ کچھ (بھی) پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں وہ (سب) مُردے ہیں نہ کہ زندہ اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔

استدلال:

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت خدا تعالیٰ کے سوا جن لوگوں کی پرستش ہو رہی تھی انہیں اَمۡوَاتٌ کہہ کر مُردہ قرار دیا گیا ہے اور غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ کہہ کر ایسے مُردے قرار دیا جو زندہ نہ ہوں یعنی در حقیقت وفات پا چکے ہوں اور مَا یَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ کہہ کر یہ ظاہر کیا کہ اب وہ قیامت کو دوبارہ زندہ ہوں گے۔لیکن انہیں علم نہیں کہ قیامت کب ہوگی۔

چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام اور اُنکی والدہ کی اُس وقت پرستش کی جارہی تھی لہٰذا وہ دونوں اَمۡوَاتٌ کہ میں داخل ثابت ہوئے اور وفات یافتہ قرار پائے اگر حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہوتے تو یہ محل تھا کہ ان کا اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ کے بعد اِلَّا عِیۡسٰی کہہ کر استثناء کیا جاتا یعنی عیسیٰ کے سوا باقی جن کی پرستش کی جاتی ہے مردہ ہیں زندہ نہیں لیکن اس استثناء کا موجود نہ ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ میں داخل ہیں۔پس یہ آیت بھی ان کی وفات پر روشن دلیل ہے۔

4 . وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ . **(آل عمران : 140)**

ترجمہ : اور نہیں ہیں محمد ﷺ مگر اللہ کے رسول۔ان سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں اگر وہ مر جائیں یا قتل ہوں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟

استدلال:

اس جگہ سب رسولوں کے گزر جانے سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم سے پہلے آنے والے تمام رسول وفات پا چکے ہیں کوئی ان میں سے زندہ نہیں۔

اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ میں گزرنے کے دو ہی طریق بیان کئے گئے ہیں۔ موت اور قتل کیا جانا۔ آیت وَمَا قَتَلُوۡہُ وَمَا صَلَبُوۡہُ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کیا جانے یا صلیب پر مارا جانے کی نفی کی گئی ہے پس ان کے لئے طبعی موت پانا ثابت ہوا۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ کے بعد اِلَّا عِیۡسَی بن مریم کہہ کر ان کا استثناء کیا جاتا۔ تا یہ استدلال ہوسکتا کہ وہ زندہ ہیں اور ان کے سوا باقی نبی گزر چکے ہیں۔

منطقی لحاظ سے اس آیت میں دلیلِ استقرائی سے کام لیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جب پہلے تمام نبی وفات پا چکے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر معمولی عمر پانا ناممکن ہے اگر کوئی ایک رسول بھی آپ سے پہلے غیر معمولی عمر پانے والا ہوتا تو یہ دلیل چونکہ نقص سے پاک ہوتی ہے اور کمزور نہیں ہوتی اس لئے اس جگہ استقراء تام مراد ہوگا اور اَلرُّسُلُ کے لفظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے تمام رسول مراد ہوں گے گویا اَلرُّسُلُ کا اَل استغراقِ عرفی کے لئے قرار پائے گا۔

خَلَا فُلَانٌ کے معنی لغت میں لکھے ہیں:

1: خَلَافُلَانٌ : اِذَامَاتَ ۔ (لسان العرب)

خَلَا فُلَانٌ کے معنے ہیں آدمی مر گیا۔

2: خَلَاالرَّجُلُ: اَیۡ مَاتَ۔ (اقرب الموارد)

خَلَاالرَّجُلُ کے معنی ہیں آدمی مر گیا۔

3: خَلَافُلَانٌ : اَیۡ مَاتَ۔ (تاج العروس)

خَلَافُلَانٌ کے معنی ہیں وہ مر گیا۔

قرآن کریم میں قَدۡ خَلَتۡ کا استعمال بغیر الٰی کے صلہ کے جن لوگوں

کے لئے بھی استعمال ہوا ہے وہاں ان کے گزر جانے سے ان کا وفات پا جانا اور اس دنیا میں دوبارہ اصالتاً نہ آنا ہی مراد ہے۔

آیات قرآنی میں خَلا کا استعمال:

1: تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ۔ (البقرة:135)

2: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ۔ (الرعد:31)

3: فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (الاحقاف : 19)

4: سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ۔ (الاحزاب:39)

5 : وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔الآية (النور:56)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور نیک عمل کئے کہ وہ ان کو زمین میں خلافت عطا کرے گا۔ جیسے ان سے پہلوں کو عطا کی اور وہ ان کے لئے ان کے اس دین کو جو اللہ نے ان کیلئے پسند کیا ہے تمکنت دے گا۔ اور وہ ضرور ان کے خوف کی حالت کو امن کی حالت سے بدل دے گا۔

استدلال:

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس اُمّت میں آنحضرت ﷺ کے خلیفہ ہونے کا شرف ان لوگوں کو ملے گا جو پہلے اُمّت میں سے ایمان لا کر اعمالِ صالحہ بجا لائیں۔ پھر ایسے خلیفہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلام سے پہلے گزرے ہوئے

خلفاء میں سے کسی کے مشابہ ہو جس پر کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ کے الفاظ واضح دلالت کر رہے ہیں۔

عیسیٰ موعود کو آنحضرت ﷺ نے اَلا اِنَّہٗ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ۔(طبرانی) کہہ کر اُمّت میں اپنا خلیفہ قرار دیا۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ بن مریم کے اصالتاً نازل ہو کر آنحضرت ﷺ کا خلیفہ بننے میں یہ آیت روک ہے۔ کیونکہ اس میں مشبّہ اور مثیل کے آنے کا وعدہ ہے نہ کہ پہلے خلفاء میں سے کسی کا جو مشبّہ بہٖ ہو۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصالتاً آ جائیں تو مشبّہ اور مشبّہ بہٖ کا عین ہونا لازم آتا ہے کیونکہ اس صورت میں خود عیسیٰ بن مریم کو عیسیٰ بن مریم کے مشابہ قرار دینا پڑتا ہے اور یہ محال ہے۔

پس پیشگوئیوں میں خبر مثیل عیسیٰ کے آنے کی تسلیم کرنی پڑے گی اور اصل عیسیٰ کو وفات یافتہ ماننا پڑے گا۔

6 : اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ **(الفاتحۃ :6،7)**

ترجمہ: (اے اللہ) تو دکھا ہم کو سیدھا راستہ۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر تُو نے انعام کیا۔ نہ کہ اُن کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔

استدلال:۔

یہ دعا اللہ تعالیٰ نے خود رسول کریم ﷺ کو سکھائی ہے۔ پس یہ دعا آپؐ کے حق میں اور آپؐ کی اُمّت کے حق میں ضرور قبول ہوئی۔ اگر یہودیوں کے منصوبہ کے مقابلہ میں کہ حضرت مسیحؑ کو قتل کیا جائے یا صلیب دیا جائے خدا تعالیٰ نے انہیں زندہ خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا ہوتا تو پھر خدا تعالیٰ ضرور

آنحضرت ﷺ کو بھی اس وقت زندہ آسمان پر اٹھا لیتا جب مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ یہ محال ہے کہ ایک دعا اللہ تعالیٰ خود آنحضرت ﷺ کو سکھائے اور پھر اسے قبول نہ کرے پس چونکہ آنحضرت ﷺ سے ایسا معاملہ نہیں ہوا اس لئے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ایسا معاملہ نہیں ہوا تھا گویا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو ہزار سال سے آسمان پر خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں اور نہ آنحضرت ﷺ تیرہ سو سال سے آسمان پر خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں پس جس طرح آنحضرت ﷺ کو دشمنوں کے ہاتھ سے بچا کر خدا تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کروا کر عزت دی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کشمیر میں ہجرت کروا کر عزت دی بموجب آیت قرآنیہ

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ. (المومنون : 51)

ترجمہ: یعنی ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو نشان بنایا اور ان دونوں کو ایک بلند زمین آرام والی اور چشموں والی میں پناہ دی۔

7 : وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا. أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا. أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۖ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا. (بنی اسرائیل : 91 تا 94)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز تیری کوئی بات نہیں مانیں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ تو ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری کرے۔ یا تیرا کھجوروں

اورانگوروں کا باغ ہو اور تو اس کے اندر نہریں جاری کرے یا جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے۔ تُو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرائے یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرے یا تیرا سونے کا کوئی گھر ہو یا تُو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لائیں جب تک تُو (اوپر جا کر) ہم پر کوئی کتاب نہ اتارے جسے ہم خود پڑھیں۔ تُو (انہیں) کہہ کہ میرا ربّ (ایسی بے ہودہ باتوں کے اختیار کرنے سے) پاک ہے میں تو صرف بشر رسول ہوں۔

استدلال:

کفار نے آنحضرت ﷺ سے مندرجہ بالا خود تجویز کردہ معجزات طلب کئے۔ آخری مطالبہ ان کا یہ تھا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ان پر کتاب اتاریں۔ خدا تعالیٰ نے ان مطالبات کے جواب میں فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ کہ اے رسول !تُو اُن سے کہہ دے کہ خدا ہر عیب سے پاک ہے اور میں صرف ایک بشر رسول ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی بشر خاکی جسم کے ساتھ جیسا کہ کفار کا مطالبہ تھا آسمان پر نہیں چڑھ سکتا اور اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ کسی بشر کو خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر لے جائے اور پھر اس کے ذریعہ کتاب اُتارے۔

حضرت مسیحؑ بھی چونکہ بشر رسول تھے اس لئے ان کا بھی خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر جانا محال ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ معراجِ نبوی ﷺ ایک روحانی اور کشفی سیر تھا۔ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قولہ و کلّم اللّٰہ موسیٰ تکلیما کی روایت وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (کہ آپ کی

غنودگی جاتی رہی اور آپ ﷺ مسجد حرام میں تھے) بھی اس بات پر روشن دلیل ہے کہ معراجِ نبوی ﷺ ایک روحانی امر تھا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ۔ سورۃ بنی اسرائیل)

8 : وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ. (آل عمران : 82)

ترجمہ:۔ اور جب خدا نے نبیوں کا عہد لیا کہ جو بھی کتاب اور حکمت میں تمہیں دوں پھر تمہارے پاس کوئی ایسا رسول آئے جو اس کلام کو پورا کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا اور فرمایا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے ذمہ داری قبول کرتے ہو اور انہوں نے کہا ہاں ہم قرار کرتے ہیں۔ فرمایا اب تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

استدلال:

اس آیت کے دو معنی کئے جاتے ہیں اوّل یہ کہ تمام نبیوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد لیا گیا۔ دوم یہ کہ ہر پہلے نبی سے پچھلے نبی پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا۔

یہ عہد انبیاء سے ان کی قوموں کے لئے لیا گیا کہ وہ اپنی قوموں کو ہدایت کر جائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آئندہ آنے والے نبی پر ایمان لائیں اور اس کی نصرت کریں۔ کیونکہ نبی بوجہ امام ہونے کے قوم کا بھی نمائندہ ہوتا ہے۔ اگر عہد کرنے والا نمائندہ خود موجود ہو تو اس کا اور اس کی قوم کا یہ اخلاقی اور شرعی فرض ہوتا ہے

کہ اس عہد کی پابندی کریں۔ اوپر کے دونوں معنوں کے لحاظ سے یہ امر واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا ضرور عہد لیا گیا۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اس عہد کے مطابق جو ان سے اللہ نے لیا تھا ان کا فرض تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں شامل ہو کر آپ کی مدد کرتے اور خدا کیلئے جس نے عہد لیا تھا یہ واجب تھا کہ وہ انہیں ضرور نصرت کے لئے بھجوا دیتا چونکہ وہ کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شامل نہیں ہوئے اس لئے یہ امر ان کے وفات یافتہ ہونے پر روشن دلیل ہے ورنہ معاذ اللہ انہیں بدعہد ماننا پڑے گا۔ جو محال ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انہیں خدا تعالیٰ نے روک رکھا تھا تو پھر خدا پر الزام آتا ہے کہ نصرت کا عہد لینے کے بعد جب کہ ضرورتِ حقّہ موجود تھی اس نے مسیحؑ کو کیوں روک رکھا۔

دوسرے انبیاء تو غزواتِ نبوی ﷺ میں اس لئے شامل نہیں ہوئے کہ وہ وفات یافتہ تھے پس عیسیٰ علیہ السلام کے شامل نہ ہو سکنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ بھی وفات پا چکے تھے۔

اُن آیات کی تفسیر جن سے حیاتِ مسیح پر استدلال کیا جاتا ہے

1. وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا . بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا . وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا

لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔

(النساء : 158 تا 160)

ترجمہ: اور ان کے اس قول کے سبب (انہیں سزا ملی) کہ یقیناً ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو حالانکہ نہ انہوں نے اُسے قتل کیا اور نہ انہوں نے اسے صلیب پر لٹکا کے مارا بلکہ وہ ان کے لئے مقتول ومصلوب کے مشابہ بنایا گیا اور جن لوگوں نے اس معاملہ میں اختلاف کیا ہے وہ ضرور اس معاملہ میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں بجُز وہم کی پیروی کے اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنے حضور رفعت دی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہیں مگر وہ اس واقعہ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا رہے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔

تفسیر: یہودیوں نے یہ کہا تھا کہ بے شک ہم نے مسیحؑ عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے یہ فقرہ ان کا بطور طنز وتحقیر کے تھا کیونکہ وہ عیسیٰ بن مریم کو نہ مسیح مانتے تھے نہ رسول اللہ بلکہ اُن کی مراد یہ تھی کہ عیسیٰ بن مریم جو مسیح اور رسول اللہ بنا بیٹھا تھا۔ اسے ہم نے مار ڈالا ہے کیونکہ وہ (معاذ اللہ) مفتری تھا اور تورات میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔ (استثناء باب 13 آیت 5)

بعض یہودی یہ کہتے تھے کہ مسیحؑ کو سنگسار کر کے بعد میں صلیب پر لٹکایا گیا اور بعض یہ کہتے تھے کہ مسیحؑ کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا گیا ہے اور عیسائی بھی اسی دوسرے عقیدہ پر قائم ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کہہ کر مطلق قتل کیا جانے کی بھی تردید کر دی اور صلیب پر مارا جانے کی بھی تردید کر دی اور فرمادیا کہ یہودیوں نے نہ مسیح کو قتل کیا ہے نہ صلیب پر مارا ہے لیکن وہ ان کے لئے

مقتول اور مصلوب کے مشابہ کئے گئے ہیں یعنی یہودیوں نے غلطی سے سمجھ لیا ہے کہ وہ مار ڈالے گئے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی موت واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ یہودیوں کے لئے بوجہ غشی، مُردہ کے مشابہ دکھائی دیئے اور ان کی غشی سے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ اُن کی موت واقع ہو گئی ہے اور پھر وہ ان کے مار ڈالنے کو یقین کے ساتھ بیان کرنے لگ گئے۔

واضح ہو کہ شُبِّهَ لَهُمْ جملہ فعلیہ خبریہ ہے کہ اس میں شُبِّهَ فعل ماضی مجہول ہے جس کا اسناد سیاقِ کلام کے لحاظ سے یا مسیحؑ کی طرف ہو سکتا ہے۔ یا قتل وصلب کے معاملہ کی طرف۔ یعنی شُبِّهَ کی ضمیر واحد غائب مستتر یا حضرت مسیحؑ کی طرف پھرتی ہے یا واقعۂ قتل کی طرف تیسرا کوئی امر یا شخص مذکور نہیں جو اس ضمیر کا مرجع بن سکے۔

دونوں صورتوں کا مآل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا معاملہ یہود پر مشتبہ ہو گیا۔ پہلی صورت میں تقدیر کلام وَلٰكِنْ شُبِّهَ الْمَسِيْحُ لَهُمْ ہو گی۔ اور اس صورت میں مسیح مشبّہ ہو گا اور مطلق مقتول و مصلوب نہ کہ کوئی معین مقتول و مصلوب مشبہ بہٖ اور دوسری صورت میں تقدیر کلام یوں ہو گی شُبِّهَ اَمْرُ الْقَتْلِ وَالصُّلْبِ لَهُمْ کہ قتل کئے جانے اور صلیب دیئے جانے کا معاملہ یہود پر مشتبہ ہو گیا اور انہوں نے غیر مقتول اور غیر مصلوب کے مقتول و مصلوب ہونے کا گمان کر لیا۔

ایک غلط توجیہ:

بعض مفسرین جن میں مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی بھی شامل ہیں یہ توجیہ کی ہے کہ شُبِّهَ لَهُمْ کے یہ معنی ہیں کہ کوئی اور آدمی مسیحؑ کا ہم شکل اور مشابہ بنا دیا گیا اور اسے مقتول و مصلوب کر دیا گیا اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ اس تفسیر کے درست ہونے کے متعلق ان کی دلیل یہ ہے کہ وَلٰكِنْ سے پہلے

اگر منفی جملہ آئے تو پہلے جملہ کا مثبت فعل وَلٰکِنْ کے بعد محذوف ماننا پڑے گا اور اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی مَا قَتَلُوہُ وَمَا صَلَبُوہُ وَلٰکِنْ قَتَلُوہُ وصَلَبُوہُ مِنْ شُبِّہَ لھم (ملاحظہ ہو ان کی تصنیف شہادۃ القرآن صفحہ 50) اس توجیہ کا ترجمہ مولوی صاحب نے یوں لکھا ہے کہ لیکن انہوں نے اس شخص کو قتل کیا اور صلیب پر چڑھایا جو ان کے لئے مسیحؑ کے مشابہ بنایا گیا تھا۔

توجیہ کی تردید:

مولوی صاحب کی یہ توجیہ اور ان کے ساتھ بعض مفسّرین کی اِسی قسم کی توجیہات صرف اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے یہ عقیدہ اختیار کر رکھا تھا کہ نہ صرف یہ کہ مسیحؑ کی موت صلیب پر واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ صلیب پر چڑھائے بھی نہیں گئے اور اُس روایت کو قبول کر لیا جو پرانے معدوم عیسائیوں کے ایک حصہ میں چلی آتی تھی کہ مسیح کی جگہ دوسرا شخص شمعون قرینی یا یہوداہ اسکریوطی مسیحؑ کا ہمشکل ہونے کی وجہ سے صلیب دیا گیا اور حضرت مسیح درمیان سے غائب ہو گئے۔ اس روایت کی توثیق کسی حدیث نبوی مرفوع متصل سے نہیں ہوتی۔ یہ روایت محض جعلی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر حضرت مسیحؑ کو خدا نے بقول مولوی محمد ابراہیم صاحب آسمان پر زندہ اٹھالیا ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ کو کسی دوسرے شخص کو مسیح کا ہمشکل بنا کر صلیب دلوانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس طریق کے اختیار کرنے سے یہودی ہمیشہ کی گمراہی میں مبتلا رہ سکتے تھے کیونکہ انسان شکل ہی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ جب حضرت مسیحؑ کی شکل دوسرے شخص کو دی گئی تو پھر خدا تعالیٰ نے خود ہمیشہ کیلئے یہود کی گمراہی کا سامان کیا کہ وہ کہتے رہیں کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو مار ڈالا۔ ایسی چال خدا کی شان کے منافی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے بالفرض حضرت مسیحؑ کو زندہ آسمان پر اٹھانا ہوتا تو پھر وہ

انہیں لوگوں کے دیکھتے ہوئے ان کے درمیان سے آسمان پر اُٹھالیتا تا یہ معجزہ دیکھ کر یہود ایمان لے آتے اور کسی دوسرے شخص کو حضرت مسیحؑ کا ہمشکل بنا کر صلیب دینے کی ضرورت نہ ہوتی جس سے یہود کو حضرت عیسیٰ بن مریم کے مصلوب ہونے کا یقین پیدا ہوتا پھر اگر دوسرا شخص حضرت مسیحؑ کا ہمشکل بنا کر صلیب پر چڑھا دیا جاتا تو وہ اوراس کے اقرباء ضرور شور کرتے کہ وہ تو عیسیٰ نہیں۔ پھر وہ مارا بھی جاتا تو منظّم رومی حکومت میں شور پڑ جاتا کہ اصل مجرم کی جگہ حکومت کے کارندوں نے دوسرا آدمی مارڈالا ہے اور مقتول ومصلوب کے ورثاء حکومت سے اپیل کرتے اور تحقیقات پر حقیقت کھُل جاتی کہ بے گناہ انسان مارا گیا ہے۔ حکومت کے کارندوں کو حکومت سزا دیتی اور وارثوں کو تاوان اور یہودیوں کا یہ شبہ مٹا دیا جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب ہوئے۔ پھر اسرائیلیوں کی ایسی روایات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض شمعون قرینی کا صلیب دیا جانا بتاتے ہیں اور بعض یہوداہ اسکریوطی کا۔ پس یہ خیال نہایت کمزور، باطل بلکہ سٹنٹ ہے۔

یہودیوں اورعیسائیوں کے مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے متعلق ایسے ہی تمام اختلافات کے پیشِ نظر وَلٰـکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۔

کہ یقیناً جن لوگوں نے بھی مسیحؑ کے قتل اور صلیب کے واقعہ میں اختلاف کیا ہے (خواہ یہ کہا کہ وہ مقتول ہوئے یا یہ کہا کہ وہ صلیب پر مارے گئے یا یہ کہا کہ کوئی دوسرا شخص ان کا ہم شکل مصلوب ہوا) وہ سب اصل واقعہ سے شک میں مبتلا ہیں۔ انہیں اس کا (یعنی اصل حقیقت کا) علم نہیں ہے۔ وہ صرف ظنّ کی پیروی کررہے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کہہ کر اس کے بعد معاملہ کو یہود پر مشتبہ قرار دے کر صاف طور پر بتا دیا ہے کہ یقینی بات یہی ہے کہ مسیحؑ کو قتل وصلیب سے بچا لیا گیا ہے اور اس واقعہ کے متعلق جس قدر بھی اختلافات ہیں جن سے لوگوں پر حضرت مسیحؑ کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے وہ محض اٹکل پچو خیالات کا نتیجہ ہیں ان کی بنیاد کسی یقینی بات پر نہیں۔ گویا یہودیوں اور عیسائیوں کے تمام اختلافات کو اس آیت کے ذریعہ مردود قرار دیا گیا ہے کہ مسیحؑ کی موت واقع ہو گئی یا کوئی دوسرا آدمی اُن کا ہم شکل صلیب پر مارا گیا۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مَاقَتَلُوْهُ يَقِيْنًا کہہ کر مسیحؑ کے مارا جانے کے بارہ میں یہودیوں وغیرہ کے خیالات کو قطعاً غلط قرار دے دیا ہے۔ مَاقَتَلُوْهُ يَقِيْنًا کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ یہودیوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ اس جگہ یہ نہیں کہا کہ انہوں نے کسی دوسرے شخص کو قتل کیا ہے۔ یہ معنی لفظ قتل کے حقیقی معنی کے لحاظ سے ہیں لیکن اس آیت میں قتل کے مجازی معنی بھی مراد لیے گئے ہیں یعنی پورے طور پر جاننا۔ چنانچہ مفرداتِ راغب میں لکھا ہے۔

مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْناً اَیْ مَا عَلِمُوْا كَوْنَهٗ مَصْلُوْباً عِلْماً يَقِيْناً.

یعنی حضرت مسیحؑ کے مصلوب ہونے کو انہوں نے یقینی علم کے ساتھ نہیں جانا یہ معنی بھی اختلافات کے وہم ہونے پر بطور دلیل موزوں معنی ہیں۔

اب رہ گئی یہ بات کہ مولوی ابراہیم صاحب کا یہ قاعدہ نحو اس جگہ کیوں چسپاں نہیں ہو سکتا؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ منفی جملہ کے بعد جب وَلٰكِنْ آ جائے تو پہلے فعل کو مثبت صورت میں اُس وقت محذوف مانا جاتا ہے جبکہ اس کے بعد جملہ خبریہ نہ ہو بلکہ مفرد ہو یا مرکب ناقص ہو یا ایسا جملہ ہو جو بحکم مفرد ہو جیسے جملہ انشائیہ مقولہ کے طور پر واقع ہو۔

مولوی صاحب کی استشہاد میں پیش کردہ مثالیں یہ ہیں۔

1 : مَا قامَ زَیْدٌ وَلٰکِنْ عَمْرٌو میں (وَلٰکِنْ قَامَ عَمْرٌو)

2 : مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ میں (وَلٰکِنْ کَانَ رَسُولَ اللّٰہِ)

ان دونوں مثالوں میں واقعی مولوی صاحب کا پیش کردہ قاعدہ جاری ہے کیونکہ پہلی مثال میں عَمْرٌو مفرد ہے اور دوسری مثال میں رسول اللہ مرکب اضافی ہے جوخود جملہ نہیں اس لئے پہلی مثال میں فعل قَامَ محذوف ہوگا اور دوسری مثال میں کَانَ فعل محذوف۔

لیکن وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں شُبِّهَ لَهُمْ جملہ خبر یہ ہے لہٰذا ان دو مثالوں پر جو قاعدہ چسپاں ہے وہ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ پر چسپاں نہیں ہوتا۔

مولوی صاحب نے تیسری مثال قرآنی آیت مَاکَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ۔(آل عمران:78) دی ہے اور وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ کی تقدیر عبارت وَلٰکِنْ یَّقُوْلُ کُونُوا رَبَّانِیِّین لکھی ہے۔

اس جگہ بے شک وَلٰکِنْ کے بعد یَقُوْلُ فعل مقدر ماننا پڑتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ جملہ خبریہ نہیں بلکہ جملہ انشائیہ بصورت امر ہے کہ تم ربّانی بن جاؤ۔اس لئے اس سے قبل یَقُوْلُ فعل کا مقدر ماننا ضروری ہے اور یہ جملہ یَقُوْلُ کا مقولہ بن کر مفعول بہٖ ہوکر مفرد کے حکم میں ہے اور جملہ خبریہ نہیں۔

ماسوا اس کے وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کی تقدیر کلام وَلٰکِنْ قتلُوا وَصَلَبُوا مَنْ شُبِّهَ لَهُمْ اس لئے بھی جائز نہیں کہ اس میں ایک لفظ مَنْ داخل کیا گیا ہے جس کو قَتَلُوا وَصَلَبُوا کا مفعول بنا کر مشبّہ قرار دیا گیا ہے۔حالانکہ قرآن شریف میں اس جگہ

کسی دوسرے آدمی کا ذکر نہیں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن مجید نے ہماری پہلی توجیہ کے لحاظ سے مشبّہ قرار دیا ہے نہ کہ مشبّہ بہٖ۔ قرآن مجید کے پیش کردہ مشبّہ کو مشبّہ بہٖ بنادینا اور وہ بھی ایسے آدمی کو جس کا کوئی ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں قرآن مجید کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔

قرآن کریم میں جن آیات میں وَلٰکِنْ کے بعد جملہ خبریہ استعمال ہوا ہے ان میں پہلے منفی فعل کو وَلٰکِنْ کے بعد مثبت صورت میں محذوف نہیں مانا جاتا۔ ذیل میں تین مثالیں دی جاتی ہیں۔

1: مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ. (الشوریٰ : 53)

اس آیت میں لٰکِنْ کے بعد جملہ خبریہ مذکور ہے اور اس میں وَلٰکِن کے بعد کُنتَ تَدْرِی محذوف نہیں مانا جاتا۔

2: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ. (البقرة : 254)

اس آیت میں بھی وَلٰکِن کے بعد اِخْتَلَفُوا جملہ فعلیہ خبریہ ہے۔ اس لئے وَلٰکِنْ کے بعد اِقْتَتَلَ کا فعل محذوف نہیں مانا جاسکتا:

3: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ. (حٰم السجدة: 23)

اس آیت میں بھی وَلٰکِنْ کے بعد جملہ خبریہ ہے اس لئے وَلٰکِنْ کے بعد كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ کو محذوف نہیں قرار دیا جاسکتا:

اگر مولوی ابراہیم صاحب کا پیش کردہ قاعدۂ نحوی وَلٰكِنْ کے بعد جملہ خبریہ آنے کی صورت میں پہلے منفی فعل کو وَلٰكِنْ کے بعد مثبت رنگ میں محذوف ماننا جائز ہوتا تو مندرجہ بالا تینوں قرآنی امثلہ میں بھی یہ قاعدہ جاری ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا طریق یہ ہے کہ اگر وہ وَلٰكِنْ سے پہلے منفی فعل استعمال کرے اور پھر وَلٰكِنْ اس جگہ استدراک کی خاطر اپنے بعد اس فعل کے مثبت صورت میں استعمال کا تقاضا کرے اور اس طرح وَلٰكِنْ کے بعد ایک جملہ فعلیہ کا تقاضا ہو تو پھر خدا تعالیٰ وَلٰكِنْ کے بعد مثبت فعل کو مقدر نہیں رکھتا بلکہ اس کا لفظاً ذکر کرتا ہے۔ ایسے فعل کو مقدّر وہاں کیا جاتا ہے جہاں وَلٰكِنْ کے بعد مفرد لایا جائے یا ایسا مرکب جو مفرد کے حکم میں ہو نہ کہ خود جملہ خبریہ ہو۔

4 : بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ (النسآء : 159)

یہودی اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ. کہہ کر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ چونکہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو ہم نے قتل کر دیا ہے اس لئے وہ بموجب تورات دعویٰ نبوّت میں مفتری تھا۔ جو گروہ مسیحؑ کے مصلوب ہونے کا قائل تھا۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ یہودی علماء کے فتویٰ پر صلیبی موت سے مرنے والا خدا کا ملعون ہوتا ہے۔ چونکہ ملعون خدا سے دور ہوتا ہے لہٰذا اس کے مرنے کے بعد خدا کی طرف اس کا رفع نہیں ہوتا۔ پس یہودی خواہ وہ مسیحؑ کے مقتول ہونے کے قائل تھے خواہ مصلوب ہونے کے وہ اس کے نتیجہ میں حضرت مسیح کو ملعون قرار دینے میں ان کے روحانی رفع کے منکر تھے اور اب تک منکر ہیں کیونکہ وہ انہیں اپنے دعویٰ میں جھوٹا قرار دیتے ہیں لہٰذا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مومنوں کی طرح ان کا رفع خدا کی طرف نہیں ہوا۔

یہ وہ امر تھا جس کا فیصلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں

ان کا یہ قول نقل کیا کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ.
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کے قول کے الفاظ کی تردید میں فرمایا۔ مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کہ یہودی نہ مسیحؑ کو قتل کر سکے اور نہ صلیب پر مار سکے۔ بلکہ وہ در حقیقت خود شبہ میں ہیں۔ مسیحؑ کو خدا نے بچالیا مگر انہوں نے اسے مردہ خیال کرلیا۔

اس کے بعد ان کے اس قول اور دعویٰ کے نتیجہ کی تردید کہ مسیحؑ ملعون ہوا، وہ کافر تھا، گویا مومنوں کی طرح اس کا رفع نہیں ہوا یہ کہہ کر فرمادی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ کہ یہودی حضرت مسیحؑ کو مار نہیں سکے بلکہ طبعی موت کے بعد ان کا رفع الی اللہ مومنوں کی طرح ہوا جیسا کہ آیت يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کے وعدہ الٰہی سے ظاہر ہے کہ طبعی وفات کے بعد ان کا رفع الی اللہ موعود تھا۔ یعنی یہودیوں کی تدبیر کے بالمقابل اس آیت میں وعدہ تھا کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو اُن کے ہاتھ سے بچالے گا اور ان کی عمر پوری کر کے انہیں طبعی وفات دے گا اور پھر مومنوں کی طرح ان کا اپنی طرف رفع کرے گا یعنی ان کی روح کو بعد از وفات اپنی حضوری کا شرف عطا فرمائے گا جیسا کہ اس کا طریق مومنوں کے متعلق ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ کافر و ملعون مر گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ سمجھتے تھے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے گویا اس کا یہ جواب دیا ہے بَلْ مَاتَ مُؤْمِناً مَرْفُوعًا اِلَى اللّٰهِ حسب آیت يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ. لہٰذا اس آیت میں بَلْ کا لفظ یہودیوں کے اس غلط عقیدہ کی تردید میں ہے کہ مسیحؑ کے صلیب پر مرنے اور ملعون ہو جانے کی وجہ سے مومنوں کی طرح ان کا رفع الی اللہ نہیں ہوا کیونکہ یہود نے گمان کرلیا تھا کہ مسیحؑ در حقیقت ان کے علماء کے فتوے سے مارا گیا ہے اس لئے وہ رفع الی اللہ سے محروم

رہ گیا ہے پس خدا تعالیٰ نے مسیحؑ کے مقتول ومصلوب ہونے کی نفی بھی فرمادی اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ کہہ کر یہودیوں کے مزعومہ نتیجہ کی تردید بھی فرمادی کہ وہ ملعون ہو گیا ہے۔

یہودیوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ جو صلیبی موت سے بچ جائے اس کا جسم آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے اگر ایسا خیال ہوتا تو پھر بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ کے یہ معنی قرار دینے کا امکان ہوتا کہ خدا نے تو حضرت مسیحؑ کے جسم کو آسمان پر اٹھالیا ہے

پس سیاق آیت اس بات پر روشن دلیل ہے کہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں مسیحؑ کے جسم کا اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھایا جانا مراد نہیں۔

جسمانی رفع اللہ تعالیٰ کی طرف محال ہے:

ماسوا اس کے واضح رہے کہ کسی شخص کے جسم کا خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا جانا تو محال ہے کیونکہ اس صورت میں خدا تعالیٰ کو محدود المکان ماننا پڑتا ہے حالانکہ وہ جہات سے پاک ہے اور اس کو کسی جہت میں محصور قرار دینا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے تو ہر وقت خدا تعالیٰ انسان کے ساتھ ہوتا ہے بموجب آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق :17) خدا تعالیٰ اور بندے کے درمیان اس آیت کی روشنی میں کوئی بُعد یا فاصلہ اس لئے تجویز نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ جہاتِ ستہّ سے پاک اور منزّہ ہے اور اس کو کسی خاص جہت میں قرار دینا عقیدۂ کفریہ ہے اور رفع جسمی دو چیزوں میں فاصلے اور سفر طے کرنے کے بغیر متصوّر نہیں ہوسکتا چونکہ بموجب تعلیم اسلامی حضرت مسیحؑ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی فاصلہ اور بُعد تجویز نہیں کیا جاسکتا اس لئے حضرت مسیحؑ کا اللہ تعالیٰ کی طرف رفع جسمی مستلزم محال ہونے کی وجہ سے محال ہے کیونکہ رفع جسمی خدا تعالیٰ کے ذو جہت ہونے کو چاہتا ہے

اور خدا کا ذو جہت ماننا عقیدۂ کفریہ ہے یہی وجہ ہے کہ محقّق علماء نے یہ لکھا ہے:

(1) امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ رفعه فی قوله (ورافعک اِلَیَّ) ھُوَ الرِّفْعَۃُ بِالدَّرَجَۃِ وَالْمَنْقَبَۃِ لَا بِالْمَکَانِ وَالْجِھَۃِ.

(تفسیر کبیر الرازی زیر تفسیر سورۃ آلِ عمران :56)

یعنی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ حضرت مسیحؑ کو جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے رَافِعُکَ اِلَیَّ اس سے مراد رفع درجہ اور منزلت ہے کسی جہت اور جگہ کی طرف رفع مراد نہیں۔

(2) علامہ محمود شلتوت مرحوم سابق مفتی مصر و ریکٹر ازہر یونیورسٹی لکھتے ہیں۔

ظَاھِرًا اَنَّ الرَّفْعَ الَّذِیْ یَکُوْنُ بَعْدَ التَوَفِّیَّۃِ ھُوَرَفْعُ الْمَکَانَۃِ لَارَفْعُ الْجَسَدِ. (الفتاویٰ صفحه 56)

ترجمہ: ظاہر ہے کہ رفع جو توفّی کے بعد ہے وہ مرتبہ کا رفع ہے نہ جسم کا رفع۔

(3) الاستاذ المصطفٰے المراغی لکھتے ہیں:

اَلتَّوَفِّیْ ھُوَ الْاِ مَاتَۃُ الْعَادِیَۃُ وَ اَنَّ الرَّفْعَ بَعْدَہٗ لِلرُّوْحِ .... وَالْمَعْنٰی اِنِّیْ مُمِیْتُکَ وَجَاعِلُکَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِیْ مَکَانٍ رَفِیْعٍ عِنْدِیْ.

(تفسیر مراغی جلد 1زیر تفسیر سورۃ آل عمران : 56)

یعنی توفّی مار دینے کو کہتے ہیں اور جان لو رفع اس کے بعد رُوح کا ہے اور معنی آیت یہ ہیں میں تجھے مارنے والا ہوں اور تجھے موت کے بعد اپنے حضور بلند جگہ دینے والا ہوں۔

(4) علاّمہ رشید رضا سابق مفتی مصر لکھتے ہیں:

عَلَی الْقَوْلِ بِاَنَّ التَّوَفِّیْ اَلْاِمَاتَۃُ لَا یُظْھِرُ لِلرَّفْعِ مَعْنًی اِلَّا رَفْعُ الرُّوْحِ۔ (تفسیر المنار صفحہ20 زیر آیت النسآء:158)

اس بات کی وجہ سے کہ تَوَفِّیْ کے معنی مار دینے کے ہوتے ہیں رفع کے معنی صرف روح کا رفع ہی ہو سکتے ہیں۔

یہ امر بھی واضح رہے کہ جب خدا تعالیٰ اَلرَّافِع یعنی رفع دینے والا ہو تو اس سے ہمیشہ یہی مراد ہوتی ہے کہ خدا مومنوں کو سعادت عطا فرماتا ہے اور اپنے پیاروں کو اپنے قرب سے نوازتا ہے جیسا کہ لغت کی کتاب **لسان العرب** میں لکھا ہے:

وَفِیْ اَسْمَآءِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَلرَّافِعُ ھُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَآءَ بِالتَّقْرِیْبِ.

یعنی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام اَلرَّافِع ہے یہ وہ ذات ہے جو مومنوں کو خوش نصیبی اور اپنے پیاروں کو قرب دینے کے ذریعہ رفع دیتی ہے۔

پس خدا کے مقرب ہونے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ قُرب پانے والا کوئی مادی مسافت طے کر کے خدا کے پاس پہنچا ہے بلکہ اس سے مراد خدا تعالیٰ کے حضور میں درجہ کی بلندی ہوتی ہے لہٰذا کمالِ رفع کا حصول موت کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے گو رفع کے ابتدائی درجے اس دنیا میں بھی مومنین اور اولیاء کو حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی آیت بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ کے مطابق ان کی شان کے مطابق کامل رفع خدا تعالیٰ کے حضور ان کی وفات کے بعد ہی ہوا۔

حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔

اَکْرَمَ اللّٰہُ نَبِیَّہٗ اَنْ یُّرِیَہٗ فِیْ اُمَّتِہٖ مَایَکْرَہُ فَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ وَبَقِیَتِ النَّقْمَۃُ۔ (بیھقی بحوالہ کیل الموفی صفحہ 28)

کہ خدا تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں عزت افزائی فرمائی۔ کہ آپ کی موجودگی میں اُمّت کے لئے جو باتیں آپ کو ناپسند تھیں وہ ظاہر نہیں ہوئیں اور خدا نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا اور موجب عذاب باتیں بعد میں وقوع پذیر ہوئیں۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں وہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو حضرت مسیحؑ کے لیے آیت بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں وارد ہیں۔

حضرت انسؓ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات باعزت رنگ میں ہوئی جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شان کے مطابق خدا تعالیٰ کی حضوری حاصل کی۔

ان معنوں میں رَفَعَہُ اللّٰہ اِلَیْہِ کے محاورہ کا استعمال اہل سنّت واہل تشیع میں معروف ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ماثبت بالسنّۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی صفحہ ۹۲ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھا ہے۔

کَانَ الْحِکْمَۃُ فِیْ بَعْثِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھِدَایَۃَ الْخَلْقِ وَتَتْمِیْمَ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَتَکْمِیْلَ مَبَانِی الدِّیْنِ فَحِیْنَ حَصَلَ ھٰذَاالْاَمْرُوَتَمَّ ھٰذَا الْمَقْصُوْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیہِ وَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ وَھُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّیْنَ سَنَۃً.

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے کی حکمت مخلوق کی ہدایت مکارمِ اخلاق کو پورا کرنا اور دین کی تکمیل تھی جب یہ امر حاصل ہوگیا اور یہ مقصد پورا ہوگیا تو خدا نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا اور آپ کو وفات دے دی 63 سال کی عمر میں۔

اسی طرح شیعہ کتب میں روایت ہے۔

دَعَا اللّٰہُ نَبِیَّہٗ وَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ ۔

(الکافی کتاب الروضۃ و تفسیر صافی صفحہ 113)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بُلا لیا اور اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔ یعنی باعزت وفات دے کر آپؐ کے مدارج کو بلند کیا۔

پس رفع کا کمال مومن کو وفات کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے خواہ قبل از وفات بھی اسے خدا تعالیٰ کے حضور میں مقاماتِ رفیعہ حاصل ہوں۔

قرآن کریم کی آیت ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ ۔ (الملک:17) کے پیش نظر مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی حضرت مسیحؑ کے متعلق رفع الی اللہ سے مراد تاویلاً رفع الی السماء قرار دیتے ہیں حالانکہ انہیں خود یہ مسلّم ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی جہت میں ماننا کفر ہے اور مَنْ فِی السَّمَآءِ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

’’کہ اس کے لئے جہت فوق ماننا تقاضائے فطرت ہے‘‘ جس کے یہ معنی ہوئے کہ حقیقت میں اس کے لئے جہت فوق بھی نہیں مگر فطرت انسانی اس کو استعارۃً اوپر تصوّر کرتی ہے۔

واضح رہے رفع الی اللہ کی تاویل رفع الی السماء ماننے کی صورت میں بھی رفع کے معنوں میں رفع جسمی مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ خدا تعالیٰ کا جہت فوق میں ہونا ایک استعارہ ہے نہ کہ حقیقت اور اسمِ الٰہی الرافع کا تقاضا مراتب میں رفعت دینا ہے نہ کسی کے جسم کا اٹھانا جیسا کہ قبل ازیں لغت کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

پس حضرت مسیحؑ کی روح کا رفع تو آسمان کی طرف مانا جا سکتا ہے تا اسے

اللہ تعالیٰ سے قرب کا وہ مقام حاصل ہو جو پہلے انہیں حاصل نہ تھا۔ یہ رفع الی السماء تو ہر نبی کو حاصل ہوا ہے چنانچہ اسی لئے معراج میں آنحضرت ﷺ نے انبیاء کرام کو مختلف آسمانوں میں دیکھا اور بموجب حدیث صحیح بخاری حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی خالہ کے بیٹے حضرت یحیٰیؑ کو اکٹھے دوسرے آسمان پر دیکھا جو وہاں برزخی زندگی گزار رہے ہیں اور حضرت موسیٰؑ کو ساتویں آسمان پر دیکھا اور خود حضور ﷺ نے اپنا مقام حضرت موسیٰؑ سے بھی آگے بڑھا ہوا مشاہدہ فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ہونا جو شہید ہو کر دوسرے آسمان پر پہنچے ہوئے تھے اور عالمِ برزخ کی زندگی گزار رہے تھے خود اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بعد از وفاتِ طبعی عالم برزخ میں رکھے گئے عالم برزخ کا مشاہدہ انسان یا تو عالم خواب وکشف میں کرتا ہے یا وفات کے بعد وہاں پہنچ کر کرتا ہے عالمِ برزخ میں انسان کا مادی وجود ساتھ نہیں ہوتا بلکہ رُوح کو ایک لطیف روحانی جسم عطا کیا جاتا ہے جس کے ساتھ وہ عالمِ برزخ کا مشاہدہ کرتا ہے یا خود اس میں پہنچ جاتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں رفع کے ساتھ اِلَی السَّمَآءِ کا لفظ بھی موجود ہے مگر چونکہ خدا تعالیٰ انسان کو رفع صرف درجات کی بلندی کی صورت میں دیتا ہے اس لئے حدیث نبوی ﷺ میں رفع الی السماء سے مراد کسی خاص آسمان میں درجہ کی بلندی ہوتا ہے نہ کہ رفع جسم۔ حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ یہ ہیں۔

اِذَا تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللّٰهُ بِالسِّلْسِلَةِ اِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَةِ .

(کنز العمال جلد 3 صفحہ 117 باب التواضع)

جب بندہ (خدا کے حضور) عاجزی اور انکسار کرتا ہے تو خدا اُسے ساتویں آسمان پر ایک زنجیر کے ساتھ اُٹھا لیتا ہے۔

یعنی تواضع اور انکساری سے سلسلہ وار انسان کو قربِ منزلت حاصل ہوتی ہے نہ یہ کہ انکساری کرنے والے کا جسم آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔ انکساری کرنے والا عبد تو بقیدِ حیات رُوح و جسم کے ساتھ انکساری کرتا ہے مگر مراد حدیث میں روحانی رفعت ہی ہے نہ کہ عبد کا کسی آسمان پر جسمانی رفع ہوتا ہے۔

معراجِ نبوی کی حقیقت:

ہماری اس بحث سے کہ خدا کی طرف رفع جسمی محالات میں سے ہے کیونکہ اس سے خدا کا ذو جہت ہونا لازم ہوتا ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معراج بھی مادی جسم کے ساتھ نہ تھا بلکہ ایک لطیف نورانی مثالی جسم کے ساتھ تھا۔ اور جو نظارے حضور ﷺ کو دکھائے گئے وہ بھی مثالی جسم کے ساتھ آپ کے سامنے پیش ہوئے جیسا کہ دنیا آپؐ کو ایک بڑھیا کی صورت میں دکھائی گئی اور دجلہ وفرات مثالی وجود میں آسمان پر دکھائے گئے اور جنت و دوزخ کو مثالی وجود میں دکھایا گیا اور بعض روایات کی رو سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے جنت میں مثالی وجود میں مشاہدہ فرمایا جبکہ بلالؓ خود زندہ زمین پر موجود تھے۔

پس آنحضرت ﷺ کی یہ سیر روحانی ایک مثالی نورانی جسم کے ساتھ تھی اسی لیے شاہ ولی اللہ جیسے علماء محققین نے بھی معراج کے واقعات کی آنحضرت ﷺ کے زمانہ نبوت میں ظاہر ہونے والے واقعات سے تعبیر کی ہے۔

اور چونکہ یہ لطیف ترین کشف تھا اسی لئے **صحیح بخاری کتاب التوحید باب ما جآء فی قوله و کلّم اللّٰہ موسٰی تکلیمًا** میں واقعہ معراج کے بعد **وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** کے الفاظ ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ حالتِ کشفی سے بیدار ہوئے اور آپؐ مسجد حرام میں تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیحؑ کے رفع الی اللّٰہ کی تعبیر رفع الی السماء کرنے سے بھی ان کا رفع جسمی ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ رفع کا فاعل خدا ہے اور خدا تعالیٰ کے رفع دینے سے مراد رفع جسمی نہیں ہوتی بلکہ رفع روحانی ہی ہوتی ہے۔

مولوی ابراہیم صاحب کے استدلال کا ابطال

مولوی صاحب شہادۃ القرآن صفحہ 166 پر لکھتے ہیں:

"قتل وصلب کے قابل جسم ہے نہ روح اس لئے مزعوم یہود قتل جسد ہوا نہ قتلِ روح۔ بنابرآں وَمَا صَلَبُوْهُ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا میں نفی قتل وصلب جسم ہی سے کی گئی ہے پس چونکہ جملہ ضمائر منصوب ومتصل جو افعالِ منفیہ وفعل مثبت کے ساتھ ہیں یعنی جو وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں واقع ہیں ان سب کا مرجع المسیح ہے اس لئے لامحالہ جسد مسیح مرفوع ماننا پڑے گا بنابراتحاد مرجع۔"

مولوی صاحب کی یہ بحث نہایت کمزور ہے قتل اور صلب کے فعل سے صرف جسم ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ روح بھی متاثر ہوتی ہے لیکن رفع کا فعل جب خدا اس کا فاعل ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے رفع درجات کا مفہوم رکھتا ہے خواہ رفع درجات زندگی میں ہو یا بعد از ممات اور رفع درجات کا تعلق روح کی رفعت سے ہے نہ جسم سے۔

پس مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کی ضمائر کا مرجع خالی مسیحؑ کا جسم نہیں کیونکہ قتل اور صلب محض ایسے جسم پر وارد نہیں ہوسکتا جس میں روح موجود نہ ہو بلکہ ان کا اطلاق زندہ انسان (جو مجموعہ روح وجسم ہے) کے مارے جانے پر ہوتا ہے جس

سے روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے اور رفع کے خدا کا فاعل ہونے کی صورت میں رفع جسمی محالات میں سے ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔

لہٰذا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رَفَعَهُ کی ضمیر کا مرجع گو المسیح ہے مگر مراد اس سے رفع الروح اور روحانی رفع ہے کیونکہ خالی ارواح بھی جب جسم سے الگ ہوں تو انہیں ان کے نیک اعمال کے مطابق ایک نورانی لطیف جسم دیا جاتا ہے اور پھر اس روح کا بھی وہی نام ہوتا ہے جو جسمانی مادی وجود میں رکھا گیا تھا۔

پس مولوی ابراہیم صاحب کا یہ کہنا پورے طور پر درست نہیں کہ ”ارواح مجرّدہ بغیر تعلّق بالبدن کے قابل تسمیہ نہیں ہوتے اور نہ جسم بے روح حامل اسم ہوتا ہے۔“ (شہادۃ القرآن صفحہ 166 تا 168)

اصل حقیقت یہ ہے کہ ارواح جب مادی بدن سے مجرّد ہوں تو انہیں اعمال کے مطابق فوراً ایک نورانی یا ظلمانی جسم عطا ہوتا ہے اور وہ ارواح مع اس جسم جدید کے قابل تسمیہ ہوتی ہے۔ چنانچہ معراج کی حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھنا ان کے انہی لطیف اجسام کی صورت میں تھا اسی لئے آپؐ نے آدم، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام کے ناموں سے ہی ان کا ذکر نہیں کیا بلکہ حضرت ابراہیم، موسیٰ، اور عیسیٰ علیہم السلام کے حلیے بھی بیان فرما دیئے مجرّد روح تو کوئی حلیہ نہیں رکھتی۔

پس آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی تفسیر يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کے مطابق چونکہ حضرت مسیحؑ کا رفع کامل بعد از وفات ہو لہٰذا رَفَعَهُ اللّٰه کی ضمیر کا مرجع حضرت مسیحؑ کی روح مع جسم لطیف ہے جو قابلِ تسمیہ ہے اور اسے انتشار ضمائر نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ یہ امر صنعتِ استخدام کی ذیل میں آتا ہے جس سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے نہ نقص۔ آیت اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ میں اسی

حقیقت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دیکھئے موت جسم وروح کے مجموعہ پر وارد ہوئی اسکے بعد قبر میں صرف جسم کو رکھا جاتا ہے اور اگر برزخی قبر مراد ہو تو اس میں صرف روح کو رکھا جاتا ہے نہ کہ جسم مادی مع الروح کو۔

مولوی ابراہیم صاحب کا آخری نکتہ

یہ ہے کہ:

چونکہ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رفع کو بصیغہ ماضی تعبیر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ کی ماضویت واستقبال اضافی امور سے ہے ذاتی نہیں یعنی ایک ہی زمانہ بنسبت ایک کے ماضی ہوسکتا ہے اور بنسبت دوسرے کے استقبال۔ اس لئے رفع کی ماضویت بھی کسی کی نسبت سے ہوگی اور وہ ماقبلِ بَلْ ہے یعنی واقعہ صلیبی ...... اور چونکہ واقعہ صلیبی کے پیشتر حیاتِ مسیح علیہ السلام عندالخصم بھی مسلّم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جسدِ حضرت روح اللہ کو آسمان پر زندہ اٹھالیا اور یہود کے ہاتھ میں ہرگز نہ آنے دیا اور یہی امتنانِ باری آیہ وافی ھدایہ "وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ" میں مذکور ہے۔

(شهادة القرآن صفحہ 166، 167)

الجواب:

آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ میں رَفَعَ کی ماضویت کا اضافی ہونا ہمیں مسلّم ہے مگر رَفَعَ کی ماضویت کی اضافت اس جگہ واقعہ صلیبی سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے قرآنی بیان وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ سے ہے اور خدا تعالیٰ کے اس بیان میں کہ مسیحؑ مقتول اور مصلوب نہیں ہوا اس بیان سے پہلے پہلے مسیح کا رفع الی اللہ ہو جانا بیان ہوا ہے نہ کہ واقعہ صلیب سے پہلے رفع الی اللہ ہونا۔

خدا یہ بتا رہا ہے کہ واقعہ صلیب کے پیش آنے سے یہود نے اُن کو (حضرت مسیحؑ کی غشی کے مُردہ سے مشابہت شدیدہ کی وجہ سے) مردہ سمجھ لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ اب خدا قرآن میں بتا تا ہے کہ مَاقَتَلُوْهُ يَقِيْنًا کہ یہودی حضرت مسیحؑ کو قتل نہیں کر سکے۔ پس ان کا یہ قول بھی غلط ہے اور اس کا نتیجہ عدم رفع کا جو وہ نکالتے ہیں وہ بھی درست نہیں بلکہ واقعہ صلیبی کے بعد جس سے مسیحؑ کو بچالیا گیا ہمارے اس تردیدی بیان سے پہلے پہلے کہ مسیحؑ مصلوب و مقتول نہیں ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع حسب آیت اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ ہو چکا ہے۔

آیت وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ میں اسی بات کا ذکر ہے کہ یہودی مسیحؑ کو قتل کرنے اور صلیب پر مارنے پر قادر نہیں ہو سکے۔ خدا کی تدبیر نے ان کے قادر ہونے میں روک پیدا کر دی۔

اور خدا کی تدبیر کا ایک حصہ یہ تھا کہ مسیحؑ کو غشی کی حالت میں صلیب سے اتار لیا گیا اور یہودیوں نے غلطی سے انہیں مردہ سمجھ کر یہ دعویٰ کر دیا کہ ہم نے مسیحؑ کو مار دیا ہے اب قرآن کریم مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کہہ کر انہیں اس غلط عقیدے سے بچانا چاہتا ہے کہ (حضرت) عیسیٰ نے لعنتی موت کے بعد خدا کی حضوری اور قرب کا شرف حاصل نہیں کیا۔

واضح رہے کہ لغت عرب میں صُلب کے معنی صلیب پر مار دینا ہیں نہ کہ صرف صلیب پر لٹکانا۔ لغت عربی میں لکھا ہے اَلصُّلْبُ: اَلْقِتْلَةُ الْمَعْرُوْفَةُ (لسان العرب) کہ صلیب کے معنی ہیں معروف طریق پر مار دینا اس پر قرآن کی آیت اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا (المائدة:34) بھی روشنی ڈالتی ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ

اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے والوں کو محض صلیب پر لٹکا کر زندہ ہی اتار لیا جائے بلکہ یہ مراد ہے کہ صلیب پر لٹکا کر مارا جائے۔

3: وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا. (النساء : 160)

یہ آیت بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ کے بعد آتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے ہر ایک اس واقعہ قتل و صلب کو مانتا رہے گا۔ اپنی موت سے پہلے پہلے اور قیامت کے دن مسیحؑ ایسا ماننے والوں پر گواہ ہوگا (کہ وہ نہ اس کو قتل کر سکے تھے نہ صلیب پر ہی مار سکے تھے بلکہ وہ طبعی وفات کے بعد مرفوع الی اللہ ہوئے تھے۔ نہ جیسا کہ ان کا زعم تھا کہ وہ مارے گئے اور ملعون ہوئے) اس آیت میں سیاقِ کلام کے لحاظ سے ضمیر بِہٖ کا مرجع یہودیوں کا مزعوم واقعہ قتل وصلیب ہے اور مَوۡتِهٖ کی ضمیر کا مرجع ہر اہل کتاب ہے جو مَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ کے قرآنی اعلان کے سُن لینے کے بعد بھی ضِد سے اپنی زندگی میں یہی عقیدہ رکھے کہ مسیح قتل ہو گیا ہے یا صلیب پر مارا گیا ہے اور يَكُوۡنُ کا فاعل مسیح علیہ السلام ہیں جو قیامت کے دن ان منکرین کے خلاف مندرجہ بالا شہادت دیں گے۔

بعض مفسّرین نے لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ میں بِهٖ اور مَوۡتِهٖ ہر دو کی ضمیروں کا مرجع حضرت مسیحؑ کو قرار دے کر اس آیت کے یہ معنی لئے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی موت اُس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک سب اہل کتاب ان پر ایمان نہ لے آئیں۔ اور چونکہ ابھی کئی اہل کتاب ان پر ایمان نہیں لائے لہٰذا ابھی حضرت مسیحؑ کی موت واقع نہیں ہوئی۔

یہ استدلال بدیں وجود باطل ہے:۔

اوّل۔ اگر مسیحؑ کی موت سے پہلے ہر اہل کتاب کے متعلق اس آیت

میں حضرت مسیحؑ پر ایمان لانے کی پیشگوئی کی گئی ہے تو پھر اس آیت کے نزول کے بعد کیوں اب تک لاکھوں یہودی حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے بغیر مر رہے ہیں؟

اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ اس پیشگوئی کا وقوع مسیحؑ کے آخری زمانہ میں نزول کے وقت ہوگا اور اُس وقت سب یہود بلا استثناء آپ پر ایمان لائیں گے تو یہ معنی بھی دیگر نَصِّ قرآنی کے خلاف ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ پیشگوئی فرمائی ہے:

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

(آل عمران : 56)

کہ اے مسیح! میں تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں۔

پس اس آیت کی رُو سے مسیحؑ کے منکرین کا وجود قیامت تک موجود رہنا موعود ہونے کی وجہ سے ضروری ہوا تو یہ بات باطل ہوئی کہ ان کے نزول کے وقت آخری زمانہ میں سب یہودی اُن پر ایمان لائیں گے۔

دوم۔ اس آیت کی دوسری قراءت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ بھی حضرت اُبیّ بن کعبؓ سے مروی ہے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر ثنائی از مولوی ثناء اللہ صاحب پانی پتی و دیگر تفاسیر)

انہوں نے اور بعض دوسرے مفسّرین نے بھی قرأتِ ثانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع ہر اہل کتاب کو قرار دیا ہے پس جب مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع اہل کتاب ہوئے تو مسیحؑ کی زندگی کا استدلال باطل ہوا۔ اور ویسے بھی کسی نبی پر ایمان لانے کے لئے اس نبی کی جسمانی زندگی بوقت ایمان ضروری نہیں ہوتی۔

سوم۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (النساء : 160) اس بات پر نصِّ صریح ہے کہ حضرت مسیحؑ اب اس دنیا میں دوبارہ آ کر اہل کتاب کے ان خیالات کو باطل نہیں کریں گے۔ بلکہ وہ قیامت کو ہی اُن پر گواہی دیں گے کہ ان کے خیالات باطل تھے۔ پس جب حضرت مسیحؑ کے دوبارہ آنے کی اس آیت سے نفی ثابت ہوئی تو ان کی زندگی اور اصالتاً آمدِ ثانی کا خیال ہی باطل ثابت ہوا۔

چھارم۔ مفسّرین اس بات سے پریشان ہوئے ہیں کہ بِہٖ کا مرجع مسیحؑ کو کس طرح قرار دیا جائے۔ اسکے اصل مرجع واقعہ قتل وصلیب کی طرف ان کا ذہن نہیں پھرا اس لئے انہوں نے یہ تاویل کی کہ اہل کتاب کی اس وقت تک جان نہیں نکلتی جب تک فرشتے ان سے یہ اقرار نہیں لے لیتے کہ میں عیسیٰ پر ایمان لایا ہوں مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ان یہودیوں کو یہ ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

اگر مفسّرین کی یہ توجیہ درست مان لی جائے تو پھر بھی مَوْتِہٖ کا مرجع اہل کتاب کے ثابت ہو جانے کے بعد جیسا کہ قراءتِ ثانیہ سے ظاہر ہے اس آیت سے حضرت مسیحؑ کی حیاتِ جسمانی کا قطعاً استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں ہر کتابی کے لئے اپنی اپنی موت سے پہلے حضرت مسیحؑ پر ایمان لانا ضروری قرار پایا نہ کہ حضرت مسیحؑ کی موت سے پہلے۔

مفسّرین کی اس تفسیر پر ثلجِ قلب حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہودیوں کا نزع کے وقت ایمان لانا انسانی مشاہدہ سے ثابت نہیں اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کا ذکر بے فائدہ ثابت ہوتا ہے جبکہ یہ ایمان فائدہ بخش بھی تسلیم نہیں کیا گیا۔

لیکن اگر بِہٖ کا مرجع یہود و نصاریٰ کے زعم کے مطابق واقعہ قتل وصلیب لیا جائے تو یہ حقیقت مشاہداتی ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں قومیں حضرت مسیحؑ کو مقتول یا مصلوب مانتی ہیں اور عجیب بات ہے کہ دونوں قومیں آپؑ کو (معاذ اللہ)

ملعون بھی مانتی ہیں۔ یہودی ہمیشہ کے لئے اور عیسائی وقتی طور پر۔

اِس سے قبل کی آیتِ قرآنیہ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ کی ضمائر کا واقعہ قتل وصلیب کی طرف پھیرنا مسلّمات میں سے ہے پس صحیح تفسیر یہ ہے کہ لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ کی ضمیر کا مرجع بھی یہی واقعہ قتل وصلیب قرار دیا جائے گو مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر سے قتل وصلیب سے نجات دی یہ تفسیر واقعاتی شہادت سے صحیح ثابت ہوتی ہے اور واقعات ہی بہترین تفسیر ہوتے ہیں۔

پس آیت ھٰذا کا ٹکڑا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا. (النساء :160) بطور اشارۃ النص حضرت مسیحؑ کی وفات پر ہی دلیل ہے نہ کہ زندگی پر۔ لہٰذا یہ آیت بھی مسیحؑ کی وفات پر ہی دلیل ہے نہ کہ حیات پر اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ کے بعد حیاتِ مسیحؑ کا ذکر یوں بھی بے محل تھا کیونکہ رفع کا کمال وفات کے بعد ہی ہوتا ہے اور قرآن کریم نے اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ یہ کمال حضرت عیسیٰ علیہ السلام مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے اعلانِ قرآنی سے پہلے حاصل کر چکے ہیں۔

4 . لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا. (المائدہ : 18)

ترجمہ: ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہے تو کہہ دے کہ کون اللہ سے مقابلہ کی قدرت رکھتا ہے۔ اگر وہ ارادہ کرے کہ تباہ و برباد کرے مسیح بن مریم اور اس کی ماں کو اور ان سب کو جو زمین میں بستے ہیں۔

اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مسیحؑ نے ابھی تک وفات نہیں پائی اور وہ بقیدِ حیات ہیں لیکن یہ استدلال بدیں وجہ درست نہیں کہ پھر مریم علیہا السلام کو بھی زندہ اور بقید حیات ماننا پڑے گا حالانکہ کوئی مسلمان بلکہ عیسائی بھی مریم علیہا السلام

کی زندگی کا قائل نہیں۔

پس اس آیت میں آئندہ مریم کے اِہلاک سے ارادۂ الٰہی میں مراد ان کی حیثیت کو مٹا دینا ہے جو رومن کیتھولک عیسائیوں نے انہیں خدا کی ماں قرار دے کر دے رکھی ہے۔ کیونکہ جب مسیح اللہ ہوا تو مریم اللہ کی ماں ہوئی۔ اب خدا تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ اگر میں مسیح کی الوہیت کی حیثیت اور مریم کے خدا کے بیٹے کی ماں کی حیثیت مٹا ڈالوں تو تم میں سے کون مجھے ایسی تباہی و بربادی پیدا کرنے سے روک دینے کی قدرت رکھتا ہے جب کہ میں زمین کے تمام لوگوں کی تباہی اور بربادی کی قدرت رکھتا ہوں۔

اس آیت کا پہلا فقرہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ. اس بات پر روشن دلیل ہے کہ اس جگہ مسیحؑ کی جسمانی زندگی زیرِ بحث نہیں بلکہ مسیحؑ کی الوہیت زیرِ بحث ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مسیح کی الوہیت کی تردید میں نازل فرمائی اور ایک پیشگوئی فرمائی کہ وہ دن آتا ہے جب روئے زمین سے مسیحؑ اور مریم کی معبودانہ حیثیت مٹا دی جائے گی خواہ قائلین کو عذاب میں مبتلا کر کے یا ان کے دلوں سے اس عقیدہ کو مٹا کر اور ان کی غلط استعدادوں پر فنا وارد کر کے۔

پس اس آیت میں حضرت مسیحؑ اور مریمؑ کی اس غلط حیثیت کو مٹانا ہی مراد ہے جو انہیں دینی صورت میں غلط طور پر دی گئی ہے کہ وہ دونوں معبود ہیں۔

اس آیت سے مسیحؑ کی جسمانی حیات پر استدلال اس لئے جائز نہیں کہ حضرت مسیحؑ کی وفات تو آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ سے بھی ثابت ہے اور آیت مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور آیت اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ بھی حضرت مسیحؑ کی وفات پر روشن دلائل ہیں جو قبل ازیں مذکور ہو چکے ہیں۔

(2) اِھْلَاک بر وزن اِفْعال مصدر مزید فیہ کے معنے عذاب سے تباہ و برباد کرنا ہوتے ہیں نہ کہ محض وفات دینا۔ البتہ ہلاکت کے معنی جو مصدر ثلاثی مجرّد ہے وفات کے ہوتے ہیں۔ اِھْلَاک کا یہ استعمال قرآن و احادیث کے محاورہ سے ثابت ہے لہٰذا اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ مسیحؑ اور اس کی والدہ اور رُوئے زمین کے سب لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو اسے کون روکنے کی قدرت رکھتا ہے پس اس طرح جب خود حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ اور روئے زمین کے تمام لوگ خدا تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں عاجز ہیں اور اس کے افعال میں روک نہیں ہو سکتے تو پھر ایک عاجز انسان کو خدا کا مقام اور اس کی والدہ کو خدا کی ماں کا مقام دینا کفر نہیں تو اور کیا ہے اس طرح خدا تعالیٰ نے اس آیت میں تو عیسائیوں کو سمجھایا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ایسے کفریہ عقائد سے باز آ جائیں۔ عیسائی اس کے جواب میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ مسیحؑ کو عذاب میں مبتلا کرنے پر قادر نہیں جب کہ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ مسیح مصلوب ہوا اور صلیبی موت کا مسیحؑ کے لئے ماننا لامحالہ اہلاک و تعذیب کی صورت ہے جو عیسائیوں کو پہلے سے مسلّم ہے۔

5: وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ (الزخرف : 62)

ترجمہ: یقیناً قرآن البتہ قیامت کا علم دینے والا ہے پس تم قیامت میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو۔

اس آیت میں اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے حضرت مسیحؑ کو قرار دے کر یہ معنی کئے ہیں کہ حضرت مسیحؑ قیامت کی نشانی ہیں یعنی وہ زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے دوبارہ آئیں گے۔ یہ معنی بدیں وجوہ باطل ہیں۔

اوّل۔ عِلْمٌ کے معنی نشان کئے گئے ہیں حالانکہ اس کے لئے عَلَمٌ استعمال ہوتا ہے۔
دوم۔ اگر بالفرض مجازاً عِلْمٌ بمعنی عَلَمٌ ہو اور حضرت مسیحؑ کے آخری زمانہ میں دوبارہ آنے کو نشان قرار دینا مقصود ہوتا تو پھر فقرہ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا ان معنوں سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ نشان تو ابھی دکھایا نہیں اور زور یہ دیا جا رہا ہے کہ چونکہ حضرت مسیح قیامت کا نشان ہے اس لئے قیامت کا ابھی یقین کر لو۔ یہ محض تحکّم کی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب نہیں لہٰذا یہ معنی باطل ہیں۔
سوم۔ اگر بالفرض اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت مسیح ہوں تو ان کی تعلیم کو ان کے زمانہ کے لوگوں کے لئے بلکہ بعد والوں کے لئے بھی جو حضرت مسیحؑ پر ایمان لے آئیں قیامت کے علم کا موجب قرار دیا گیا ہے لہذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ تلقین کی گئی ہے کہ دیکھو مجھ سے پہلا نبی بھی قیامت کی تعلیم دیتا رہا اس لئے تم قیامت میں شک نہ کرو۔ اس صورت میں عِلْمٌ جو مصدر ہے بطور مبالغہ حضرت مسیحؑ کے لئے بطور وصف سمجھا جائے گا جیسے کہتے ہیں زَیْدٌ عَدْلٌ یعنی زید بڑا عادل ہے۔
چہارم۔ اَلسَّاعَةُ سے مراد نبیوں کے منکرین پر عذاب کی گھڑی بھی ہوتی ہے اگر اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت مسیح ہوں تو اس صورت میں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح کی ولادت بنی اسرائیل کے لئے موعود عذاب کا نشان تھی اور اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور آپ کے منکرین کے لئے بھی موعود عذاب کا نشان ہوگا۔ اس لئے آپ کے منکرین کو اپنے زمانہ میں آنے والی عذاب کی گھڑی پر یقین رکھنا چاہئے اور اس عذاب کی گھڑی کے آنے میں کسی کو شک نہیں کرنا چاہئے۔

پس ان توجیہات میں سے کسی توجیہ میں بھی حضرت عیسیٰؑ کی جسمانی حیات

کا کوئی ثبوت نہیں البتہ صحیح معنی اس آیت کے وہ ہیں جو حضرت حسن بصری اور ان کے تابعین نے بیان کئے ہیں کہ اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع اس جگہ مسیحؑ نہیں ۔ بلکہ قرآن مجید ہے اور قرآن مجید میں ساعت موعودہ کے علمی دلائل بیان ہوئے ہیں لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منکرین کو ساعتِ موعودہ کے متعلق کوئی شک نہیں کرنا چاہیئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہیئے ۔

وفاتِ مسیحؑ از رُوئے حدیث

(1) احادیث میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی معیّن عمر ایک سو بیس سال مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ لِفَاطِمَةَ اَنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً وَاِنَّهُ عَارَضَنِي الْقُرْاٰنَ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ اِلَّا عَاشَ نِصْفَ الَّذِيْ قَبْلَهُ وَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَ مِائَةَ سَنَةٍ وَلَا اَرَانِيْ اِلَّا ذَاهِبًا عَلٰى رَأْسِ السِّتِّيْنَ.

(حجج الکرامہ صفحہ 428)

ترجمہ : اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ جبریل ہر سال ایک مرتبہ میرے ساتھ قرآن کریم دُہراتے تھے اور اس سال انہوں نے دو دفعہ میرے ساتھ قرآن دُہرایا ہے اور انہوں نے مجھے خبر دی ہے۔ ہر نبی اپنے سے پہلے نبی کی نصف عمر ضرور زندہ رہا ہے اور انہوں نے مجھے یہ بھی خبر دی ہے کہ عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے اور میں اپنے آپ کو نہیں سمجھتا مگر صرف ساٹھ سال کی عمر کے سرے پر جانے والا۔

(2) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آکر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّكُمْ تَخَافُوْنَ مِنْ مَوْتَ نَبِيِّكُم هَلْ خَلَدَ نَبِيٌّ قَبْلِيْ فِيْمَنْ

بُعِثَ اِلَیۡهِ فَاَخۡلُدُ فِیۡکُمۡ۔ (المواھب اللدنیہ جلد 2صفحہ 368)

کہ اے لوگو ! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو۔ بتاؤ کیا مجھ سے پہلے کسی نبی نے ہمیشہ کی زندگی ان لوگوں کے درمیان پائی ہے جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے کہ میں تم میں ہمیشہ کی زندگی پاؤں گا۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس سال زندہ رہے۔

(3) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَوۡ کَانَ مُوۡسیٰ وَ عِیۡسیٰ حَیَّیۡنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیۡ۔

(الیواقیت والجواہر مصنفہ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ جلد2 صفحہ 22 مطبوعہ مصر)

اگر موسیٰ اور عیسیٰ دونوں زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

اس حدیث کو ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر جلد 2 صفحہ 246 پر نقل کیا ہے اور اسی حدیث کو مدّنظر رکھتے ہوئے امام ابن قیّم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

لَوۡ کَانَ مُوۡسیٰ وَ عِیۡسیٰ حَیَّیۡنِ لَکَانَا مِنۡ اَتۡبَاعِهٖ.

(مدارج السالکین مصنّفہ امام ابن قیّم جلد 2 صفحہ 356 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے ہوتے۔

اس حدیث کو اہل سنّت کے علماء کے علاوہ شیعہ علماء نے بھی قبول کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

نیز خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است لَوۡ کَانَ مُوۡسیٰ وَ عِیۡسیٰ فِیۡ حَیَاتِهِمَا لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اِتِّبَاعِیۡ ۔یعنی اگر موسیٰ وعیسیٰ در

دنیا می بودند ممکن نمی بود ایشاں را مگرآ نکہ متابعت من کردند۔

(رسالہ بشارات احمدیہ مصنفہ علی حائری صفحہ 24)

اور شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر حاشیہ صفحہ 112 (مطبوعہ 1955ء) پر یہ حدیث یوں لکھی ہے:

لَوْ كَانَ عِيْسىٰ حَيًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِيْ.

کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا۔

پہلی حدیثوں میں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ دونوں نبیوں کے زندہ نہ ہونے کا ذکر ہے اور شرح اکبر مطبوعہ مصر کی حدیث میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ نہ ہونے والی حدیث بیان ہوئی ہے۔ علی حائری کا **فِيْ حَيَاتِهِمَا** کا ترجمہ در دنیا مے بودند درست نہیں بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں حیات میں یعنی زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

(4) اختلافِ حُلیتین

صحیح بخاری میں دو احادیث ایسی ہیں جن میں عیسیٰ علیہ السلام کا حُلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

ایک حدیث تو وہ ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء گزشتہ کو کشفی رنگ میں دیکھا۔ اس میں حضور فرماتے ہیں۔

رَأَيْتُ عِيْسىٰ وَمُوْسىٰ وَ اِبْرَاهِيْمَ فَاَمَّا عِيْسىٰ فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ وَاَمَّا مُوْسىٰ فَاٰدَمُ جَسِيْمٌ سَبْطٌ كَاَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ الزُّطِ۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم......)

کہ میں نے عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیھم السلام کو دیکھا حضرت عیسیٰؑ سُرخ رنگ

کے اور گھنگریالے بالوں والے اور چوڑے سینے والے تھے اور حضرت موسیٰؑ گندم گوں، جسم اور سیدھے بالوں والے تھے گویا زُط قبیلے کے مَردوں میں سے ہوں اور حضرت ابراہیمؑ کو دیکھنا ہو تو اپنے ساتھی کو یعنی مجھے دیکھو۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کشف میں گزشتہ فوت شدہ انبیاء کو دیکھا تھا جن میں عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے۔

دوسری حدیث میں ایسے کشف کا بیان ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ کے حالات دکھائے گئے اور حضور ﷺ نے دجّال وغیرہ کو دیکھا۔ اس میں حضور ﷺ نے اُمّت میں سے آنے والے مسیح موعود کو بھی دیکھا اور اس کا جو حُلیہ بیان فرمایا وہ پہلے حلیہ سے قطعی مختلف ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے مسیح موعود کو عیسیٰ بن مریم کا نام شدید مماثلت کی وجہ سے دیا گیا نہ یہ کہ پہلا مسیح اور وہ ایک ہی شخصیت ہے۔

حضور فرماتے ہیں۔

بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْکَعْبَةِ فَاذَا رَجُلٌ اٰدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ فَقُلْتُ مَنْ ھٰذَا قَالُوْا ھٰذَا الْمَسِیْحُ بْنُ مَرْیَمَ.

(صحیح بخاری کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

کہ اس حالت میں کہ میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں، ایک آدمی گندم گوں، سیدھے بالوں والا ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ عیسیٰ بن مریم ہے۔

اسی حدیث میں آگے چل کر ذکر ہے کہ آنحضرت نے دجّال کو بھی دیکھا جس سے واضح ہے کہ یہ حلیہ آنے والے مسیح کا ہے جیسا کہ واقعات نے ثابت بھی کر دیا۔

اجماعِ اُمّت

اہل اسلام کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم، سنتِ نبوی اور حدیث کے بعد چوتھے درجہ پر اجماع ایک شرعی حجت ہے جس کا ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات صحابہؓ کے لئے ایک ناقابل برداشت صدمہ تھا اور ان میں سے بعض فرطِ محبت سے اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ اُن صحابہ میں سے تھے جو آنحضرتﷺ کو وفات یافتہ تصوّر رہی نہیں کر پائے تھے چنانچہ لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

مَامَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا یَمُوْتُ حَتّٰی یَقْتُلَ اللّٰہُ الْمُنَافِقِیْنَ.

(درمنثور للامام جلال الدین السیوطی جلد 4 صفحہ 318 زیر آیت وما جعلنا لبشر : الانبیاء:35)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے اور اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ منافقین کو قتل نہیں کر دیتا۔

اس نازک موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا۔ آپؓ نے تمام غمزدہ صحابہ کرامؓ کو ایک جگہ جمع فرمایا۔ منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اور صحابہ کرامؓ کو عموماً اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصاً مخاطب کر کے فرمایا:۔

اَیُّھَا الرَّجُلُ اِرْبَعْ عَلٰی نَفْسِکَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ اَلَمْ تَسْمَعْ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ وَ قَالَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاْئِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخٰلِدُوْنَ...... ثُمَّ تَلا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ (تفسیر درمنثور تفسیر سورۃ الانبیاء : 36)

ترجمہ: اے شخص! اپنے آپ پر قابو رکھ۔ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں سُنی اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (کہ تُو بھی مرنے والا ہے اور یہ بھی مرنے والے ہیں) اور اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ تُو تو وفات پائے اور وہ ہمیشہ (زندہ) رہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ الخ۔ کہ محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔ اگر آپ وفات پائیں یا قتل ہوں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بَل پھر جاؤ گے؟

اور بخاری شریف میں اس واقعہ کا ذکر یوں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اَمَّا بَعْدُ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اِلٰی قَوْلِہِ الشَّاکِرِیْنَ.

(بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ)

ترجمہ: کہ تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے وہ سن لیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے ہیں۔ اور جو تم میں سے اللہ کی عبادت کرتے تھے تو اللہ زندہ ہے اور وہ نہیں مرتا۔ پھر آپؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں ہیں محمد ﷺ مگر ایک رسول ان سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔

بخاری میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے سنی تو انہیں یوں محسوس ہوا کہ یہ آج نازل ہوئی ہے اور انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے ایک رسول تھے اور بشری تقاضے کے ماتحت آج تک جتنے رسول آئے وہ جب وفات پا گئے تو آنحضرتؐ کیوں فوت نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس آیت سے استدلال کرنا صاف دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک تمام انبیاء گزشتہ بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اگر واقعہ یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باوجود محض رسول ہونے کے اس وقت تک زندہ ہوتے یا صحابہ کرامؓ انہیں زندہ سمجھتے تو ان کے سامنے یہ آیت قابل استدلال ہی نہ ہوتی اور وہ صحابہؓ جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے صدمہ سے زخمی تھے وہ ضرور بول اٹھتے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام رسول ہو کر اب تک زندہ ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات پانا کیونکر ضروری ٹھہرا۔ مگر کسی صحابی کا اعتراض مروی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

یہ دلیل جو حضرت ابوبکرؓ نے تمام گزشتہ نبیوں کی وفات پر پیش کی کسی صحابی سے اس کا انکار مروی نہیں۔ حالانکہ اس وقت سب صحابی موجود تھے اور سب سُن کر خاموش ہو گئے۔ اس سے ثابت ہے کہ اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا اور صحابہ کا اجماع حجت ہے جو کبھی ضلالت پر نہیں ہوتا۔''

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 461 حاشیہ)

یہ صحابہ کرامؓ کا پہلا اجماع ہے جو اس بات پر ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء وفات پا گئے ہیں۔ سو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا چکے ہیں۔ نہ کہ ان پر کوئی خاص حالت زندگی میں طاری ہے جس سے ان کی وفات پانے کا شبہ ہو سکتا ہے۔

وفاتِ مسیحؑ کے متعلق

بزرگانِ اُمّت

کے

اقوال

(1) حضرت حسن رضی اللہ عنہ

آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ قُبِضَ اللَّیْلَةَ رَجُلٌ لَمْ یَسْبِقْهُ الْاَوَّلُوْنَ وَلَا یُدْرِکُهُ الْاٰخِرُوْنَ .... وَلَقَدْ قُبِضَ فِی اللَّیْلَةِ الَّتِیْ عُرِجَ فِیْهَا بِرُوْحِ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ لَیْلَةَ سَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ مِنْ رَمَضَانَ.

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد . الجزء الثالث صفحہ 38،39مطبع دار صادر بیروت)

ترجمہ : لوگو ! آج رات ایک ایسے شخص کی روح قبض کی گئی ہے جس سے پہلے بھی آگے نہ بڑھ سکے اور پچھلے بھی اس کے مقام کو نہ پاسکیں گے .... اور آپ کی روح اس رات قبض کی گئی ہے جس رات عیسیٰ بن مریم کی روح اٹھائی گئی یعنی رمضان کی ستائیسویں رات کو۔

اس روایت سے ثابت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ستائیسویں رمضان کو عیسیٰ علیہ السلام مع جسم آسمان پرنہیں چڑھائے گئے بلکہ صرف آپ کی روح کو اُٹھایا گیا۔

(2) ابن عبّاس رضی اللہ عنہ

آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ کی تفسیر میں لکھا ہے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَعْنَاهُ اِنِّیْ مُمِیْتُکَ۔

(تفسیر خازن مصنفہ علّامہ علاء الدین علی بن محمد جلد 1 صفحہ 251 مطبوعہ بیروت زیر تفسیر سورۃ آل عمران:56)

نیز بخاری کتاب التفسیر میں لکھا ہے مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ میں تجھے مار دینے والا ہوں۔

(3) امام مالک رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے:۔

وَالْاَکْثَرُ اَنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَقَالَ مَالِکٌ مَاتَ۔(مجمع البحار)

کہ اکثر کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی ،لیکن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔

(4) امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یوں لکھا ہے:۔

تَمَسَّکَ ابْنُ حَزْمٍ بِظَاهِرِ الْاٰیَةِ فَقَالَ بِمَوْتِهٖ.

(جلالین حاشیه صفحه 111 زیر آیت فلما توفیتنی)

کہ علامہ ابن حزمؒ نے آیت کے ظاہری معنوں کو اختیار کیا ہے اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل تھے۔

(5) حافظ ابن القیّم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

وَاَمَّا مَا یُذْکَرُ عَنِ الْمَسِیْحِ اَنَّهٗ رُفِعَ اِلَی السَّمَآءِ وَلَهٗ ثَلَاثَةٌ وَثَلَاثُوْنَ سَنَةً فَهٰذَا لَا یُعْرَفُ لَهٗ اَثَرٌ مُتَّصِلٌ یَّجِبُ الْمَصِیْرُ اِلَیْهِ۔

(زادالمعاد جلد اول صفحہ 20 مطبوعہ مطبعة المیمنیّة مصر۔فصل فی مبعثہٖ صلی اللہ علیہ وسلم ......)

کہ یہ جو حضرت مسیحؑ کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے اوران کی عمر 33 سال تھی اس کی کوئی متصل سند ایسی نہیں ملتی جس کی طرف رجوع واجب ہو۔

نیز آپ زادالمعاد میں تحریر فرماتے ہیں۔

لَمَّا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَقَامِ خَرْقِ الْعَوَائِدِ حَتّٰی شُقَّ بَطْنُہٗ وَھُوَ حَیٌّ لَا یَتَاَلَّمُ بِذٰلِکَ عُرِجَ بِذَاتِ رُوْحِہِ الْمُقَدَّسَۃِ حَقِیْقَۃً مِنْ غَیْرِ اِمَاتَۃٍ وَمَنْ سِوَاہُ لَا یَنَالُ بِذَاتِ رُوْحِہِ الصُّعُوْدُ اِلَی السَّمَاءِ اِلَّابَعْدَ الْمَوْتِ وَالْمفَارَقَۃِ فَالْاَنْبِیَاءُ اِنَّمَا اسْتَقَرَّتْ اَرْوَاحُھُمْ ھُنَاکَ بَعْدَ مُفَارَقَۃِ الْاَبْدَانِ وَرُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَعِدَتْ اِلٰی ھُنَاکَ فِیْ حَالِ الْحَیَاۃِ ثُمَّ عَادَتْ وَبَعْدَ وَفَاتِہِ اسْتَقَرَّتْ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی مَعَ اَرْوَاحِ الْاَنْبِیَاءِ.

(زاد المعاد جلد 3 صفحہ 36 الجھاد والمغازی . تحقیق القول فی أن الاسراء کان بجسدہٖ...)

چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرقِ عادات کے مقام پر تھے یہاں تک کہ آپ کا پیٹ پھاڑا گیا اس حال میں کہ آپ زندہ رہے اوراس سے آپ کوکوئی تکلیف نہ پہنچی اور پھر حضور کو اپنی مقدس روح کے ساتھ حقیقتاً موت کے بغیر معراج ہوا اور آپ کے سوا کوئی اور شخص اپنی روح کے ساتھ آسمان کی طرف صعود صرف موت اور مفارقتِ بدن کے بعد ہی حاصل کرتا ہے۔ پس تمام انبیاء کی ارواح نے آسمان پر موت اور مفارقتِ بدن کے بعد ہی قرار پکڑا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس روح نے زندگی کے عالم میں ہی آسمان پر صعود کیا۔ پھر واپس آئی اور آپ کی وفات کے بعد رفیق اعلیٰ میں

نبیوں کی روحوں کے ساتھ متمکن ہوگئی۔

(6) علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ زیرِ آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ لکھتے ہیں:۔

قِیْلَ ھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ تَوَفَّاہُ قَبْلَ اَنْ یَّرْفَعَہٗ ۔

(فتح القدیر صفحہ 90 زیر آیت تفسیر سورۃ المائدۃ:۱۱۸)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا رفع کرنے سے پہلے انہیں وفات دیدی تھی۔

(7) ابو عبداللہ محمد بن یوسف زیرِ آیت ہذا لکھتے ہیں:۔

قِیْلَ ھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ تَوَفَّاہُ وَفَاتَ الْمَوْتِ قَبْلَ اَنْ یَّرْفَعَہٗ۔ (بحر محیط جزء 4 صفحہ 61)

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ نے انہیں موت والی وفات ان کا رفع کرنے سے پہلے دی۔

نوٹ از ناشر:۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عبداللہ محمد بن یوسف خود حیاتِ مسیح کا قائل ہونے کے باوجود اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ علماء کا ایک طبقہ وفاتِ مسیح کا قائل ہے۔

(8) علّامہ جبائی مشہور شیعہ مفسّر زیرِ آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ لکھتے ہیں:۔

وَفِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ دَلَا لَۃٌ عَلٰی اَنَّہٗ اَمَاتَ عِیْسٰی وَتَوَفَّاہُ ثُمَّ رَفَعَہٗ اِلَیْہِ.

(تفسیر مجمع البیان جلد اوّل زیر تفسیر سورۃ المائدۃ :118)

ترجمہ : اس آیت میں یہ دلالت ہے کہ اللہ نے عیسیٰؑ کو موت دی اور پھر ان کا رفع اپنی طرف کیا۔

(9) شیخ اکبر محی الدّین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ الخ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

رَفْعُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اِتِّصَالُ رُوْحِهٖ عِنْدَ الْمُفَارَقَةِ عَنِ الْعَالَمِ السِّفْلِيِّ بِالْعَالَمِ الْعَلَوِيِّ وَكَوْنُهٗ فِى السَّمَآءِ الرَّابِعَةِ اِشَارَةٌ اَنَّ مَصْدَرَ فَيْضَانِ رُوْحِهٖ رُوْحَانِيَّةُ فَلَكِ الشَّمْسِ الَّذِىْ هُوَ بِمَثَابَةِ قَلْبِ الْعَالَمِ وَمَرْجِعُهٗ اِلَيْهِ وَتِلْكَ الرُّوْحَانِيَّةُ نُوْرٌ يُّحَرِّكُ ذٰلِكَ الْفَلَكَ بِمَعْشُوْقِيَّتِهٖ وَاِشْرَاقُ اَشِعَّتِهٖ عَلٰى نَفْسِهٖ اَلْمُبَاشَرَةِ لِتَحْرِيْكِهٖ وَلَمَّا كَانَ مَرْجِعُهٗ اِلٰى مَقَرِّهِ الْاَصْلِيِّ وَلَمْ يَصِلْ اِلَى الْكَمَالِ الْحَقِيْقِيِّ وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِىْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ.

(تفسیر حضرت ابن عربیؒ صفحہ 296 زیر تفسیر سورۃ النسآء:159)

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کا مطلب یہ ہے کہ مفارقت کے وقت آپ کی روح عالم سفلی سے نکل کر عالم علوی سے متصل ہوگئی اور ان کے چوتھے آسمان پر ہونے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی روح کے فیضان کا جائے صدور اس سورج کے آسمان کی روحانیت ہے جو دنیا جہان کے دل سے مشابہ ہے اور آپ کا مرجع بھی اسی کی طرف ہے اور وہ روحانیت ایک نور ہے جو اس آسمان کو اپنے عشق سے منور کرتا ہے اور اس کے نفس پر شعاعوں کا چمکنا اسی کی تحریک سے ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰؑ کا مرجع اس کی اصل جائے قرار کی طرف ہے اور اپنے کمال حقیقی تک رسائی نہیں پا سکتا لہٰذا آپ آخری زمانہ میں کسی دوسرے وجود کے ساتھ نزول فرمائیں گے۔

وفاتِ مسیحؑ

اور

علماءِ مصر

(1) علامہ رشید رضا سابق مفتی مصر و ایڈیٹر رسالہ المنار

اَلْقَوْلُ بِھِجْرَۃِ الْمَسِیْحِ اِلَی الْھِنْدِ وَمَوْتِہٖ فِیْ بَلْدَۃِ سِرِیْنکر فِی کَشْمِیْر کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

فَفِرَارُہ اِلَی الْھِنْدِ وَمَوْتُہٗ فِیْ ذٰلِکَ الْبَلْدَۃِ لَیْسَ بِبَعِیْدٍ عَقْلًا وَنقلًا۔ (رسالہ المنار جلد 6زیر تفسیر سورۃالنسآء : 158)

ترجمہ : مسیح کا ہندوستان جانا اوران کی اس شہر (سرینگر) میں موت عقل ونقل کی رُو سے بعید نہیں۔

(2) علاّمہ مفتی محمد عبدہٗ

آپ نے آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کے معنوں کی تائید میں لکھا ہے:

اَلتَّوَفِّیْ عَلٰی مَعْنَاہُ الظَّاھِرُ الْمُتَبَادِرُ وَ ھُوَ الْاِمَاتَۃُ۔

(المنار جلد3 زیر تفسیر سورۃ آل عمران : 56)

کہ یہاں تَوَفِّی سے موت مراد ہے اور ظاہر اور متبادر الفہم یہی معنی ہیں۔

(3) الاستاذ محمود شلتوت سابق مفتی مصر و ریکٹر الازہر یونیورسٹی، قاہرہ نے اپنے فتویٰ میں تفصیلی طور پر وفاتِ مسیحؑ کے تمام پہلوؤں پر بحث کی ہے اور بڑی

وضاحت سے لکھا ہے کہ وفاتِ مسیحؑ کے قائل مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا قطعاً جائز نہیں بحث کے آخر پر لکھتے ہیں:

1۔ اِنَّهٗ لَيْسَ فِيْ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ وَلَا فِي السُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ مُسْتَنَدٌ يَصْلَحُ لِتَكْوِيْنِ عَقِيْدَةٍ يَطْمَئِنُّ اِلَيْهَا الْقَلْبُ بِاَنَّ عِيْسٰى رُفِعَ بِجَسَدِهٖ اِلَى السَّمَآءِ وَ اِنَّهٗ اِلَى الْاٰنِ فِيْهَا.

2 . اِنَّ كُلَّ مَا تُفِيْدُ الْاٰيَاتُ الْوَارِدَةُ فِيْ هٰذَا الشَّانِ هُوَ وَعْدُ اللّٰهِ عِيْسٰى بِاَنَّهٗ مُتَوَفِّيْهِ اَجَلَهٗ وَرَافِعُهٗ اِلَيْهِ وَعَاصِمُهٗ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَنَّ هٰذَا الْوَعْدَ قَدْ تَحَقَّقَ فَلَمْ يَقْتُلْهُ اَعْدَآءُهٗ وَلَمْ يَصْلُبُوْهُ وَلٰكِنْ وَفَّاهُ اللّٰهُ اَجَلَهٗ وَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ.

(یہ فتویٰ سب سے پہلے الرسالة 15 مئی 1942ء جلد 1 صفحہ 642 میں شائع ہوا اور بعد میں الفتاویٰ کے نام سے مجموعہ فتاوی علامہ شلتوت میں الادارة العامة للثقافة الاسلامية بالازهر کے زیر اہتمام شائع ہوا)۔

ترجمہ:۔1۔ قرآن کریم اور سنّت مطہّرہ میں کوئی ایسی مستند نص نہیں ہے جو اس عقیدہ کی بنیاد بن سکے اور جس پر دل مطمئن ہو سکے کہ عیسیٰ علیہ السلام مع اپنے جسم کے آسمان پر اُٹھائے گئے اور وہ اب تک وہاں موجود ہیں۔

2۔ اس بارے میں جتنی آیات (قرآن کریم میں) وارد ہیں ان کا مفاد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ تھا کہ وہ خود ان کی عمر پُوری کر کے وفات دے گا اور ان کا اپنی طرف رفع کرے گا اور انہیں ان کے منکرین سے محفوظ رکھے گا اور یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے چنانچہ ان کے دشمنوں نے انہیں نہ قتل کیا نہ صلیب دے سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مقدر عمر پوری کی اور پھر ان کا رفع اپنی طرف کیا۔

نوٹ:۔ اس فتویٰ کے علاوہ علاّمہ موصوف نے مسیح علیہ السلام کی وفات اور رفع کے متعلق ایک مبسوط مضمون از ہر یونیورسٹی کے رسالہ مجلّۃ الازھر فروری 1960ء کے انگریزی حصّہ میں THE ASCENSION OF JESUS کے عنوان سے شائع کروایا تھا۔ جس کا ترجمہ نظارت اصلاح وارشاد نے ''رفع عیسیٰ'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

(4) الاستاذ احمد العجو ز اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ جس کا عکس ہمارے پاس موجود ہے۔

اَنَّ السَّیِّدَ الْمَسِیْحَ قَدْمَاتَ فِی الْاَرْضِ حَسْبَ قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اَیْ مُمِیْتُکَ وَالْمَوْتُ اَمْرٌ کَائِنٌ لَا مَحَالَۃَ اِذْ قَالَ اللّٰہُ عَنْ لِسَانِہٖ وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ.

ترجمہ: یقیناً سیدنا مسیح زمین میں وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قول اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے مطابق (اور اس کے معنی ہیں) کہ میں تجھے موت دینے والا ہوں اور موت بہرحال واقع ہونے والی چیز ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کی زبان سے فرمایا کہ سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا۔

(5) الاستاذ مصطفیٰ المراغی اپنی تفسیر میں زیر آیت یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ لکھتے ہیں۔

وَفِیْ ھٰذَا بشارَۃٌ بِنَجَاتِہٖ مِنْ مَکْرِھِمْ وَاسْتِیْفَاءِ اَجَلِہٖ وَاَنَّھُمْ لَا یَنَالُوْنَ مِنْہُ مَا کَانُوْا یُرِیْدُوْنَ بِمَکْرِھِمْ وَخُبْثِھِمْ وَاَنَّ التَّوَفِّیْ ھُوَ الْاِمَاتَۃُ الْعَادِیَۃُ وَاَنَّ الرَّفْعَ بَعْدَہٗ لِلرُّوْحِ..... وَالْمَعْنٰی اِنِّیْ مُمِیْتُکَ وَجَاعِلُکَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِیْ مَکَانٍ رَفِیْعٍ عِنْدِی کَمَا قَالَ

فِیْ اِدْرِیْسَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَرَفَعْنَاہُ مَکَاناً عَلِیّاً۔

(تفسیر المراغی جلداول زیر تفسیر سورۃ آل عمران :56)

ترجمہ: اس آیت میں اس امر کی بشارت ہے کہ مسیح (اپنے دشمنوں کی) تدابیر سے نجات پائے گا اور اپنی عمر کی مدت حاصل کر لے گا اور یہ کہ اس کے دشمن اپنے خبث اور تدابیر کے بَل پر اس سے جو حاصل کرنا چاہتے تھے اس میں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔اور تَوَفِّیْ سے روزمرّہ کی موت مراد ہے اور رفع موت کے بعد روح کیلئے ہے اور معنی یہ ہیں کہ میں تجھے موت دوں گا اور موت کے بعد تجھے اپنے حضور بلند مرتبہ پر فائز کروں گا جیسا کہ ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی فرمایا ہے وَرَفَعْنَاہُ مَکَانًا عَلِیًّا کہ ہم نے اُس کو بلند مقام دیا۔

(6) الاستاذ عبدالکریم الشریف تحریر فرماتے ہیں۔

وَالْمَسِیْحُ عَلَیْہِ السَّلَامُ طَبْعًا کَمَا یَذْکُرُ الْقُرْاٰنُ قَدْ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ وَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ وَطَھَّرَہٗ مِثْلَ مَایَتَوَفَّانَا وَیَرْفَعُنَا اِلَیْہِ۔ (النفحۃ من التاویل)

ترجمہ: اور مسیح علیہ السلام بھی طبعًا جیسا کہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی اور پھر ان کا اپنی طرف رفع فرمایا اور ان کو پاک کیا جیسا کہ وہ ہمیں وفات دیتا ہے اور ہمیں اپنی طرف اٹھاتا ہے۔

(7) الاستاذ عبدالوہاب النجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح میں آیت قرآنی وَ کُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

وَاِنَّہٗ کَانَ یُرَاقِبُھُمْ وَیُسَدِّدُھُمْ بِالنَّصَائِحِ اِلٰی وَفَاتِہٖ وَبَعْدَ

ذٰلِکَ کَانَ اللّٰهُ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ.

(قصص الانبیاء صفحہ 468زیر عنوان موقف المسیح فی الیوم الآخر)

ترجمہ : اور مسیح علیہ السلام اپنی وفات تک اپنی قوم کی نگرانی فرماتے رہے اور نصائح کے ذریعہ اپنی وفات تک انہیں سیدھا کرتے رہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر نگران تھا۔

(8) ڈاکٹر احمد زکی ابوشادی ارجنٹائن کے مشہور عربی رسالہ المواہب میں اپنے تحقیقی مضمون ''هل القرآن معجزة ؟'' میں لکھتے ہیں:

وَالْاِسْلَامُ یَعْرِفُ اَنَّ اللّٰهَ فِیْ کُلِّ مَکَانٍ وَاَنَّهٗ نُوْرُ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَعِبَارَةُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ لَیْسَتْ لِمَعْنَاهَا الْمَادِیِّ اَیْ رَفْعُهٗ اِلَی السَّمَآءِ حَسْبَ تَفْکِیْرِ الْمَسِیْحِیِّیْنَ ...... فَالرَّفْعُ هُنَا بِمَعْنِی الْاَخْذِ وَالتَّکْرِیْمِ خُفْیَةً بِعَکْسِ حِقَارَةِ الْمَوْتِ صُلْباً کَمَا یُقْتَلُ الْمُجْرِمُوْنَ وَالتَّفَاسِیْرُ الْاُخْرَی الَّتِیْ اَخَذَ بِهَا بَعْضُ شُرَّاحِ الْمُسْلِمِیْنَ هِیَ اَقْرَبُ اِلَی التَّفَاسِیْرِ الشِّعْرِیَّةِ مِنْهَا اِلَی الْمَنْطِقِ السَّلِیْمِ لاَنَّ ثِقَاهَةَ اَصْحَابِهَا الْعِلْمِیَّةَ مَحْدُوْدَةٌ. (المواهب 1955ء)

ترجمہ: اسلام کا معروف عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے اور وہ آسمان و زمین کا نور ہے پس رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ اپنے مادّی معنوں میں نہیں ہے کہ اللہ نے مسیحؑ کو آسمان پر عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اٹھالیا...... بلکہ رفع کے معنی یہاں بچانا اور اعزاز دینا ہے برعکس حقیر صلیبی موت کے جو مجرموں کو دی جاتی ہے۔اور دوسری تفاسیر جنہیں بعض مسلمان مفسّرین نے بھی اختیار کیا ہے وہ منطقِ سلیم کی بجائے شاعرانہ تفاسیر ہیں۔اور ان مفسّرین کی ثقاہت علمی نہایت محدود ہے۔

وفاتِ مسیحؑ

اور

علمائے ہندو پاکستان

(1) حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

"پیغمبرؐ گفت اندر شبِ معراج آدم صفی اللّٰہ و یوسف صدّیق و موسیٰ کلیم الله و ھارون حلیم الله و عیسیٰ روح اللّٰہ و ابراھیم خلیل اللّٰہ صلوات اللّٰہ علیھم اجمعین علی نبیناؐو علیھم اندر آسمان ھا دیدم لا محالہ آن ارواحِ ایشان بود۔"

(کشف المحجوب باب فی فرق فرقھم فی مذاھبھم . الکلام فی الروح)

اس کا مطبوعہ ترجمہ یوں کیا گیا ہے:۔

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات آدم صفی اللہ اور یوسف صدّیق۔ موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون اور عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو آسمان پر دیکھا۔ ضرور وہ ان کی روحیں ہوں گی۔

(کشف المحجوب مترجم اُردو فصل ششم۔ روح کے بیان میں۔ صفحہ 294 مطبوعہ مطبع عزیزی لاہور 1322ھ)

(2) مولانا عبید اللہ سندھی تحریر فرماتے ہیں:۔

وَمَعْنیٰ مُتَوَفِّیکَ مُمِیْتُکَ وَاَمَّامَاشَاعَ بَیْنَ النَّاسِ مِنْ حَیَاۃِ عِیْسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَھِیَ اُسْطُوْرَۃٌ یَھُوْرِیَّۃٌ وَصَابِیَّۃٌ ...... وَلَا

یَخْفیٰ اَنَّ مَرْجِعَ الْعُلُوْمِ الْاِسْلَامِیَّۃِ .....ھُوَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ وَلَیْسَ فِیْہِ اٰیَۃٌ تَدُلُّ صَرَاحَۃً عَلٰی اَنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَاَنَّہٗ حَیٌّ سَیَنْزِلُ اِلَّا الْاِسْتِنْبَاطَاتِ وَتَفْسِیْرَاتِ مِّنَ الْبَعْضِ وَلَا یَخْلُوْ ذٰلِکَ مِنْ شَکُوْکٍ وَشُبَہٍ وَمَا کَانَ بِھٰذِہِ الْمَثَابَۃِ کَیْفَ یُمْکِنُ اَنْ نَتَّخِذَہٗ مَبْنیً بِعَقِیْدَۃٍ اِسْلَامِیَّۃٍ.

(الھام الرحمان فی تفسیر القراٰن الجزء الثانی زیر تفسیر سورۃ آلِ عمران : 56)

ترجمہ: مُتَوَفِّیْکَ کے معنی ہیں میں تجھے موت دوں گا۔اور عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارہ میں جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے وہ ایک یہودی اور صابی افسانہ ہے...... یہ بات مخفی نہیں کہ علوم اسلامی کا مرجع قرآن عظیم ہے اور اس میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جو صراحت کے ساتھ ثابت کرتی ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی اور کہ وہ زندہ ہیں اور عنقریب نازل ہوں گے۔سوائے (بعض لوگوں کے) استنباط اور استدلالات اور تفاسیر کے اور یہ آراء و استدلالات شک وشبہ سے بالا نہیں ہیں۔پس ان کو ایک اسلامی عقیدہ کی بنیاد کس طرح مانا جاسکتا ہے۔

3) نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب لکھتے ہیں۔

وَقَوْلِھِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ .

دو طرح سے آدمیوں کو مار ڈالنے کا دستور تھا۔ایک صلیب پر لٹکا رہنے دینے سے۔یہ سزا سنگین جرائم کے مرتکبوں اور غلاموں کو دی جاتی تھی۔جو تین چار روز صلیب پر لٹکے ہوئے بھوک پیاس کی شدت اور زخموں کے درد اور دھوپ کی تپش اور دورانِ خون کی سُوءِ مزاجی سے مر جاتے تھے اور دوسری قسم دفعۃً

جان سے مار ڈالنے کی تھی اور وہ دو طرح سے تھی:۔

(1) سنگسار کرنا۔

(2) تلوار سے قتل کرنا۔

اس لیے قرآن مجید میں دونوں قسموں کی موت سے انکار ہوا ہے کہ نہ تو حضرت عیسیٰ کو پتھراؤ کر کے یا تلوار سے مارا اور نہ صلیب پر چڑھا کے مارا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہود کا ایسا بیان ہے کہ پہلے حضرت عیسیٰ سنگسار کر لئے گئے۔ چنانچہ یہود کی کتاب شنا اور تالمود یوروشلم اور تالمود بائبل سنہدریم کے بیان میں ایسا ہی لکھا ہے (دیکھو اربنسط بیان کا تذکرۃ مسیحؑ باب 25 صفحہ 284) اور عیسائیوں کا بیان ہے کہ وہ صلیب پر مارے گئے اس لئے قرآن میں ان دونوں باتوں پر اشارہ ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ یعنی نہ قتل بذریعہ سنگساری ہوا اور نہ قتل بذریعہ صلیب ہوا۔ نہ یہ کہ وہ مطلق صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے کیونکہ مطلق صلیب کی نفی کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ صلیب پر ہاتھوں میں میخ ٹھوکنے اور پیر باندھ دینا اور پھر تین گھنٹے بعد اُتار لینا مار ڈالنے کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ تصلیب کی نفی سے صلیبی موت مراد ہے۔

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

مگر صورت بنادی گئی اور اس طور کہ حضرت عیسیٰؑ ان لوگوں کو جو صلیب کا اہتمام کر رہے تھے مُردہ نظر آئے کیونکہ وہ تمام شب کے جاگنے اور صدمات کی برداشت اور میخوں کی اذیّت سے غشی یا بے ہوشی میں آ گئے تھے۔ اس سے انہوں نے سمجھا کہ یہ مر گئے مگر چونکہ اس وقت موسم اچھا تھا یعنی ابر چھا رہا تھا (متی 27/45۔ مارق 10/23 لوق 23/44) دھوپ کی تکلیف نہ تھی اور پھر وہ جلدی ہی اُتار لئے گئے اس وجہ سے زیادہ صدمہ نہیں پہنچا۔

حشویہ اور عامہ مفسّرین نے اس جملے کی تفسیر میں یہ معنی لگائے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی صورت ایک اور شخص پر القاء کی گئی یہ محض ایک سفسطہ ہے ورنہ ہم اپنے مخاطبوں یا مخالفوں کو ایسا ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہم ان میں ایک شخص مخصوص کو دیکھیں اور وہ دراصل وہ نہ ہو بلکہ کسی اور کی صورت اس پر القاء ہوئی ہو تو اس سے تو معاملات پر سے اعتبار جاتا رہتا ہے اور نکاح وطلاق اور مِلک پر وثوق نہیں رہتا۔ اگر ہم شُبِّہَ کو مسیحؑ کی طرف مُسند کرتے ہیں جیسا کہ عامہ مفسّرین کرتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ وہ مشبّہ بہٖ ہیں نہ کہ مشبّہ اور اگر اس خیالی اور غیر واقعی شخص کی طرف، جو مقتول ہوا بتلاتے ہیں، مُسند کرتے ہیں تو اس کا ذکر کچھ قرآن میں نہیں۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ.

اور جو لوگ اس میں یعنی ان کی صلیبی موت کی نسبت باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شبہ میں پڑ جاتے ہیں اور کچھ نہیں۔ ان کو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا۔ ہم نے دفعہ 16 میں بیان کیا ہے کہ یہ اختلاف کیا تھا۔ یعنی ایک تو یہود کا قول کہ ہم نے قتل کیا۔ دوسرے عام عیسائیوں کا عقیدہ کہ وہ قتل ہوئے۔ تیسرے فرقہ باسالیدیاں اور سرن تہیان کا قول کہ ان کی جگہ یوسف شمعون قتل ہوئے تھے چوتھے برنباس کا قول کہ ان کی جگہ یہودا اسکریوطی قتل ہوا۔ ان سب کو قرآن نے فرمایا ہے کہ اٹکل پر چلتے ہیں۔ اس میں سے کسی بات کا ان کو قطعی علم نہیں ہے چنانچہ حضرت مسیحؑ کا صلیب پر نہ مرنا تو ہم نے مقدمات 7۔8۔ 9 میں ثابت کیا ہے اور کسی اور کا اُن کی جگہ مصلوب ہو جانا ایک بے ثبوت بات ہیں اور قرائن اس کے خلاف ہے کیونکہ شمعون قرینی بعد

میں عرصہ تک زندہ رہا اور عیسائیوں کی جماعت میں شامل اور شریک رہا اور یہوداا اسکر یوطی کا حال بھی معلوم ہے کہ وہ بعد میں مر گیا۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا

اور اس کو اچھی طرح سے قتل نہیں کیا یعنی جیسا قتل کرنے کا حق تھا ویسا قتل نہیں کیا یا یقیناً قتل نہیں کیا۔ اور کیونکر وہ یقیناً قتل ہو سکتے تھے حالانکہ وہ صرف تخمیناً تین گھنٹے صلیب پر رہے اور وہ موت کے لئے کافی نہیں ہے۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ

بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ خدا کی طرف جانا یا اُٹھا لیا جانا ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۔(صٰفّٰت :100)

اور مہاجروں کی نسبت کہا وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ ۔ (النساء : 101)

یہ بات تعظیم وتشریف و تفخیم کے طور پر کہی جاتی ہے نہ یہ کہ وہ درحقیقت آسمان کی طرف بادلوں میں اُڑتے ہوئے نظر آئے اور کسی آسمان پر جا بیٹھے۔ ان باتوں کی ہمارے ہاں کوئی اصل نہیں ہے بعد میں حضرت عیسیٰ یقیناً مر گئے جس کی خبر قرآن مجید میں دوسری جگہ دی گئی ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ۔

(آل عمران : 56)

جس کی تفسیر میں مفسرین نے بہت کچھ پس و پیش کیا ہے بلکہ اس کو بالکل اُلٹ دیا ہے وہ یوں پڑھتے ہیں:

رَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُتَوَفِّيْكَ

مگر اصلی قرآن کی تو یہ عبارت نہیں ہے اگر مفسرین نے کوئی نیا قرآن بنایا ہو تو اس میں ہوگی۔ پھر دوسری جگہ اور بھی صاف ہے:۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۔

(المائدة : 118)

کہ حضرت عیسیٰ جناب باری سے عرض کریں گے جب تُو نے مجھے وفات دے دی تب تو اُن پر نگہبان رہا۔ ان دونوں آیتوں میں وفات کا ذکر ہے اور یہ موت کی دلیل ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا. (الزمر : 43)

پس ان کی وفات کی خبر بہت صاف ہے مگر یہ بات کہ وہ کب مرے اور کہاں مرے معلوم نہیں ۔ جیسے کہ حضرت مریم کا حال پھر کچھ معلوم نہ ہوا حالانکہ حضرت عیسیٰؑ نے ان کو یوحنا حواری کے سپرد کیا تھا اور یوحنّا حواری صاحبِ تصنیف بھی تھے پھر بھی کچھ حال ان کا نہیں لکھا اور حضرت مسیحؑ تو دشمنوں سے پوشیدہ دُور کے دیہات میں چلے گئے تھے۔

(انتخاب مضامین تہذیب الاخلاق جلد سوم صفحہ 211 تا 222 مطبوعہ 1896ء)

(4) سر سیّد احمد خان بانی علی گڑھ یونیورسٹی

آپ اپنی تفسیر میں وفاتِ مسیح پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

اب ہم کو قرآن مجید پر غور کرنا چاہئے کہ اس میں کیا لکھا ہے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے ..... پہلی تین آیتوں سے حضرت عیسیٰ کا اپنی موت سے وفات پانا علانیہ ظاہر ہے مگر چونکہ علماء اسلام نے بہ تقلید بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے کہ مطلب قرآن مجید پر غور کریں یہ تسلیم کرلیا تھا کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اس لئے انہوں نے ان آیتوں کے بعض

الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کو بے جا کوشش کی ہے۔
(پوری تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر احمدی مصنّفہ سر سیّد احمد خان جلد 2 صفحہ 46، 47)

(5) مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

آپ ڈاکٹر انعام اللہ خان سالاری، بلوچستان کے ایک استفسار مرقومہ 6/اپریل 1956ء کے جواب میں لکھتے ہیں:

وفات مسیحؑ کا ذکر خود قرآن مجید میں ہے مرزا صاحب کی تعریف اور بُرائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(ملفوظات آزاد مرتبہ محمد اجمل خان صفحہ 129، 130 مطبوعہ مکتبہ ماحول کراچی)

(6) شاعرِ مشرق علامہ اقبال

جہاں تک میں نے اس تحریک کی منشاء کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد کہ مسیحؑ کی موت ایک عام فانی انسان کی موت تھی اور رجعتِ مسیحؑ گویا ایسے شخص کی آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہو، اس خیال سے یہ تحریک معقولی رنگ رکھتی ہے۔ (خطباتِ مدراس)

(7) علامہ محمد عنایت اللہ المشرقی بانی خاکسار تحریک

آپ اپنی مشہور تصنیف تذکرہ میں تفصیل سے وفاتِ مسیح علیہ السلام پر تاریخی شہادات پر بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

اس میں یہ عبرت انگیز سبق موجود ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی موت بھی اسی سنّتِ الٰہ کے مطابق واقع ہوئی تھی۔ جس کی بابت قرآن نے کہا ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ (فاطر: 44)

(تذکرہ جلد اوّل حاشیہ دیباچہ صفحہ 16، 17)

(8) غلام احمد صاحب پرویز ایڈیٹر ماہنامہ طلوع اسلام

آپ نے وفاتِ مسیح پر اپنی تصانیف میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

''شعلہء مستور'' میں آپ لکھتے ہیں۔

1۔ تصریحات بالا سے یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ قرآن کریم نے کس طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے اس خیال اور باطل عقیدہ کی تردید کر دی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب دیا گیا تھا۔ باقی رہا عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے تو قرآن سے اس کی بھی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایسے شواہد موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے دوسرے رسولوں کی طرح اپنی مدّتِ عمر پوری کرنے کے بعد وفات پائی۔

(شعلہء مستور شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام لاہور صفحہ 80 زیرعنوان وفات مسیح)

2۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر اُٹھا لئے جانے کا تصوّر مذہب عیسائیت میں بعد کی اختراع ہے۔ یہودیوں نے مشہور کر دیا (اور بظاہر نظر بھی ایسا ہی آتا تھا) کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر قتل کر دیا ہے حواریوں کو معلوم تھا کہ حقیقت حال یہ نہیں لیکن وہ بھی بہ تقاضائے مصلحت اس کی تردید نہیں کر سکتے تھے۔

(شعلہء مستور صفحہ 90 زیرعنوان رفع الی السمآء)

(9) سیّد ابوالاعلیٰ مودُودی نے وفاتِ مسیحؑ کا اقرار تو نہیں کیا لیکن وہ لکھتے ہیں:۔

''قرآن کی رُو سے زیادہ مطابقت اگر کوئی طرزِ عمل رکھتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ رفع جسمانی کی تصریح سے بھی اجتناب کیا جائے اور موت کی تصریح سے بھی ___ بلکہ مسیح علیہ السلام کے اٹھائے جانے کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا

ایک غیر معمولی ظہور سمجھتے ہوئے اس کی کیفیت کو اسی طرح مجمل چھوڑ دیا جائے جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے مجمل چھوڑ دیا ہے۔‘‘

(مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ مصنفہ مولوی محمد یوسف حصہ اول صفحہ 169)

نزولِ مسیح وظہور مہدی

احادیث نبویہ میں ابن مریم کے نزول کی جو پیشگوئی وارد ہے ہمارے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اُمّت محمدیہ کا امام مہدی آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے رنگ میں رنگین ہو کر دنیا کی اصلاح کے لئے آنے والا تھا۔ گویا ابن مریم کا لفظ احادیثِ نبویہ میں اس بات کے لئے ایک استعارہ تھا کہ ایک شخص اُمّتِ محمدیہ میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم صفت اور مثیل ہو کر ظاہر ہو گا کسی لفظ کے بطور استعارہ استعمال کے اگر ضروری قرائن موجود ہوں تو اس لفظ کو بطور مستعار سمجھا جائے گا اور اگر قرائن موجود نہ ہوں تو اس کا استعمال بطور حقیقت ہو گا نہ کہ بطور استعارہ۔

نزولِ مسیح کی چند حدیثیں درج ذیل ہیں:۔

(1)۔ بخاری شریف۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَ اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ.

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسیٰ)

ترجمہ: اے مسلمانو! تمہاری کیسی حالت ہو گی جب تمہارے درمیان ابن مریم نازل ہو گا اس حال میں کہ وہ تم میں سے تمہارا امام ہو گا۔

(2)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی مروی ہے:

لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّنْزِلَ فِيْكُمْ بْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْحَرْبَ.

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابن مریم مطبوعہ مجتبائی)

ترجمہ : قریب ہے کہ تم میں ابن مریم حکم وعدل کی حیثیت میں نازل ہو اور صلیب کو توڑے اور خنزیر کو قتل کرے اور جنگ کو روکے۔

(3) صحیح مسلم۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:۔

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَانَزَلَ بْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ.

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم....)

دوسری روایت میں جو اس روایت سے بعد درج ہے متنِ حدیث کے یہی الفاظ ظاہر کر کے لکھا ہے۔

قَالَ بْنُ اَبِىْ ذِئْبٍ تَدْرِىْ مَااَمَّكُمْ مِنْكُمْ قُلْتُ تُخْبِرُنِىْ قَالَ فَاَمَّكُمْ بِكِتَابِ رَبِّكُمْ عَزَّوَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِيِّكُمْ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم....)

ترجمہ : ابن ابی ذئبؓ نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ کے کیا معنی ہیں؟ میں نے کہا آپ ہی بتائیں تو انہوں نے کہا کہ مسیح تمہارے ربّ کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنّت کے مطابق امامت کریں گے۔

(4) ابو ہریرہؓ کی یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيْبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيْرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَيُتْرَكُنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعىٰ عَلَيْهَا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم.... مسند احمد بن حنبل جلد2 صفحہ 494 مطبوعہ بیروت)

ترجمہ : ضرور نازل ہوگا ابن مریم حکم وعدل کی حیثیت میں پھر وہ صلیب کو ضرور توڑے گا۔اور خنزیر کو ضرور قتل کرے گا اور جزیہ کو ضرور موقوف کر دے گا اور اونٹنیوں کو ضرور چھوڑ دیا جائے گا پس وہ ضروری مہمّات کیلئے استعمال

نہیں کی جائیں گی۔ (گویا نئی سواریاں نکل آئیں گی اس لئے تیز رفتاری کا کام اونٹنیوں سے نہیں لیا جائے گا)

صحیح مسلم میں نواس بن سمعان سے روایت میں آنے والے مسیح کے لئے عیسٰی نبی اللّٰہ کے الفاظ چار مرتبہ استعمال ہوئے ہیں فَیَھْبِطُ نَبِیُّ اللّٰہِ عِیْسٰی۔

(5) مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

یُوْشِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَّلْقٰی عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَّھْدِیّاً وَّ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الخِنْزِیْرَ ...... الخ

(مسند احمد حنبل جلد 2صفحہ411 مطبوعہ بیروت)

ترجمہ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو زندہ رہے گا قریب ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرے درآنحالیکہ وہ امام مہدی اور حکم وعدل ہوگا پس وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر مارے گا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ امام مہدی اور مسیح موعود ایک ہی شخص ہوگا اور اس کے مختلف کاموں کے لحاظ سے اس کے دو نام ہوں گے۔

(6) **محمّد بن خالد الجندی** سے مروی ہے:۔

لَایَزْدَادُالْاَمْرُ اِلَّاشِدَّۃً وَلَا الدُّنْیَا اِلَّا اِدْبَارًا وَّ لَا النَّاسُ اِلَّاشُحّاً ....وَلَا الْمَھْدِیُّ اِلَّاعِیْسَی بْن مَرْیَمَ۔

(ابن ماجه کتاب الفتن باب شدة الایمان)

ترجمہ : معاملات میں شدّت اور دنیا میں ادبار اور لوگوں میں بخل بڑھ جائے گا...... اور عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی مہدی نہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مہدی اور عیسیٰ موعود دو شخص نہیں۔

لیکن ان دو احادیث کے باوجود ابن مریم یا عیسیٰ بن مریم کے الفاظ سے

بعض علماء میں یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں اتریں گے اور اسی غلط فہمی کی وجہ سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وفات کے معنی پر مشتمل الفاظ مُتَـوَفِّیْکَ اور تَـوَفَّیْتَنِیْ کی تاویل کی اور ان کے معنی روح اور جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اُٹھا لینا کر لئے حالانکہ یہ آیات وفاتِ مسیحؑ پر نصِّ صریح ہیں۔ خود مفسرین کو انہی احادیث کی بناء پر وفات کی یہ تاویل کرنا مسلّم ہے:

اِنَّـمَـا احْتَـاجَ الْـمُـفَسِّرُوْنَ اِلٰی تَاْوِیْلِ الْوَفَاۃِ بِمَا ذُکِرَ لِاَنَّ الصَّحِیْحَ اَنَّ اللّٰہَ رَفَعَہٗ اِلَی السَّمَآءِ مِنْ غَیْرِ وَفَاۃٍ۔

(فتح البیان جلد 2 صفحہ 246 زیر تفسیر آل عمران :56)

ترجمہ: مفسّرین (مسیحؑ کے بارے میں) الوفاۃ کی تاویل کرنے میں مجبور تھے۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو آسمان پر بغیر وفات کے اٹھا لیا ہے۔

ایک دوسرا گروہ جس نے آیات قرآنیہ کی تاویل نہ کی اور ان کو اصل معنی پر رکھ کر یہ گروہ وفاتِ مسیحؑ کا قائل تھا اس نے آیات قرآنیہ کی تاویل کی بجائے احادیث نبویہ کی تاویل کی اور عیسیٰ بن مریم کے نزول سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک ہم صفت شخص کا ظہور تسلیم کیا۔ یا نزولِ عیسیٰ بن مریم سے مراد امام مہدی میں مسیح کا بروزی ظہور تسلیم کیا۔ چنانچہ امام سراج الدین ابن الوردی نے مسیحؑ کے اصالتاً نزول کی تصدیق کے بعد ایک دوسرے گروہ کا عقیدہ یوں لکھا ہے:

قَـالَـتْ فِـرْقَۃٌ مِّنْ نُزُوْلِ عِیْسٰی خروُجُ رَجُلٍ یُشْبِہُ عِیْسٰی فِـی الْـفَـضْلِ وَالشَّرَفِ کَمَا یُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَیْرِ مَلَکٌ وَللشَّرِیْرِ شَیْطَانٌ تَشْبِیْھًا بِھِمَا وَلَا یُرَادُ الْاَعْیَانُ۔

(خریدۃ العجائب وفریدۃ الرغائب صفحہ 263 مطبوعہ مصر)

ترجمہ : ایک گروہ نے نزول عیسیٰؑ سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل و شرف میں عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا۔ جیسے تشبیہ دینے کے لئے نیک آدمی کو فرشتہ اور شریر کو شیطان کہتے ہیں مگر اس سے مراد فرشتہ یا شیطان کی ذات نہیں ہوتی۔

واضح رہے کہ جماعت احمدیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ محمد اکرم صاحب صابری اقتباس الانوار میں لکھتے ہیں:

بعضے بر آنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت از ایں بروز است مطابق ایں حدیث **لا مھدی الّا عیسٰی ابن مریم۔** (صفحہ 52)

ترجمہ : بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰؑ کی روحانیت مہدی میں بروز (ظہور) کرے گی اور حدیث میں لفظ نزول سے مراد یہ بروز ہی ہے مطابق اس حدیث کے کہ نہیں ہے مہدی مگر عیسیٰ بن مریم۔

علّامہ میبذی نے بھی شرح دیوان میں لکھا ہے۔

روحِ عیسیٰ علیہ السلام در مہدی علیہ السلام بروز کند و نزولِ عیسیٰ ایں بروز است۔ **(غایۃ المقصود صفحہ 21)**

حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔

وَجَبَ نُزُوْلُہٗ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِہٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ.

(تفسیر عرائس البیان جلد 1 صفحہ 262 مطبوعہ نول کشور)

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آخری زمانہ میں ایک دوسرے بدن (وجود) کے ساتھ ضروری ہے۔

بُروز کی حقیقت

(1) شیخ محمد اکرم صابری اسی جگہ بروز کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں :۔

روحانیتِ کَمَّلَ گاہے برارباب ریاضت چناں تصرّف می فرماید فاعلِ افعالِ اومی گرددوایں مرتبہ راصوفیہ بروزمی گویند۔

(اقتباس الانوار صفحہ 51)

ترجمہ : کامل لوگوں کی روحانیت ارباب ریاضت پر ایسا تصرف کرتی ہے کہ وہ روحانیت ان کے افعال کی فاعل ہو جاتی ہے اس مرتبہ کو صوفیاء بروز کہتے ہیں۔

(2)۔ خواجہ غلام فرید آف چاچڑاں شریف فرماتے ہیں۔

وَالْبُرُوْزُ اَنْ یُّفِیْضَ رُوْحٌ مِنْ اَرْوَاحِ الْکُمَّلِ عَلیٰ کَامِلٍ کَمَا یُفِیْضُ عَلَیْہِ التَّجَلِّیَاتُ وَھُوَ یَصِیْرُ مَظْھَرَہٗ وَیَقُوْلُ اَنَا ھُوَ۔

(اشاراتِ فریدی حصہ دوم صفحہ 110)

ترجمہ : بروز یہ ہے کہ کاملین کی ارواح میں سے کوئی روح کسی کامل انسان پر افاضہ کرے جیسا کہ اس پر تجلیات کا افاضہ ہوتا ہے اور وہ اس کا مظہر بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں وہی ہوں۔

(3)۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز قرار دے کر کہتے ہیں۔

ھٰذَا وَجُوْدُ جَدِّیْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا وَجُوْدَ عَبْدِالْقَادِرِ.

(گلدستہ کرامات صفحہ 8 مؤلفہ مفتی غلام سرور صاحب مطبوعہ افتخار دہلوی)

ترجمہ : میرا وجود میرے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے عبد القادر کا وجود نہیں۔

اس عبارت میں حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمۃ نے اپنا فنا فی الرسول ہونے کا مقام بیان کیا ہے گویا کہ فنافی الرسول کا مقام حاصل کرنے کی وجہ سے آپ کا وجود بروزی طور پر آنحضرت ﷺ کا وجود بن گیا نہ کہ اصالتاً۔

چونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات ثابت ہے اس لئے یہ امر استعارہ کے لئے قرینہ حالیہ ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمۃ نے اپنے آپ کو فنا فی رسول ہونے کی وجہ سے بروزی طور پر استعارۃً محمد ﷺ قرار دیا ہے۔

مسیح موعود علیہ السّلام کا بروزی نزول

اس طرح چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ سے ثابت ہے اس لئے نزول ابن مریم کا مفہوم یہی ہوسکتا ہے کہ اُمّت محمدیہ کا امام مہدی ہی عیسیٰ علیہ السلام کا بروز ہوگا اور اسے حدیثوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا مشابہ اور مثیل ہونے کی وجہ سے ابن مریم اور عیسیٰ بن مریم کا نام دیا گیا۔

امام مہدی کیلئے ابن مریم کا نام بطور استعارہ

مسند احمد بن حنبل اور ابن ماجہ کی ہر دو احادیث اس بات کی مؤیّد ہیں کہ عیسیٰ بن مریم امّتِ محمدیہ کے امام مہدی کا ہی صفاتی نام ہے جو اسے بطور استعارہ دیا گیا ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے:۔

اِطْلَاقُ اِسمِ الشَّیءِ عَلٰی مَایُشَابِھُهٗ فِیْ اَکْثَرِ خَوَاصِهٖ وَصِفَاتِهٖ جَائِزٌ حَسَنٌ۔ (تفسیر کبیر جلد 2صفحہ 689)

یعنی کسی چیز کا نام دوسری چیز پر جو اس کی اکثر خواص اور صفات میں مشابہت رکھے اطلاق کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن مجید میں وارد ہے۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا . رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ .

(الطلاق:۱۱)

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے نزول کی خبر دی گئی ہے جبکہ آپ اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اس لئے اجلال اور اکرام کے طور پر آپ کے لئے نزول کا لفظ استعمال فرمایا۔ اسی طرح احادیث نبویہ میں مثیل عیسیٰ کے لئے نزول کا لفظ اکراماً استعمال کیا گیا ہے جبکہ بحیثیت امام مہدی اُمّت میں وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہونے والا تھا۔

دوسری بات اس آیت سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم سے مشابہ ہونے کی وجہ سے استعارۃً ذِکْرٌ قرار دیا گیا ہے۔

علامہ محمد اسماعیل حقی اپنی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذِکْرٌ سے جو قرآن مجید میں ہے شدید ملابست (شدید تعلق) کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے فَاُطْلِقَ عَلَيْهِ اِسْمُ الْمُشَبَّهِ بِهٖ اِسْتِعَارَةً تَصْرِيْحِيَّةً ۔اس طرح مشبّہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مشبہٌ بہٖ کا نام استعارہ تصریحیہ کے طور پر دیا گیا ہے۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ آنحضرت ﷺ حقیقتاً ذِکر نہیں۔ استعارہ اور مجاز کے طور پر آپ کو ذِکر قرار دیا گیا ہے۔ ویسے ہی پیشگوئی میں عیسیٰ بن مریم کا لفظ

اُمّتِ محمدیہ کے مسیح موعود کے لئے استعارہ ہے۔ حقیقتاً مسیح بن مریم کا آسمان سے اُترنا مرادنہیں۔

کنیت بھی بطور استعارہ استعمال ہوسکتی ہے علامہ زمخشری نے آیت هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَامِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں لکھا ہے۔

مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ قیامت کو جو رزق ملے گا یہ اس رزق کی مانند ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا۔ (نہ کہ حقیقتاً وہی رزق۔ ناقل) اور دلیل (یعنی قرینہ) اس کا وَاُتُوْابِهٖ مُتَشَابِهًا ہے (یعنی وہ دنیا کے رزق سے ملتا جلتا رزق دیئے جائیں گے)۔ ناقل اس کی مثال میں علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

هٰذَا کَقَوْلِکَ اَبُوْ یُوْسُفَ اَبُوْحَنِیْفَةَ تُرِیْدُ اَنَّهٗ لِاسْتِحْکَامِ الشِّبْهِ کَانَّ ذَاتَهٗ ذَاتُهٗ.

(تفسیر الکشاف جلد 1 صفحہ 261 زیر تفسیر سورۃ البقرۃ : 26)

ترجمہ : قیامت کے رزق کو دنیا کا رزق قرار دینا تیرے اس قول کی مانند ہے کہ ابو یوسف ابوحنیفہ ہیں اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان مستحکم مشابہت کی وجہ سے گویا ابو یوسف کی ذات کو ابوحنیفہ کی ذات ہی قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے ابو یوسف کہنے کی بجائے ابوحنیفہ کہہ کر مراد ابو یوسف لیا جاتا ہے۔

علامہ عبید اللہ بن مسعود حنفی اپنی کتاب التوضیح میں لکھتے ہیں۔

اِسْتِعَارَةِ اِسْمِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهَ تَعَالٰی لِرَجُلٍ عَالِمٍ فَقِیْهٍ مُتَّقٍ. (التوضیح صفحہ 184)

یعنی ایک عالم متقی فقیہ شخص کو استعارہ کے طور پر ابوحنیفہ کہا جاتا ہے۔

اس طرح صحیح بخاری کی حدیث میں مذکور ہے کہ ہرقل قیصرِ روم کے دربار

میں ابوسفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ فقرہ کہا۔

لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِیْ کَبْشَۃَ یَخَافُہ، مَلِکُ بَنِی اَصْفَرِ.

(بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی)

کہ ابن ابی کبشہ کا کام تو خوب بن گیا کہ رومیوں کا بادشاہ بھی اس سے ڈرتا ہے۔

اس فقرہ میں اعلانِ توحید میں ابن ابی کبشہ سے مشابہت کی وجہ سے ابوسفیان نے استعارہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ قرار دیا ہے حالانکہ آپ محمد بن عبداللہ تھے۔

یحییٰ علیہ السلام ایلیا کے بُروز

بائبل میں ایلیا (الیاس علیہ السلام) کے آنے کی پیشگوئی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کے وجود میں پورا ہونا قرار دیا ہے جس سے یہی مراد ہے کہ وہ یحییٰ علیہ السلام کو ایلیا کا بروز قرار دیتے ہیں۔

تفصیل اس کی یوں ہے:

کتاب ملاکی باب 4 آیت 5 میں لکھا ہے:

دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیا نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔

اس سے یہودی یہ سمجھتے تھے کہ ایلیا کا سچے مسیح سے پہلے آسمان سے آنا ضروری ہے۔ کتاب سلاطین کے مطابق ان کا عقیدہ تھا کہ ایلیا رتھ سمیت بگولے میں سوار ہو کر آسمان پر چلا گیا۔ (2۔سلاطین باب 2 آیت 12)

مسیح سے سوال کیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو ایلیا کہاں ہے؟ مسیحؑ نے یوحنا کو ایلیا قرار دیتے ہوئے جواب دیا۔

سب نبیوں اور توریت نے یوحنا کے وقت تک آگے کی خبر دی اور ایلیا جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو۔ جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے۔

(متی باب 11 آیت 13، 14)

نزول کی حقیقت:

ہم بتا چکے ہیں کہ نزول کا لفظ مجازاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور اکرام استعمال کیا گیا۔ قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل ہوتی ہے مراد یہ ہے کہ آسمانی یعنی خدائی فیصلے کے نتیجہ میں ہی سب اشیاء کا ظہور ہوتا ہے مندرجہ ذیل آیات اس پر شاہد ہیں۔

1۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔

(الحجر:22)

اس آیت میں ہر چیز کا آسمان سے نازل ہونا مذکور ہے۔

2۔ يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا. (المومن : 14)

اس آیت میں ہر رزق کا آسمان سے نزول ہونا مذکور ہے۔ حالانکہ بظاہر رزق زمین پر پیدا ہوتا ہے۔

3۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ۔ (الشوریٰ : 28)

اس آیت میں بھی رزق کا نزول مذکور ہے۔

4۔ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ۔ (الزمر : 7)

اس آیت میں چارپایوں کا نزول مذکور ہے۔

5۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا.

(الاعراف :27)

اس آیت میں لباس کا نزول مذکور ہے حالانکہ وہ زمین پر تیار ہوتا ہے۔

6۔ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ. (الحدید : 26)

اس آیت میں لوہے کا نزول مذکور ہے حالانکہ وہ زمینی کانوں سے نکلتا ہے۔

کسی صحیح حدیث میں عیسیٰ ابن مریم کے لئے نزول کے ساتھ سَمَاء کا لفظ موجود نہیں۔لیکن اگر سَمَاء کا لفظ مذکورہ بھی ہوتا تب بھی اس سے مراد ابن مریم کا اصالتاً آنا نہ لیا جاسکتا کیونکہ عیسیٰ بن مریمؑ کی وفات نصوصِ قرآنیہ سے ثابت ہے جو اس بات کیلئے قرینہ حالیہ ہے کہ وہ اصالتاً نازل نہیں ہوں گے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ (الزمر:43) کہ جس روح کو موت کے ذریعہ قبض کرلیا جائے اُسے خدا روکے رکھتا ہے یعنی دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتا۔

ویسے ہر شے اور بالخصوص موعود اشیاء آسمان سے ہی آتی ہیں ان معنی میں کہ ان کے ظہور میں آسمانی اسباب کا دخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذّٰریات:23)

کہ آسمان میں تمہارا رزق ہے اور ہر وہ شے جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔

پس وہ مسیحؑ جس کے آخری زمانہ میں آنے کا وعدہ دیا گیا وہ ایک رنگ میں آسمان سے ہی آیا ہے۔

ابن مریم کے استعارہ کے لئے قرینہء لفظیہ

ابن مریم کے بروزی نزول کے متعلق وفاتِ مسیحؑ کے حالیہ قرینہ کی موجودگی کے علاوہ احادیث نبویہ میں قرینہء لفظیہ بھی موجود ہے۔جو اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ اور فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ اور عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَهْدِیًّا کے الفاظ ہیں اور پھر طبرانی

کی حدیث کے یہ الفاظ بھی کہ اَلَا اِنَّہٗ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ کہ وہ میری اُمّت میں میرا خلیفہ ہے۔

اِن سب حدیثوں میں یہ مذکور ہے کہ مسیح موعود اُمّتِ محمدیہ کا امام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوگا۔لیکن ہوگا اُمّت سے۔ باہر سے نہیں آئے گا۔ کیونکہ آیتِ استخلاف میں یہ وعدہ ہے کہ اس اُمّت کے ائمہ وخلفاء اُمّت میں سے ہی ہوں گے البتہ وہ اِس اُمّت سے پہلے گزرے ہوئے خلفاء سے مشابہ ہوں گے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ تو کوئی خلیفہ آ سکتا ہے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصالتاً نزول آیت استخلاف کی رُو سے محال اور ممتنع ہے کیونکہ اس سے مشبّہ اور مشبہٌ بہٖ کا عین ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔

حیاتِ مسیحؑ پر اجماع کا دعویٰ باطِل ہے

اوپر کی بحث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مسیحؑ کی حیات اور وفات کے متعلق دو خیال مسلمانوں میں موجود رہے ہیں۔اس سے ظاہر ہے کہ حیات مسیحؑ کے عقیدہ پر اُمّت میں کبھی اجماع نہیں ہوا۔ البتہ جیسا کہ ہم نے ثابت کر دیا ہے وفاتِ مسیح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہے پس وفاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کو ہی اجماعی دلیل ہونے کا حق حاصل ہے۔اسی طرح نزول ابن مریم کے بارہ میں بھی دو خیال کے مسلمان موجود رہے ہیں۔ایک گروہ ابن مریمؑ کے اصالتاً نزول کا قائل رہا اور دوسرا بروزی صورت کا قائل۔ لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام کے اصالتاً آسمان سے نازل ہونے پر بھی اجماع ثابت نہیں۔

لہٰذا مفسّرین کے جو اقوال اس بارہ میں منفردانہ حیثیت کے ہیں وہ حجت اور دلیل نہیں بن سکتے ماسوائے اس کے فقہ حنفیہ کی رُو سے آئندہ ہونے والے امور

کے متعلق جو پیشگوئیاں ہوں اُن کے کسی خاص معنی اور مفہوم پر اجماع نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ شیخ محبّ اللہ بن عبدالشکور اپنی کتاب مسلّم الثبوت میں لکھتے ہیں:۔

اَمَّـافِی الْمُسْتَقْبِلَاتِ کَاَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَاُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ فَلَا (اِجْمَاعَ) عِنْدَ الْحَنْفِیَّةِ لِاَنَّ الْغَیْبَ لَامَدْخَلَ فِیْهِ لِلْاِجْتِهَادِ.

(مسلّم الثبوت مع شرح صفحه 521الاصل الثالث الاجماع)

ترجمہ: یعنی جو باتیں مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں جیسے علاماتِ قیامت (جن میں نزول ابن مریم بھی شامل ہے۔ناقل) اور امورِ آخرت ان میں حنفیوں کے نزدیک اجماع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ امور غیبیہ میں اجتہاد اور رائے کو کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔

''مسیح موعود کا آسمان سے اترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ یاد رکھو کوئی آسمان سے نہیں اترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی اُن میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آ گئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اُترا۔تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہوکر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں

گے۔اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔‘‘

(تذکرۃ الشہادتین۔روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 67)

مسئلہ ختمِ نبوّت

جماعت احمدیہ کا اس بات پر ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب کے مطابق خاتم النبیّین ہیں اور یہ وصف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے سوا کسی اور نبی کو نہیں ملا۔

مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے جیسا کہ لکھا ہے۔

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ.

(تذکرہ صفحہ 60 مطبوعہ 2004ء)

ترجمہ: درود بھیج محمد اور آل محمد پر جو سردار ہے آدم کے بیٹوں کا اور خاتم الانبیاء ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

پس بانی سلسلہ احمدیہ کے متعلق اگر کوئی یہ کہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے تو اس کا یہ محض اتہام ہوگا جس کی تغلیط آپؑ کے الہامات اور وہ سینکڑوں حوالہ جات کرتے ہیں جن میں آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا ہے چنانچہ آپ ازالہ اوھام میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لبّ لباب یہ ہے کہ **لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالمِ گزران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیّدنا و مولانا محمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں۔

جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہِ راست کو اختیار کر کے خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ (ازالہ اوہام۔روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 169،170)

پھر اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا:

عقیدہ کے رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔ (کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15،16)

ان دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور آپؑ کی جماعت خاتم النبیین کی آیت کی نصّ کی مصدّق ہے نہ کہ مکذّب۔

خاتم النّبیین کے معنی

آیت خاتم النبیین کے دو معنی ہیں۔

1۔ ایک معنی بلحاظ لغت ومحاورۂ عرب وسیاقِ کلام۔

2۔ دوسرے معنی وہ عرفی معنی ہیں جو دراصل حقیقی لغوی معنی کو لازم ہیں۔

لازم المعنی کی وضاحت اور تعیین

فقہ حنفیہ کے جلیل القدر امام ومحدث حضرت امام علی القاری یوں فرماتے ہیں:۔

اَلْمَعْنیٰ اَنَّہ لَا یَأْتِیْ نَبِیٌّ بَعْدَہٗ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ.

(موضوعات کبیر صفحہ 59مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی)

ترجمہ: (خاتم النبیین کے) معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی ملت (شریعت) کو منسوخ کر دے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نئی شریعت لانے والا نبی آ سکتا ہے جو پہلی شریعت کو منسوخ کرے اور نہ امت محمدیہ سے باہر عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں وغیرہ میں کوئی نبی آ سکتا ہے یہ معنی خاتمیت زمانی کہلاتے ہیں۔

وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ کے الفاظ میں اشارہ ہے کہ امت میں سے نبی کا ہونا آیتِ خاتم النبیین کے منافی نہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا یہ مفہوم ہوا کہ آپ آخری شارع اور آخری مستقل نبی ہیں ان معنی پر ساری اُمّت کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شارع نبی اور آخری مستقل نبی ہیں اور جماعت احمدیہ ان معنوں سے پورا اتفاق رکھتی ہے یہ معنی خاتم النبیین کے حقیقی لغوی معنی کو لازم ہیں۔

اہلسنّت کے تمام فرقوں نے انہی معنوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانا ہے ان فرقوں میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق آخری نبی نہیں مانا۔ کیونکہ ان سب کا عقیدہ ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبی اللہ اور امتی کے نازل ہوں گے۔ چنانچہ اس عقیدہ کی نمائندگی میں امام علی القاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

لَامُنَافَاۃَ بَیْنَ اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیًّا وَاَنْ یَّکُوْنَ مُتَابِعًا لِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیَانِ اَحْکَامِ شَرِیْعَتِہٖ وَاِتْقَانِ طَرِیْقَتِہٖ وَلَوْبِالْوَحْیِ اِلَیْہِ کَمَا یُشِیْرُ اِلَیْہِ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْکَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَـمَاوَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ اَیْ مَعَ وَصْفِ النُّبُوَّۃِ وَالرِّسَالَۃِ وَاِلَّا مَعَ سَلْبِھِمَا فَلَا یُفِیْدُ زِیَادَۃَ الْمَزِیَّۃِ.

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب)

ترجمہ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہونے میں کوئی منافاۃ (تضاد) نہیں اس صورت میں کہ وہ آپ کی شریعت کے احکام بیان کریں۔ اور اس شریعت کی طریقت کو پختہ کریں خواہ وہ یہ کام اپنی وحی کے ذریعہ کریں جیسا کہ حدیث **لَوْ کَانَ مُوْسیٰ حَیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ** (اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا) اس طرف اشارہ کر رہی ہے (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی کا آنا ممتنع نہیں۔ ناقل) مراد اس حدیث سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ موسیٰ وصفِ نبوّت اور رسالت کے ساتھ زندہ ہوتے ورنہ نبوّت اور رسالت چھن جانے کے ساتھ (ان کا تابع ہونا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

پس جماعت احمدیہ اہل سنّت کے تمام فرقوں سے اس بات میں اصولی طور پر متفق ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کا مسیح موعود نبی اللہ ہوگا۔ اگر اختلاف ہے تو اس پہلو میں کہ جماعت احمدیہ اور بعض اور لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آیت استخلاف کے الفاظ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (النور:56) کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُمّتِ محمدیہ میں اصالتاً نہیں آ سکتے بلکہ ان کا مثیل نبی اللہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہونے والا ہے اور یہ اختلاف جزوی ہے جن لوگوں پر وفاتِ مسیحؑ کی حقیقت کھل جائے ان کو بالآخر ہمارے ساتھ اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ حدیثوں کا موعود عیسیٰؑ اُمّتِ محمدیہ کا ایک فرد ہونا چاہئے۔

امام علی القاریؒ کی طرح حضرت بانی سلسلہ احمدیہ بھی فرماتے ہیں۔

''شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمّتی ہو۔'' (تجلیاتِ الٰہیہ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 412)

خاتم النبیّین کے لغوی معنی

مفرداتِ راغب میں جو قرآن مجید کی مستند لغت ہے لفظ ختم کے نیچے لکھا ہے:۔

اَلْخَتْمُ وَالطَّبْعُ یُقَالُ عَلٰی وَجْهَیْنِ مَصْدَرُ خَتَمْتُ وَطَبَعْتُ وَهُوَ تَاثِیْرُ الشَّیْءِ کَنَقْشِ الْخَاتَمِ وَالطَّابعِ وَالثَّانِیْ اَلْاَثَرُ الْحَاصِلُ عَنِ النَّقْشِ وَیُتَجَوَّزُ بِذٰلِکَ تَارَةً فِی الْاِسْتِیْثَاقِ مِنَ الشَّیْءِ وَالْمَنْعِ مِنْهُ اِعْتِبَارًا بِمَا یَحْصُلُ مِنَ الْمَنْعِ بَالْخَتْمِ عَلَی الْکُتُبِ وَالْاَبْوَابِ نَحْوُ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَتَارَةً فِیْ تَحْصِیْلِ اَثْرٍ عَنْ شَیْءٍ اِعْتِبَارًا بِالنَّقْشِ الْحَاصِلِ وَتَارَةً یُعْتَبَرُ مِنْهُ بَلُوْغَ الْاٰخِرِ. وَمِنْهُ قِیْلَ خَتَمْتُ الْقُرْاٰنَ اَیْ اِنْتَهَیْتُ اِلٰی اٰخِرِهٖ.

(مفردات راغب مصنّفه امام راغب اصفهانی زیر لفظ خَتَم)

ترجمه : خَتْم اور طَبْع کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت (جو حقیقی لغوی معنی کی صورت ہے) یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ مصدر ہیں اور ان کے معنے خاتم (مہر) کے نقش پیدا کرنے کی طرح تاثیر الشیء ہیں۔ یعنی دوسری شے میں کسی شے کا اپنے اثرات پیدا کرنا) اور دوسری صورت خَتْم اور طَبْع کی اس نقش کی تاثیر کا اثر حاصل ہے اور یہ لفظ مجازاً کبھی تو ختم عَلٰی الْکُتُبِ و الْاَبْواب (کتابوں اور بابوں پر مُہر لگنے) کے لحاظ سے شے کی بندش اور روک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے ختم اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَ خَتَم عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ (میں) اس کا استعمال مجازی معنی میں ہوا ہے اور کبھی اس کے مجازی معنی نقشِ حاصل کے لحاظ سے کسی شے سے اثر پیدا کرانا ہوتے ہیں

(جیسے خَتَمَ الزِّراعَةَ جبکہ بیج ڈالنے اور پانی دینے پر کھیتی اُگ آئے اور کبھی اس کے مجازی معنی آخر کو پہنچنے کے ہوتے ہیں اور انہی معنی میں خَتَمْتُ الْقُرْاٰنَ کہا گیا ہے کہ میں تلاوتِ قرآن میں اس کے آخر تک پہنچ گیا۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ خَتْم اور طَبْع کے پہلے معنی جو تاثیر الشئی اور اثر حاصل میں لغوی مصدری معنی ہیں اور باقی سارے معنی مجازی ہیں جن پر یُتَجَوَّزُ کا لفظ دلالت کرتا ہے۔ واضح رہے کہ اثر نقش حاصل بھی حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی ہیں جن کے آگے تَحْصِیْلُ اَثْرٍ عَنْ شَیءٍ کے معنوں کا قیاس کیا گیا ہے اگر اثرِ نقش حاصل امام راغب کے نزدیک حقیقی معنی ہوتے تو ایک مجازی معنی کا ان پر قیاس نہ ہوتا۔

لفظ خَاتَم ، خَتَمَ سے اسم آلہ ہے اور خَاتِم اسم فاعل ہے خَاتَم کے معنی ہوں گے تاثیر کا ذریعہ یا آلہ اور خَاتِم کے معنی ہوں گے تاثیر کرنے والا۔ مآل دونوں معنوں کا مؤثر وجود ہوگا۔

جب اسے جمع کی طرف مضاف کیا جائے جیسے خاتم الاولیاء، خاتم الشعراء، خاتم الحکام وغیرہ تو معنی اس کے ہوں گے ایسا وجود جس کی تاثیر سے اولیاء یا شعراء یا حاکم وجود میں آئیں۔ اس لحاظ سے خاتم النبیین کے بلحاظ لغتِ عربی ومحاورۂ زبان عربی معنی ہوں گے۔ ایسا نبی جس کی مہر یعنی تاثیر سے انبیاء ظہور میں آئیں۔

ایسے نبی کیلئے ضروری ہے کہ وہ مرتبہ میں تمام انبیاء سے بڑھ کر ہو۔ ان معنی کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے آنحضرت ﷺ کی ذات میں تسلیم کر کے خاتمیتِ مرتبی قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپؐ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں

مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدّم یا تاخّر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔'' (تحذیر الناس صفحہ 3 مطبوعہ سرکار پریس سہارنپور)

صحیح معنی آپ کے نزدیک یہ ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موصوف بوصفِ نبوت بالذات ہیں اور سوا آپؐ کے اور نبی موصوفِ بوصف نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپؐ کا فیض ہے پر آپؐ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپؐ پر سلسلہ نبوت مختتم ہوجاتا ہے غرض جیسے آپؐ نبی اللہ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی۔''

(تحذیر الناس صفحہ 4 مطبوعہ سرکار پریس سہارنپور)

پھر مولانا موصوف سیاق آیت اور لغتِ عربی کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاتم النبیین کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''جیسے خَاتَم بفتح التّاء کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے موصوف بالذات (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا اثر موصوف بالعرض (دوسرے تمام انبیاء) میں ہوتا ہے۔ حاصل مطلوب آیہ کریمہ (وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ) اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوّتِ معروفہ (جسمانی باپ ہونا) تو رسول اللہ صلعم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوّتِ معنوی (روحانی باپ ہونا) امّتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط آیت خاتم النبیین شاہد ہے کیونکہ اوصاف معروض (مثلاً دیگر انبیاء کی نبوتیں) و موصوف بالعرض (مثلاً دیگر انبیاء) موصوف بالذات (مثلاً خاتم النبیین) کے فرع ہوتے ہیں۔ اور موصوف بالذات اوصافِ عرضیہ کی اصل ہوتا ہے اور وہ اس کی نسل .... اور امتیوں کی

نسبت لفظ رَسُوْلَ اللّٰہِ میں غور کیجئے۔''

(تحذیر الناس صفحہ 10، 11 مطبوعہ سرکار پریس سہارنپور)

خاتم النبیین کے ان مرتبی معنوں کا نتیجہ مولانا موصوف یہ بیان کرتے ہیں۔

''ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوّت لیجئے جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو سوا رسول اللہ صلعم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں مماثل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں انبیاء کی افراد خارجی (انبیاء سابقین۔ ناقل) ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ (جن انبیاء کا آئندہ آنا تجویز کیا جائے۔ ناقل) پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔''

(تحذیر الناس صفحہ 28 مطبوعہ سرکار پریس سہارنپور)

استدلال:

خاتمیت محمدی، خاتمیت زمانی اور خاتمیتِ مرتبی دونوں کی جامع ہے۔ خاتمیت مرتبی کا تقاضا یہ ہے کہ آئندہ بھی نبی پیدا ہو سکتا ہے اگر خاتمیت زمانی کے ان کے نزدیک یہ معنی ہوتے کہ آئندہ کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ تو پھر وہ یہ فقرہ نہ لکھتے کہ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ کیونکہ اس صورت میں تو خاتمیت زمانی ٹوٹ جاتی اور خاتمیت محمدی میں فرق آ جاتا اور مولانا کا یہ فقرہ محض جھوٹ قرار پاتا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں خاتم النبیین کے دو متضاد معنی پائے جانے کے قائل قرار پاتے جبکہ وہ دونوں معنی ایک دوسرے کے نقیض ہوتے۔ چونکہ اجتماع النقیضین یا اجتماع الضدین محال ہے اس لئے خاتمیت زمانی مولانا کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق آخری نبی ہونے کا مفہوم نہیں رکھتی

بلکہ آخری شارع اور آخری مستقل نبی ہونے کا مفہوم رکھتی ہے اور اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی پیدا ہوسکتا ہے اس سے خاتمیت مرتبی بھی قائم رہتی ہے اور خاتمیت زمانی بھی اور اجتماع النقیضین لازم نہیں آتا جو محال ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دَنٰی فَتَدَلّٰی کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کا نقطہ مرکزیہ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

1۔ بجز ایک نقطہ مرکز کے اور جس قدر نقاطِ وتر ہیں ان میں دوسرے انبیاء ورسل وارباب صدق وصفا بھی شریک ہیں اور نقطہ مرکز اس کمال کی صورت ہے جو صاحب وتر کو بہ نسبت جمیع دوسرے کمالات کے اعلیٰ وارفع واخص وممتاز طور پر حاصل ہے جس میں حقیقی طور پر مخلوق میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہاں اتباع وپیروی سے ظلّی طور پر شریک ہوسکتا ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ دراصل اسی نقطہ وسطی کا نام حقیقتِ محمدیہ ہے جو اجمالی طور پر جمیع حقائقِ عالَم کا منبع واصل ہے.........

غرض سرچشمہ رموزِ غیبی ومفتاح کنوزِ لاریبی اور انسان کامل دکھلانے کا آئینہ یہی نقطہ ہے اور تمام اسرار مبدء ومعاد کی علت غائی اور ہر یک زیر وبالا کی پیدائش کی لمّیت یہی ہے جس کے تصور بالکُنہ وتصور بکنہ سے تمام عقول وافہام بشریہ عاجز ہیں اور جس طرح ہر یک حیات خدائے تعالیٰ کی حیات سے مستفاض اور ہر یک وجود اس کے وجود سے ظہور پذیر اور ہر یک تعیّن اس کے تعیّن سے خلعت پوش ہے ایسا ہی نقطہ محمدیہ جمیع مراتب اکوان اور خطائرِ امکان میں باذنہٖ تعالیٰ حسبِ استعدادات مختلفہ وطبائعِ متفاوتہ مؤثر ہے۔ (سرمہ چشم آریہ روحانی خزائن جلد2 صفحہ 267 تا 271 حاشیہ)

اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیاء واولیاء بلکہ تمام کائنات کی علّتِ غائی ہیں۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

2۔ ''اللہ جلّ شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔'' (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 100 حاشیہ)

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

''اور وہ خاتم الانبیاء بنے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے بجز اس کی مُہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا ہے ..... سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا لہٰذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا اُمّتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپ کی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کرے ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پا سکتا ہے اور نہ کامل ملہم ہوسکتا ہے کیونکہ مستقل نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے مگر ظلّی نبوّت جس کے معنی ہیں کہ محض فیضِ محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو اور تا یہ نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت نے قیامت تک یہی چاہا ہے کہ مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیہ کے دروازے کھلے رہیں اور معرفتِ الٰہیہ جو مدارِ نجات ہے مفقود نہ ہو جائے۔'' (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 29،30)

بلحاظ سیاقِ آیت خاتم النبیین تحریر فرماتے ہیں:

3۔ خدا تعالیٰ نے جس جگہ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم خاتم الانبیاء ہیں اسی جگہ یہ اشارہ بھی فرما دیا ہے کہ آنجناب اپنی روحانیت کی رُو سے اُن صلحاء کے حق میں باپ کے حکم میں ہیں جن کی بذریعہ متابعت تکمیل نفوس کی جاتی ہے اور وحی الٰہی اور شرف مکالمات کا اُن کو بخشا جاتا ہے جیسا کہ وہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور خاتم الانبیاء ہے۔ اب ظاہر ہے کہ لٰکِنْ کا لفظ زبان عرب میں استدراک کے لئے آتا ہے یعنی تدراکِ مافات کے لئے۔ سو اس آیت کے پہلے حصے میں جو امر فوت شدہ قرار دیا گیا تھا یعنی جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نفی کی گئی تھی وہ جسمانی طور سے کسی مرد کا باپ ہونا تھا سو لٰکِنْ کے لفظ کے ساتھ ایسے فوت شدہ امر کا اس طرح تدارک کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوت منقطع ہو گئے اور اب کمالِ نبوت صرف اُسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتبّاعِ نبوی کی مُہر رکھتا ہوگا۔

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 213،214)

آیاتِ قرآنیہ خاتم النبیین کی تفسیر میں

قرآن مجید کی یہ شان ہے کہ وہ اپنی تفسیر آپ کرتا ہے لہٰذا جب آیت خاتم النبیین کی تفسیر آیاتِ قرآنیہ سے تلاش کی جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی

لغوی معنی میں بھی خاتم النبیین نظر آتے ہیں جنہیں مولانا محمد قاسم خاتمیت مرتبی قرار دیتے ہیں اور خاتمیت زمانی کے معنی بھی خاتمیت مرتبی کو لازم دکھائی دیتے ہیں۔

آیت قرآنیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدۃ:4) سے ظاہر ہے کہ اسلام ایک کامل شریعت ہے اور پھر شریعتِ قرآنیہ کے متعلق فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔(الحجر:10) کہ بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

پس قرآنی شریعت کامل بھی ہے اور تا قیامت محفوظ بھی لہٰذا کوئی نئی شریعت لانے والا نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آ سکتا۔آپ آخری شارع نبی ہیں اور یہ خاتمیتِ زمانی کے مفہوم کا پہلو ہے جو خاتم النبیین کے حقیقی معنی (نبیوں کیلئے مؤثر وجود) کو لازم ہے۔

خاتم النبیین کے حقیقی معنی از رُوئے قرآن کریم:

1: سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے دُعا سکھائی ہے:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ . صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔

ترجمہ: ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا نہ اُن کی راہ پر جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ گمراہوں کی راہ پر۔

استدلال:۔

اس آیت میں مَغضُوبِ عَلَیْھِمْ اور اَلضَّالِّیْن کے رستے سے بچنے کی دُعا سکھائی گئی ہے تا کہ ہم مغضوب اور ضالّ نہ بن جائیں اور انعام یافتہ لوگوں کے رستے پر چلنے کی دعا سکھائی گئی ہے تا کہ ہم بھی انعام یافتہ بن جائیں۔

انعام یافتہ خدا تعالیٰ کے نزدیک چار گروہ ہیں چنانچہ فرماتا ہے اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۔(النساء:70)
اس آیت میں نبیوں،صدیقوں،شہیدوں اور صالحین کے چار گروہوں کو انعام یافتہ قرار دیا گیا ہے۔پس اس دعا کے سکھانے میں ایک پیشگوئی مدنظر ہے کہ اُمّتِ محمدیہ میں چاروں گروہ کے افراد پیدا ہو سکتے ہیں نبی بھی، صدّیق بھی،شہید بھی اور صالح بھی۔

2. وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ۔ ذٰلِکَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیۡمًا ۔

(النساء : 70، 71)

ترجمہ: جولوگ اللہ اوراس رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں،صدیقوں،شہداء اور صالحین میں اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ بہت جاننے والا ہے۔

استدلال:

اس آیت میں آئندہ نبی،صدّیق،شہید اور صالح بننے کے لئے اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو شرط قرار دیا گیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت،صدّیقیت،شہادت اور صالحیت کی چاروں نعمتیں آپ کی اطاعت سے وابستہ ہیں اور نبی،صدّیق،شہید اور صالح بننے کے لئے آپ کی اطاعت شرط ہے گویہ چاروں مرتبے ملتے خدا کے فضل سے ہی ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا مستقل نبی نہیں آ سکتا جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت شرط نہ ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی رُو سے جہاں نبیوں کے آنے کے لئے مؤثر وجود قرار دیئے گئے ہیں وہاں آپ کی اطاعت کو شرط قرار دے کر مستقل اور شارع انبیاء کا انقطاع بھی بطور اشارۃ النص بیان کر دیا گیا ہے گویا اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتمیتِ مرتبی اور خاتمیتِ زمانی دونوں کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔ ہاں نبیوں کے لئے موثر وجود بطور عبارۃ النص اور آخری شارع اور آخری مستقل نبی ہونے کا ثبوت بطور اشارۃ النّص بیان کیا گیا ہے۔

لفظ مَعَ :

لفظ مَعَ عربی زبان میں فِیْ اور مِنْ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کا مفہوم اگلے گروہ میں شامل کرنا ہوتا ہے چنانچہ امام راغب الاصفہانی اپنی لغت مفردات القرآن میں فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اَیْ اِجْعَلْنَا فِیْ زُمْرَتِھِمْ اَیْ اِشَارَۃٌ اِلٰی قَوْلِہٖ اُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ۔ (مفردات زیر لفظ کَتَبَ)

ترجمہ: فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں شاہدین کے زمرہ میں داخل کر دے اور شاھدین کے لفظ میں خدا کے قول اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کی طرف اشارہ ہے۔

گویا چاروں قسم کے مراتب پانے کا امّت میں امکان ہے۔ نبی بھی، صدیق بھی، شہداء بھی اور صالحین بھی۔

قرآن مجید میں ذیل کی آیات میں لفظ مَعَ، مِنْ یا فِیْ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

1۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ (آل عمران:194)

ہمیں ابرار کے زمرہ میں داخل کر کے وفات دینا۔

2۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا. اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (النساء:146، 147)

ترجمہ : بے شک منافق جہنّم کی گہرائی کے سب سے نچلے حصّہ میں ہوں گے اور تو ہرگز کسی کو اُن کا مددگار نہیں پائے گا۔سوائے ان منافقوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور اللہ کے ذریعہ حفاظت چاہی اور اپنی عبادت کو اللہ کے لئے خالص کر دیا سو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں (یعنی مومنوں میں شامل ہیں)

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ بھی جملہ اسمیہ ہے پہلی آیت میں فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ بھی جملہ اسمیہ ہے جملہ اسمیہ استمرار پر دلالت کرتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح توبہ کرنے والے اسی دنیا میں مومنوں میں شامل ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے اسی دنیا میں ان چاروں گروہوں میں سے کسی نہ کسی گروہ میں شامل ہوں گے۔پس اس جگہ نہ معیتِ مکانی مراد ہو سکتی ہے نہ معیتِ زمانی کیونکہ یہ اطاعت کرنے والے اس دنیا میں نہ پہلے گزرے ہوئے نبیوں، صدّیقوں شہیدوں اور صالحین کا زمانہ پا سکتے ہیں اور نہ اس دنیا میں اُن کے ساتھ ایک جگہ اکٹھے ہو سکتے ہیں پس معیّتِ زمانی و مکانی تو اس جگہ محال ہے اور یہ بات قرینہ ہے کہ اس جگہ معیّت فی الدرجہ مراد

ہے یعنی وہی درجہ پانا مراد ہے۔

تفسیر بحر المحیط میں زیرآیت ھٰذا علامہ ابوحیّان لکھتے ہیں:۔

وَالظَّاهِرُ اَنَّ قَوْلَهُ مِنَ النَّبِيِّيْنَ تَفْسِيْرٌ لِلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَكَاَنَّهُ قِيْلَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ مِنْكُمْ اَلْحَقَهُ اللّٰهُ بِالَّذِيْنَ قَدَّمَهُمْ مِمَّنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ.

(البحر المحیط. تفسیر سورۃ النساء:69)

یہاں تک قول علامہ ابوحیان کا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول مِنَ النَّبِيِّنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کی تفسیر ہے گویا یہ کہا گیا ہے کہ جو تم میں سے اللہ اور رسول کی اطاعت کرے اللہ تعالیٰ نے اُسے اُن لوگوں سے ملا دیا ہے جو انعام یافتہ لوگوں میں سے ان سے پہلے بھیجے۔

اس سے آگے امام راغب اصفہانی کا قول لکھتے ہیں:

قَالَ الرَّاغِبُ مِمَّنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِرَقِ الْاَرْبَعِ فِي الْمَنْزِلَةِ وَالثَّوَابِ اَلنَّبِيَّ بِالنَّبِيِّ وَالصِّدِّيْقَ بِالصِّدِّيْقِ وَالشَّهِيْدَ بِالشَّهِيْدِ وَالصَّالِحَ بِالصَّالِحِ.

(البحر المحیط. تفسیر سورۃ النساء:69)

ترجمہ : راغب نے کہا ہے یعنی ان چار گروہوں میں درجہ اور ثواب میں شامل کر دے گا جن پر اس نے انعام کیا ہے اس طرح کہ اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے نبی بننے والے کو نبی کے ساتھ شامل کر دے گا اور اطاعت کر کے صدیق بننے والے کو صدیق کے ساتھ شامل کر دے گا اور اسی طرح شہید کو شہید کے ساتھ ملا دے گا اور صالح کو صالح کے ساتھ ملا دے گا۔

پس اگر اس آیت کا یہ مفہوم قرار دیا جائے کہ یہ اطاعت کرنے والے نبی نہیں بن سکتے تو چونکہ اَلنَّبِیّٖن اور اَلصِّدِّیْقِیْن اور اَلشُّھَدَآءِ اور اَلصَّالِحِیْنَ ایک دوسرے کے ساتھ واؤ عاطفہ سے وابستہ ہیں۔ اس لئے معیت کا مفہوم چاروں کے لئے ایک ہی لینا پڑے گا۔ لہٰذا آیت کا مفہوم یہ بن جائے گا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے نبی نہیں بن سکتے بلکہ صرف بظاہر نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ صدیق نہیں بن سکتے بلکہ بظاہر صدیقوں کے ساتھ ہوں گے۔ شہداء کا مرتبہ نہیں پا سکتے بظاہر شہیدوں کے ساتھ ہوں گے اور صالحین کا مرتبہ نہیں پا سکتے صرف بظاہر صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

ایسے معنی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بزرگ کے منافی ہیں۔ کیونکہ اِس طرح آیت کے یہ معنی بن جاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے کوئی آدمی نیک بھی نہیں بن سکتا صدیق، شہید تو کجا۔

اس آیت کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت کے چاروں درجے مل سکتے ہیں۔ نبوت کی نعمت قومی ہے اور صدیقیت، شہادت اور صالحیت شخصی افضال ہیں۔ نبوت کی نعمت قومی اس لئے ہے کہ نبی دنیا میں ضرورت پر آتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اس دنیا میں مقامِ نبوت نہ مل سکتا ہوتا بلکہ صرف صدیقیت، شہادت اور صالحیت کا مقام ہی حاصل ہوسکتا تو پھر خدا یوں فرماتا۔ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔

3۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ

فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔

(الاعراف : 36)

ترجمہ: اے بنی آدم ! جب آئندہ تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور بیان کریں تم پر میری آیتیں تو جولوگ تقویٰ اختیار کریں اور اپنی اصلاح کرلیں نہ انہیں آئندہ کے متعلق کوئی خوف ہوگا نہ وہ ماضی کے متعلق غمگین ہوں گے۔

استدلال:

لفظ یَاْتِیَنَّ پر نون تاکید رسولوں کے بھیجا جانے کو زمانہ مستقبل سے وابستہ کررہا ہے اِمَّا حرفِ شرط تاکید کا فائدہ دے رہا ہے یہ خطاب آئندہ زمانہ کے بنی آدم کو ہے پہلی ساری آیات مستقبل کیلئے قرینہ ہیں چنانچہ ایک آیت میں ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۔ (الاعراف : 32)

ترجمہ : اے بنی آدم! ہر عبادت کے وقت زینت اختیار کرو (لباس پہن کر عبادت کرو) اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

واضح ہو کہ عرب کے لوگ ننگے بدن طوافِ کعبہ کرتے تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ تفسیر اتقان میں لکھا ہے۔ **ھٰذَا خِطَابٌ لِاَھْلِ ذٰلِکَ الزَّمَانِ وَلِکُلِّ مَنْ بَعْدَ ھُمْ** کہ یہ خطاب اس زمانہ کے لوگوں کیلئے ہے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ اس جگہ رسل کا لفظ عام مخصوص بالبعض ہے کیونکہ آیت وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ (النساء : 70) آئندہ رسول

کے لئے امتی ہونا شرط قرار دیتی ہے پس لفظ **رُسُل** اِس آیت میں اُمّتی نبی کیلئے مخصوص ہوگا۔

4۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۔ (الحج :76)

ترجمہ : اللہ چُنتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور لوگوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سُننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔

استدلال:

اس آیت میں فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول بھیجے جانے کے متعلق خدائی قانون بیان ہوا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (خدائی سنّت میں تم ہرگز تبدیلی نہیں پاؤ گے۔)

یَصْطَفِیْ مضارع کا صیغہ ہے جو اس جگہ قانون بیان کرنے کی وجہ سے استمرارِ تجدّدی کا فائدہ دیتا ہے۔ مضارع کے معنی حال کے بھی ہوتے ہیں اور مستقبل کے بھی۔

5۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ ۔ (اٰل عمران:82)

ترجمہ : یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عَہد لیا البتہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پس اگر کوئی رسول تمہاری تعلیمات کا مصدّق تمہارے پاس آئے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ خدا نے پوچھا کیا تم

اقرار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

استدلال:۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر نبی سے قوم کی نمائندگی میں بعد میں آنے والے نبی کے متعلق ایمان لانے اور نصرت کرنے کے لئے عہد لیا گیا یا یہ عہد ہر نبی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لیا گیا۔قرآن مجید میں ہے کہ اسی قسم کا عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی لیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ـ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ـ

(الاحزاب : 9،8)

ترجمہ: یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے ان کا پختہ عہد لیا اور تجھ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام سے بھی اور ہم نے ان سب سے مضبوط عہد لیا تا کہ خدا تعالیٰ صادقوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے اور اس نے کافروں کیلئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی نبیوں والا عہد لیا گیا ہے تا مسلمان آئندہ آنے والے رسول پر ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں۔

تفسیر حسینی میں ہے:۔

وَاِذْ اَخَذْنَا یاد کرا سے کہ۔لیا ہم نے مِنَ النَّبِيّٖنَ پیغمبروں سے مِيْثَاقَهُمْ عہد اُن کا اس بات پر کہ خدا کی عبادت کریں اور خدا کی عبادت کی

طرف بلائیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں...... یا ہر ایک کو بشارت دیں اس پیغمبر کی کہ اُن کے بعد ہوں گے۔ اور یہ عہد پیغمبروں سے روزِ الست میں لیا تھا۔ وَمِنکَ اور لیا ہم نے تم سے بھی عہد اے محمدؐ۔

(تفسیر حسینی اُردو جلد 2 صفحہ زیر تفسیر سورۃ الاحزاب:8)

6۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل :16)

ترجمہ :۔خدا فرماتا ہے، ہم اُس وقت تک عذاب بھیجنے والے نہیں جب تک ہم رسول مبعوث نہ کریں۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا.

(بنی اسرائیل : 59)

ترجمہ: قیامت سے پہلے ہم ہر بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت عذاب دینے والے ہیں۔ یہ امر کتاب (تقدیر الٰہی) میں مقرر ہے۔

استدلال:۔

پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ عذاب سے پہلے اتمامِ حجت کے لئے رسول کا آنا ضروری ہے اور دوسری آیت بتاتی ہے کہ قیامت سے پہلے عالمگیر عذاب آئے گا پس اس موقع پر ایک رسول کا آنا ضروری ثابت ہوا تا حجت پوری ہو اور نافرمان لوگ یہ نہ کہہ سکیں رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۔(طٰہٰ:135) یعنی اے ہمارے ربّ! تُو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رُسوا ہوں۔

7۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّھُمۡ
فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ ۪ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ
دِیۡنَھُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَھُمۡ ۔ (النور:56)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جولوگ تم میں سے ایمان لاکر نیک عمل کریں گے وہ ضروان لوگوں کوخلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کوخلیفہ بنایا جواُن سے پہلے گزر چکے اورضروران کیلئے ان کا دین (خلافت کے ذریعہ) مضبوط کرے گا۔

استدلال:۔

کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس اُمّت کے خلفاء پہلی اُمّتوں میں گزرے ہوئے خلفاء کے مثیل اوران کے مشابہ ہوں گے۔ چونکہ پہلے گزرے ہوئے خلیفے دوقسم کے ہوئے ہیں بعض نبی اوربعض غیر نبی لہٰذا اس خلافتِ موعودہ منصوصہ میں بھی دونوں قسم کے خلفاء ہونے ضروری ہیں۔ غیر نبی خلفاءتو خلفائے راشدین اورمجدّ دینِ اُمّت ہیں۔مگرعیسیٰ موعودکوحدیث میں نبی اور رسول بھی قراردیا گیا ہے۔اور اَلَا اِنَّہٗ خَلِیۡفَتِیۡ فِیۡ اُمَّتِیۡ کہہ کراُمت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بھی قراردیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہوالمعجم الاوسط للطبرانی جز نمبر5من اسمہ عیسیٰ حدیث نمبر4898)

اُمّت میں

اِمکانِ نبوّت

ازروئے حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

1۔ اَبُوْبَکْرٍ اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ.

(کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق صفحہ 4)

ترجمہ: ابوبکر اس اُمّت میں سب سے افضل ہیں بجز اس کے کہ کوئی نبی اُمّت میں پیدا ہو۔

2۔ اَبُوْبَکْرٍ خَیْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ .

(الجامع الصغیر للسیوطی علیہ الرحمۃ جلد 1 حرف الھمزہ صفحہ 11۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: ابوبکرؓ (آئندہ کے لئے) سب لوگوں سے بہتر ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو۔

استدلال:۔

یَکُوْنُ کا مصدر کَوْنٌ ہے جس کے معنی ہیں نیست سے ہست ہونا یا عدم سے وجود میں آنا حسبِ آیت۔

اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ. (یٰسٓ:83)

ترجمہ: خدا کا حکم تو ایسا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے کہتا ہے کُنْ (ہوجا) تو وہ نیست سے ہست ہو جاتی ہے۔

استدلال:۔

اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ کا استثناء اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اُمت میں نبی پیدا ہونے کا امکان تھا اگر امکان نہ ہوتا تو استثناء کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں کَانَ تامّہ ہے نہ کہ ناقصہ۔ اسی لئے نَبِیٌّ کا لفظ استعمال ہوا ہے نہ کہ نَبِیًّا ۔ کَانَ تامّہ ہونا آئندہ نبی کے امکان پر روشن دلیل ہے۔

3۔ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خواہش کی انہیں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کا نبی بنا دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے خدا کے حضور عرض کی۔

اِجْعَلْنِیْ نَبِیَّ تِلْکَ الْاُمَّۃِ. ”مجھے اس امت کا نبی بنا دیجئے“

خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:۔

نَبِیُّھَا مِنْھَا

کہ اس اُمّت کا نبی اس اُمّت میں سے ہی ہوگا۔

پس اُمّتِ محمدیہ میں نہ موسیٰ علیہ السلام بطور امتی نبی کے آسکتے ہیں نہ عیسیٰ علیہ السلام بلکہ صرف امّت میں سے ہی نبی ہونے کا امکان بیان کیا گیا ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے کفایۃ اللبیب فی خصائص الجیب المعروف بالخصائص الکبری. مرتبہ امام جلال الدین السیوطی بروایت حضرت انس بن مالکؓ نیز المواھب اللدنیہ للقسطلانی صفحہ 425)

اس حدیث کو مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی نشر الطیب کے صفحہ 262 پر درج کیا ہے اور ترجمان السنّۃ میں مولوی بدر عالم میرٹھی نے اسے درج کر کے اس کی توثیق کی ہے کتاب الرحمۃ المھداۃ میں بھی یہ حدیث آئی ہے۔(صفحہ 338)

4۔ حدیث نبوی میں اپنے بیٹے صاحبزادہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں فرمایا:

لَوْعَاشَ (اِبْرَاھِیْمُ) لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا.

(ابن ماجه کتاب الجنائز باب ماجآء فی الصلاۃ علی ابن رسول الله ......)

ترجمہ: اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور سچا نبی ہوتا۔

یہ فقرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جبکہ اس سے پانچ سال پہلے آیت **خاتم النبیّین** نازل ہوچکی تھی اس فقرہ سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آیتِ **خاتم النبیّین** صاحبزادہ ابراہیم کے بالفعل نبی بننے میں روک نہ تھی۔ بلکہ صاحبزادہ موصوف کی وفات ان کے بالفعل نبی بننے میں روک ہوئی۔ اگر آیت **خاتم النبیّین** اُن کے نبی بننے میں روک ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فقرہ کی بجائے یہ فرماتے:

لَوْعَاشَ اِبْرَاھِیْمُ لَمَا کَانَ نَبِیًّا لِاَنِّیْ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ.

یعنی اگر ابراہیم زندہ بھی ہوتا تو بھی نبی نہ ہوتا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فقرہ **لَوْعَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا** ۔ظاہر کرتا ہے کہ آیت خاتم النبیین ان کے نبی بننے میں روک نہ تھی۔ دیکھئے اگر بالفرض یونیورسٹی ایم۔اے کا امتحان بند کردے اور ایک شخص کا لائق لڑکا بی۔اے تک پہنچ جائے اور وفات پا جائے تو اس وقت اس کا باپ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا تو وہ ایم۔اے ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ فقرہ جھوٹ بن جاتا کیونکہ اگر وہ زندہ بھی رہتا تو ایم۔اے نہ ہوسکتا۔ پس مخبرِ صادق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقرہ بھی اسی وجہ سے صحیح قرار پاتا ہے کہ خاتم النبیین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے نزدیک نبی کا آنا ممکن تھا اور آیت خاتم النبیین آپ کے ماتحت نبی کے آنے میں روک نہ تھی۔

حدیث کی صحت وقوت

بعض لوگوں نے اِس حدیث کوضعیف قرار دے کر ردّ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور بعض نے اس کے یہ معنی لے کر کہ گویا صاحبزادہ ابراہیم اسی لئے فوت ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا تھا۔ ان معنی میں اسے قبول کیا ہے۔ حضرت امام علی القاریؒ ان لوگوں کے خیالات کو ردّ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

لَوْعَاشَ وَصَارَ نَبِیًّا وَ کَذَالَوْصَارَعُمَرُ نَبِیًّا لَکَانَا مِنْ اَتْبَاعِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ.

ترجمہ: اگر صاحبزادہ ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے اور اسی طرح اگر حضرت عمرؓ نبی ہو جاتے تو وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے ہوتے۔

یہ لکھ کر آگے اس اعتراض کا جواب کہ کیا ان کا نبی ہو جانا خاتم النبیین کے خلاف نہ ہوتا یوں دیتے ہیں۔

فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلُہٗ تَعَالٰی خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اِذَاالْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَأْتِیْ نَبِیٌّ بَعْدَہٗ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِّنْ اُمَّتِہٖ .

(موضوعات کبیر صفحہ 58، 59 مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی)

ترجمہ: صاحبزادہ ابراہیم کا نبی ہو جانا آیتِ خاتم النبیین کے خلاف اس لئے نہ ہوتا کیونکہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی اُمت میں سے نہ ہو۔

(گویا امّتِ محمدیہ میں نبی ہونے میں آیت خاتم النبیین مانع نہیں ۔ دوسری اُمّتوں میں نبی ہونے میں مانع ہے یا شارع نبی کے آنے میں مانع ہے۔)

ضعفِ روایت کی تردید

ضعفِ روایت کی تردید میں لکھتے ہیں۔

لَهٗ طُرُقٌ ثَلَاثَةٌ يُقَوِّی بَعْضُهَا بِبَعْضٍ.

(موضوعات کبیر صفحہ 58مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی)

کہ یہ حدیث تین طریقوں سے مروی ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو قوت دے رہے ہیں۔

نیز اُوپر کے معنی کو مدّنظر رکھتے ہوئے جن سے امکان نبوّت ثابت ہے۔تحریر فرماتے ہیں۔

يُقَوِّیْ حَدِيْثُ لَوْكَانَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام حَيًّا لَّمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ. (موضوعات کبیر صفحہ 59مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی)

یعنی ان معنی کو قوت وہ حدیث بھی دے رہی ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتا تو اُسے میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

بعض نے راوی ابن ابی شیبہ کو ضعیف قرار دے کر اس حدیث کو ردّ کرنے کی کوشش کی، لیکن تہذیب التہذیب اور اکمال الاکمال میں اس راوی کے متعلق لکھا ہے:

قَالَ يَزِيْدُ ابْنُ هَارُوْنَ مَاقَضٰى رَجُلٌ اَعْدَلَ فِی الْقَضَاءِ مِنْهُ

وَقَالَ ابْنُ عَدِیٍّ لَهٗ اَحَادِیْثُ صَالِحَةٌ وَهُوَ خَیْرٌ مِنْ اَبِیْ حَیَّةَ.

(تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ35)

ترجمہ : ”ابن ہارون نے کہا ہے کہ راوی ابن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان عیسیٰ سے بڑھ کر کسی نے قضاء میں عدل نہیں کیا اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث اچھی ہیں اور وہ ابی حیّہ سے بہتر راوی ہے۔

ابی حیّہ کے متعلق لکھا ہے:

”وَثَقَهٗ دَارُ قُطْنِیُ وَقَالَ النَّسَائِیُّ ثِقَةٌ.“

(تہذیب التہذیب جلد 1صفحہ13)

ترجمہ : دارقطنی نے ابی حیّہ کو ثقہ راوی قرار دیا ہے اور نسائی بھی اسے ثقہ کہتے ہیں۔

بیضاوی کے حاشیہ الشہاب علی البیضاوی میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:۔

اَمَّا صِحَّةُ الْحَدِیْثِ فَلَا شُبْهَةَ فِیْهَا.

ترجمہ: لیکن اس حدیث کی صحت میں شبہ نہیں۔

نوویؒ نے اس حدیث کو باطل قرار دیا تھا لیکن علامّہ شوکانی نووی کے خیال کو یہ کہہ کر ردّ کرتے ہیں:

هُوَ عَجِیْبٌ مِّنَ النَّوَوِیْ مَعَ وُرُوْدِهٖ عَنْ ثَلَاثَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَکَاَنَّهٗ لَمْ یَظْهَرْ لَهٗ تَاْوِیْلُهٗ. (الفوائد المجموعہ صفحہ 141)

ترجمہ : نووی کا اس حدیث کو باطل قرار دینا حیران کُن بات ہے باوجودیکہ یہ حدیث تین صحابہ سے وارد ہوئی ہے (گویا تین صحابہؓ کے طریق سے ثابت ہے) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نووی پر اس کی تاویل نہیں کھلی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث تعلیق بالمحال کے طور پر ہے اور حرفِ لَوْ سے یہ مسئلہ فرضی طور پر بیان کیا گیا ہے۔

الجواب

یہ تو ٹھیک ہے کہ مسئلہ فرضی طور پر بیان ہوا ہے لیکن امرِ محال کو فرض نہیں کیا گیا بلکہ امرِ ممکن کو فرض کیا گیا ہے اور صاحبزادہ ابراہیم کا نبی ہونا زندگی کی شرط نہ پایا جانے کی وجہ سے محال قرار دیا گیا ہے ورنہ اپنی ذات میں اُمّتی نبی کا ہونا آیتِ خاتم النبیین کے منافی نہیں جیسا کہ امام علی القاریؒ نے بیان کیا ہے۔ بے شک آیت لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:23) میں آلِهَةٌ کا ہونا محال ہے اور آیت میں تعلیق بالمحال کی صورت ہے۔اسی طرح لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام:89) میں انبیاء سے شرک سرزد نہ ہونے کی وجہ سے تعلیق بالمحال نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول آیت قرآنیہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ (البقرة:104) کی طرح ہے یعنی اگر یہود ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ان کے لئے بہتر ثواب ہوتا۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ وہ ایمان نہیں لائے اس لئے ثواب سے محروم ہیں۔ ورنہ ان کے ایمان نہ لانے سے دوسرے ایمان لانے والے ثواب سے محروم نہیں پس اپنی ذات میں ثواب پانے کا امکان ہے لیکن اس آیت میں یہودیوں کیلئے جو ایمان نہ لائیں بہتر ثواب پانا محال قرار دیا گیا ہے اسی طرح حدیث ھٰذا کی رو سے اپنی ذات میں آنحضرت ﷺ کے بعد امتی نبی کا ہونا آیتِ خاتم النبیین کے منافی نہیں بلکہ ممکن ہے اور صاحبزادہ ابراہیم کی زندگی کے محال ہونے پر ان کیلئے بالفعل نبی ہونا محال قرار دیا گیا ہے نہ اپنی ذات میں۔

5۔ احادیث نبویہ سے ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ نے درود بھیجنے کا طریق یہ بتایا ہے:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ -اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ-

ترجمہ : اے اللہ ! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تُو نے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل پر رحمت بھیجی۔ بیشک تُو تعریف کیا گیا اور بزرگ شان والا ہے اور اے اللہ تو محمد رسول اللہ اور آپ کی آل کو برکت دے جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور اُن کی آل کو برکت دی۔ بے شک تُو تعریف کیا گیا اور بزرگ شان والا ہے۔

استدلال:۔

چونکہ آلِ ابراہیمؑ کو ولایت ،امامت اور نبوّت کی برکات سے حصّہ ملتا رہا اس لئے ضروری ہے کہ درود شریف کی دُعا کی برکت سے آلِ محمد کو بھی ولایت، امامت اور نبوت سے حصّہ ملتا رہے۔

آل سے مراد متبعین بھی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ لکھتے ہیں۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اٰلَ الرَّجُلِ فِیْ لُغَةِ الْعَرَبِ ھُمْ خَاصَّتُهُ الْاَقْرَبُوْنَ اِلَیْهِ وَخَاصَّةُ الْاَنْبِیَآءِ وَاٰلُھُمْ ھُمُ الصَّالِحُوْنَ الْعُلَمَآءُ بِاللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ.

(فتوحات مکّیہ جلد اوّل صفحہ 545 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: جان لو کہ عربی زبان میں ایک آدمی کی آل سے مراد اُس کے خاص اقارب ہوتے ہیں اور انبیاء کے خواص اور اُن کی آل مومنوں میں سے علماء صالحین ہوتے ہیں۔

درود شریف کی تشریح میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں:۔

فَکَانَ مِنْ کَمَالِ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَنْ اَلْحَقَ اٰلَہٗ بِالْاَنْبِیَآءِ فِی الرُّتْبَۃِ وَزَادَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ بِاَنَّ شَرْعَہٗ لَایُنْسَخُ.

ترجمہ : یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ آپ نے دُرود شریف کی دعا کے ذریعہ اپنی آل کو رُتبہ میں انبیاء سے ملا دیا اور حضرت ابراہیمؑ سے بڑھ کر آپ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کی شریعت منسوخ نہ ہوگی۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

قَطَعْنَااَنَّ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ مَنْ لَحِقَتْ دَرَجَتُہٗ دَرجَۃَ الْاَنْبِیَآءِ فِی النُّبُوَّۃِ عِنْدَ اللّٰہِ لَا فِی التَّشْرِیْعِ .

(فتوحات مکیہ جلد اوّل صفحہ569، 570 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ : ہم نے دُرود شریف سے قطعی طور پر جان لیا ہے کہ اس اُمّت میں وہ شخص بھی ہیں جن کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبوّت میں انبیاء سے مل گیا ہے نہ کہ شریعت لانے میں۔

6۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

وَاشَوْقَاہُ اِلٰی اِخْوَانِیَ الَّذِیْنَ یَأْتُوْنَ بَعْدِیْ.

(الانسان الکامل جلد2 صفحہ85 مطبوعہ مصر)

اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ آنے والی اُمّت کو جس نے آپ کو نہیں دیکھا۔ بھائی قرار دیتے ہوئے اُن کے متعلق

اشتیاق کا اظہار فرمایا ہے سیّد عبدالکریم جیلانی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

فَھٰؤُلَآءِ اَنْبِیَآءُ الْاَوْلِیَآءِ یُرِیْدُ بِذٰلِکَ نُبُوَّۃَ الْقُرْبِ وَالْاِعْلَامِ وَالْحِکَمِ الْاِلٰھِیُ لَا نُبُوَّۃَ التَّشْرِیْعِ لِاَنَّ نُبُوَّۃَ التَّشْرِیْعِ انْقَطَعَتْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

(الانسان الکامل جلد 2صفحہ85 مطبوعہ مصر)

ترجمہ: یہ اخوان انبیاء الاولیاء ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نُبُوَّۃَ الْقُرْبِ وَالْاِعْلَامِ وَالْحِکَمِ الْاِلٰھِیِّ مراد لیتے ہیں (یعنی وہ نبوت جو قرب الٰہی کا درجہ ہے اور جس میں اخبارِ غیبیہ اور الٰہی حکمتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ناقل) نہ کہ تشریعی نبوت کیونکہ تشریعی نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگئی ہے۔

7۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ.

(مشکوٰۃ۔ کتاب المناقب باب مناقب قریش و ذکر القبائل)

ترجمہ : ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں جنت کے ادھیڑ عمر والے آدمیوں میں سے سب پہلوں اور پچھلوں کے سردار ہیں سوائے نبیوں اور رسولوں کے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جیسے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے پہلے لوگوں میں انبیاء اور مرسلین آئے جن سے انہیں افضل قرار نہیں دیا گیا اسی طرح ان سے پچھلوں میں بھی کسی نبی اور مرسل کا آنا مقدر تھا۔تب ہی انہیں اُن سے پیچھے آنے والے نبیوں اور مرسلین سے افضل قرار نہیں دیا گیا۔

مسیح موعود کا نبی اللہ اور امتّی ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بروایت حضرت ابوبکرؓ سے ثابت ہے چنانچہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلَااِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ وَلَا رَسُوْلٌ وَاَلَااِنَّہٗ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ.

(المعجم الاوسط للطبرانی جزء 5من اسمہ عیسیٰ حدیث نمبر4898)

ترجمہ: سُن لو! میرے اور مسیح موعود کے درمیان کوئی نبی نہیں اور سُن لو کہ وہ میری اُمّت میں میرا خلیفہ ہے۔

انقطاعِ نبوّت والی احادیث کامفہوم

ازرُوئے اقوالِ بزرگان

تمام آیاتِ قرآنیہ جو مذکورہ ہوئیں اوراحادیث نبویہ جواُمّت میں اُمتی نبی کے امکان پر روشن دلیل ہیں۔ ان کے علاوہ جن حدیثوں میں نبوت کے منقطع ہونے یالا نَبِیَّ بَعْدِیْ کےالفاظ وارد ہیں۔ وہ صرف یہ محدود مفہوم رکھتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریعی اور مستقل نبی نہیں آسکتا نہ یہ کہ کوئی امتی نبی بھی نہیں آسکتا بلکہ اپنے بعد مسیح موعود کے امتی نبی اللہ ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خودخبر دی ہےاورکسی حدیث میں نہیں فرمایا کہ امتی نبی بھی نہیں آسکتا۔ بلکہ جیسا کہ مذکورہ ہواحضرت اَنسؓ والی روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمادیانَبِیُّھَا مِنْھَا کہ اس کا نبی امت میں سے ہوگا۔

واضح ہو لا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا یہ مفہوم لینا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدانہیں ہوگا یا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ محققین علماء کےنزدیک درست نہیں بلکہ محققین کےنزدیک حدیث لا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے یہ معنی لئے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعدکوئی شارع نبی نہیں آئے گا چنانچہ امام علی القاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَرَدَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ مَعْنَاہُ عِنْدَ الْعُلَمَآءِ لَا یَحْدُثُ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ بِشَرْعٍ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ .

(الا شاعة فی اشراط الساعة صفحه 149. دار الکتب العلمیة بیروت)

ترجمہ : حدیث میں لا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے جوالفاظ آئے ہیں اس کے

معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ کوئی نبی ایسی شریعت کو لے کر پیدا نہیں ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرتی ہو۔

نواب نور الحسن خان ابن نواب صدیق حسن لکھتے ہیں:۔

حدیث **لَا وَحْیَ بَعْدَ مَوْتِی** بے اصل ہے البتہ **لا نَبِیَّ بَعْدِیْ** آیا ہے اس کے معنی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لاوے گا۔ (اقتراب الساعۃ صفحہ 162)

حضرت اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

قُوْلُوْا خَاتَمَ النَبِیّیْنَ وَ لَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ .

(درمنثور تفسیر سورۃ الاحزاب:42)

اور دوسری جگہ یوں مروی ہے:

قُوْلُوْا اِنَّہ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

(تکملہ مجمع البحار جلد 4 صفحہ 85 مطبوعہ مطبع نول کشور آگرہ)

ترجمہ : اے لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یا بروایت دیگر خاتم الانبیاء تو کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت اُمّ المومنینؓ نے **لا نَبِیَّ بَعْدَہٗ** کہنے سے اس لئے منع فرمایا کہ تا اُمّت غلط معنوں پر قائم نہ ہو جائے کیونکہ ان الفاظ کا محلِ وقوع مختلف حدیثوں میں یہ ظاہر کرنے کے لئے نہیں آیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلق کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

نوٹ: تفسیر درمنثور سے ظاہر ہے کہ اس روایت کی تخریج ابن ابی شیبہ محدث نے حضرت اُمّ المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے کی ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں امام محمد طاہر علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے:

ھٰذَا نَاظِرٌ اِلٰی نُزُوْلِ عِیْسٰی وَھٰذَا اَیْضًا لَایُنَافِیْ حَدِیْثَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ لِاَنَّہٗ اَرَادَلَا نَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ.

(تکملہ مجمع البحار صفحہ 85 مطبوعہ مطبع نول کشور آگرہ)

ترجمہ : حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول عیسیٰ کے نزول کے پیشِ نظر ہے اور یہ قول حدیث **لا نَبِیَّ بَعْدِیْ** کے بھی خلاف نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد **لا نَبِیَّ بَعْدِیْ** سے یہ تھی کہ کوئی نبی آپ کی شریعت کو نسخ کرنے والا نہیں آئے گا۔

نوٹ: حضرت اُمّ المومنینؓ کا یہ قول اگر بالفرض نزول عیسیٰ کو پیشِ نظر رکھنے کی وجہ سے بھی ہو تو یاد رہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کی قائل تھیں جیسا کہ مستدرک میں ان سے روایت ہے:۔

اِنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَۃَ سَنَۃً.

(دیکھو حجج الکرامہ صفحہ 428)

کہ عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے۔

پس وہ عیسیٰ کے بروزی نزول کی قائل ہی سمجھی جاسکتی ہیں نہ اصالتاً نزول کی کیونکہ وہ قرآن مجید خوب جانتی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ (الزمر:43) کہ جس نفس پر موت وارد ہو جائے اسے خدا دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتا۔

الشیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ حدیث **لا نَبِیَّ بَعْدِیْ** کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فَمَا ارْتَفَعَتِ النُّبُوَّۃُ بِالْکُلِیَّۃِ وَلِھٰذَا قُلْنَا اِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نُبُوَّۃُ

التَّشْرِيْحِ فَهٰذَا مَعْنٰى لَا نَبِيَّ بَعْدَه.

(فتوحات مکیه جلد 2صفحه 58مطبوعه دار صادر بیروت)

ترجمہ: نبوت کلی طور پر بندنہیں ہوئی اس لئے ہم نے کہا صرف تشریعی نبوت بند ہوئی ہے پس لا نَبِيَّ بَعْدِیْ کے یہی معنی ہے۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

اِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِي انْقَطَعَتْ بِوَجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا هِيَ نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ لَا مُقَامُهَا فَلَا شَرْعَ يَكُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَزِيْدُ فِيْ حُكْمِهٖ شَرْعًا اٰخَرَوَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِانْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ اَيْ لَا نَبِيَّ يَكُوْنُ عَلٰى شَرْعٍ يُّخَالِفُ شَرْعِيْ بَلْ اِذَا كَانَ يَكُوْنُ تَحْتَ حُكْمِ شَرِيْعَتِيْ.

(فتوحاتِ مکّیه جلد 2صفحه3 مطبوعه دار صادر بیروت)

ترجمہ: وہ نبوت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے منقطع ہوئی ہے وہ صرف تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت ۔ پس اب کوئی شرع نہ ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع کی ناسخ ہو اور نہ آپ کی شرع میں کوئی نیا حکم بڑھانے والی شرع ہوگی اور یہی معنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ہیں کہ رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ نبی۔ یعنی مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے یہ ہے کہ اب ایسا نبی کوئی نہیں ہوگا جو میری شریعت کے مخالف شریعت پر ہو۔ بلکہ جب کبھی کوئی نبی ہوگا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہوگا۔

اس ماتحت نبوت کو شیخ اکبر علیہ الرحمۃ مخلوق میں قیامت تک کیلئے جاری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَالنُّبُوَّۃُ سَارِیَۃٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ فِی الْخَلْقِ وَاِنْ کَانَ التَّشْرِیْعُ قَدِ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِیْعُ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّۃِ.

(فتوحاتِ مکّیہ جلد 2صفحہ73)

ترجمہ : نبوت مخلوق میں قیامت تک جاری ہے اگر چہ شریعت کا لانا منقطع ہو گیا۔ پس شریعت کا لانا نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

امام شعرانی لکھتے ہیں:۔

اِعْلَمْ. اَنَّ مُطْلَقَ النُّبُوَّۃِ لَمْ یَرْتَفِعْ وَ اِنَّمَا ارْتَفَعَ نُبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ.

(الیواقیت و الجواھر جلد2صفحہ24مطبوعہ مطبع منشی نول کشور آگرہ)

ترجمہ : یاد رکھو کہ مطلق نبوت نہیں اُٹھی ،صرف شریعت والی نبوت اُٹھ گئی ہے۔

پھر وہ لکھتے ہیں:۔

فَلَا تَخْلُوا الْاَرْضُ مِنْ رَّسُوْلٍ حَیٍّ بِجِسْمِہٖ اِذْ ھُوَ قُطْبُ الْعَالَمِ الْاِنْسَانِیِّ وَلَوْ کَانُوْا فِی الْعَدَدِ اَلْفَ رَسُوْلٍ فَاِنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ ھٰٓؤُلَاءِ ھُوَ الْوَاحِدُ.

(الیواقیت والجواھرا مبحث نمبر 45 جلد 2 صفحہ 80، 81 مطبوعہ مطبع منشی نول کشور آگرہ)

ترجمہ : زمین کبھی مجسم زندہ رسول سے خالی نہ رہے گی خواہ ایسے رسول شمار میں ہزار ہوں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانی کے قطب ہیں اور ان رسولوں سے مقصود خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی واحد شخصیت

ہے(یعنی ان رسولوں کی آمد ظلّی طور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی آمد ہے)۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

فَمَا زَالَ الْمُرْسَلُوْنَ وَلَا یَزَالُوْنَ فِیْ ھٰذِہِ الدَّارِ لٰکِنْ مِنْ بَاطِنِیَّۃِ شَرْعِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ. (الیواقیت والجواھر جلد 2مبحث نمبر45صفحہ 81)

ترجمہ: پہلے بھی مرسلین دنیا میں رہے اور آئندہ بھی اس دنیا میں رہیں گے لیکن یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی باطنیت سے ہوں گے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی سے مرسل بنیں گے) لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں۔

عارف ربانی حضرت عبدالکریم جیلانیؒ لکھتے ہیں:

فَانْقَطَعَ حُکْمُ نُبُوَّۃِ التَّشْرِیْعِ بَعْدَہٗ وَکَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ لِاَنَّہٗ جَآءَ بِالْکَمَالِ وَلَمْ یَجِیْءُ اَحَدٌ بِذٰلِکَ. (الانسان الکامل جلد 1صفحہ 69مطبوعہ مصر)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریعی نبوت کا حکم منقطع ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قرار پائے کیونکہ آپ ایسی کامل شریعت لے کر آئے جو کوئی اور نبی نہیں لایا۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

مکر کُن در راہ نیکو خدمتے
تا نبوّت یابی اندر اُمتے

(مثنوی مولانا رومؒ دفتر پنجم صفحہ 57 مطبوعہ الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور)

ترجمہ : نیکی کی راہ میں خدمت کی ایسی تدبیر کر کہ تجھے اُمّت کے اندر نبوّت مل جائے۔

خاتم کے معنے یوں بیان کرتے ہیں:۔

بہرایں خاتم شد است اوکہ بجود
مثلِ اونے بُود نے خواہند بود

(مثنوی مولانا رومؒ دفتر ششم صفحہ 30 مطبع الفیصل اردو بازار لاہور)

ترجمہ : یعنی آپ خاتم اس لئے ہوئے ہیں کہ فیضِ روحانی کی بخشش میں آپ کی مثیل نہ کوئی نبی پہلے ہوا ہے اور نہ ایسا آئندہ ہوگا۔

پھر فرماتے ہیں:۔

چونکہ در صنعت برد استاد دست
تو نہ گوئی ختمِ صنعت بر تو است

ترجمہ: جب کوئی استاد صنعت اور دستکاری میں دوسروں سے سبقت لے جاتا ہے تو کیا اے مخاطب ! تو یہ نہیں کہتا کہ تجھ پر صنعت و دستکاری ختم ہے (یعنی تجھ جیسا کوئی صنعت گر اور دستکار نہیں۔)

پس آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین فیضِ نبوّت پہنچانے کے لحاظ سے ہیں نہ کہ فیضِ نبوّت بند کرنے کے لحاظ سے۔

حضرت ولی اللہ شاہؒ محدث دہلوی مجدّد صدی دوازدہم تحریر فرماتے ہیں:۔

1۔ **خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ اَیْ لَا يُوْجَدُ بَعْدَهٗ مَنْ يَأْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِيْعِ عَلَى النَّاسِ ۔** (تفهيمات الٰهيه جلد 2 صفحہ 85)

ترجمہ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی اس طرح ختم کئے گئے ہیں کہ ایسا شخص نہیں پایا جائے گا جسے اللہ لوگوں پر نئی شریعت دے کر مامور کرے۔

پھر فرماتے ہیں:

ب. اِمْتَنَعَ اَنْ یَّکُوْنَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ مُسْتَقِلٌ بِالتَّلَقِّیْ.

(الخیر الکثیر صفحہ 266مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل بالتلقی (یعنی شارع نبی) نہیں آسکتا۔

ج۔ حدیث نبوی لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃَ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں۔

لِاَنَّ النُّبُوَّۃَ تَتَجَزّٰی وَجُزْءٌ مِّنْھَا بَاقٍ بَعْدَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ.

(المسوّیٰ شرح مؤطّا امام مالکؒ جلد 2صفحہ216مطبوعہ دھلی)

ترجمہ: نبوت قابل تقسیم ہے اور نبوت کی ایک جزء (قسم) حضرت خاتم الانبیا کے بعد باقی ہے۔

مسیح موعود کی شان میں لکھتے ہیں:

یَزْعَمُ الْعَامَّۃُ اَنَّہٗ اِذَا نَزَلَ فِی الْاَرْضِ کَانَ وَاحِدًا مِّنَ الْاُمَّۃِ کَلَّا بَلْ ھُوَ شَرْحٌ لِّلْاِسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِیِّ وَنُسْخَۃٌ مُّنْتَسِخَۃٌ مِّنْہُ فَشَتَّانَ بَیْنَہ وَبَیْنَ اَحَدٍ مِّنَ الْاُمَّۃِ.

(الخیر الکثیر صفحہ237مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)

ترجمہ: عوام یہ گمان کرتے ہیں کہ مسیح موعود جب زمین کی طرف نازل ہوگا تو اس کی حیثیت محض ایک امتی کی ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اسم جامع محمدی کی پوری تشریح اور اس کا دوسرا نسخہ ہوگا (یعنی کامل ظلِّ محمد ہوگا) پس اس کے درمیان اور ایک اُمّتی کے درمیان بڑا فرق ہے۔

مجدّد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

حصولِ کمالات نبوّت مرتابعاں رابطریق تبعیّت و وراثت بعد از بعثتِ خاتم الرسل علیٰ جمیع الانبیآء والرسل الصلوٰۃ والتحیات منافیء خاتمیتِ او نیست علیه و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام فَلاَ تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ.

(مکتوباتِ امام ربانی مجدّد الف ثانی جلد 1مکتوب نمبر 301صفحہ 432)

ترجمہ: خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبعوث ہونے کے بعد خاص متبعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور پیروی اور وراثت کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا آپ کے خاتم الرسل ہونے کے منافی نہیں پس اس میں شک مت کر۔

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:۔

ا۔ بعد آنحضرتؐ کے یا زمانے میں آنحضرتؐ کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں بلکہ صاحب شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے۔

(دافع الوسواس فی اثر ابن عباس صفحہ 16 بار دوم گردید)

ب۔ نیز لکھتے ہیں:

علمائے اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہوسکتا اور نبوت آپ کی تمام مکلّفین کو شامل ہے اور جو نبی آپ صلعم کے ہمعصر ہوگا وہ متبع شریعتِ محمدیہ ہوگا۔ (دافع الوسواس صفحہ 29 نیا ایڈیشن وتحذیر الناس)

علامہ حکیم صوفی محمد حسن مصنف غایۃ البرہان لکھتے ہیں:۔

الغرض اصلاح میں نبوت بخصوصیّتِ الٰہیہ خبر دینے سے عبارت ہے۔ وہ دو قسم کی ہے۔ ایک نبوتِ تشریعی جو ختم ہوگئی۔ دوسری نبوت بمعنی خبر دادن ہے۔ وہ غیر منقطع ہے پس اس کو مبشرات کہتے ہیں اپنے اقسام کے ساتھ اس میں سے رؤیا بھی ہے۔ (الکواکب الدُّرِّیَّۃ صفحہ 147، 148)

انقطاعِ نبوّت سے متعلقہ احادیث کی تشریح

حدیث اوّل :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّـہ سَیَـکُـوْنُ فِـیْ اُمَّتِیْ ثَـلَا ثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعُمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ.(صحیح بخاری)

ترجمہ :یقیناً عنقریب میری اُمّت میں تیس کذّاب ہوں گے ہر ایک ان میں سے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا اور میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے مقابل کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

تشریح:

(1) اُمّتِ محمدیہ کا مسیح موعود اس حدیث کا مصداق نہیں ہوسکتا کیونکہ اُسے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہ نَبِیٌّ فرما کر نبی قرار دیا ہے۔ پس یہ تیس کذّاب وہی ہو سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ کے درمیانی زمانہ میں امّت میں سے نبوتِ مستقلہ کا دعویٰ کریں اور ان تیس مدعیانِ نبوتِ کاذبہ کی تعداد مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ تک پوری ہوچکی تھی۔ چنانچہ شرح مسلم اکمال الاکمال میں لکھا ہے:

ھٰـذَا الْـحَـدِیْـثُ ظَھَـرَ صِـدْقُہٗ فَاِنَّہٗ لَوْعُدَّ مَنْ تَنَبَّأَ مِنْ زَمَنِہٖ صَـلَّـی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْاٰنَ لَبَلَغَ ھٰذَا الْعَدَدَ وَیَعْرِفُ ذَالِکَ

مَنْ یّطالِعُ التَّارِیْخَ. (اکمال الاکمال جلد 7صفحہ 458مصری)

ترجمہ : اس حدیث کی سچائی ظاہر ہو چکی ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کو گنا جائے تو یہ تعداد پوری ہو چکی ہے اور جو شخص تاریخ کا مطالعہ کرے اسے جان لے گا۔

نوٹ: اس کتاب کے مؤلّف 828ھ میں فوت ہوئے۔

2۔ خاتم النبیین کے معنی امام علی القاریؒ نے یہ کئے ہیں کہ :

اَلْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَأْتِیْ نَبِیٌّ بَعْدَہٗ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ. (موضوعاتِ کبیر صفحہ 59مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی)

یعنی خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوسکتا جو آپ کے دین کو منسوخ کرے اور آپ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔

اور حدیث لا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

وَرَدَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ مَعْنَاہُ عِنْدَالْعُلَمَآءِ لَا یَحْدُثُ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ بِشَرْعٍ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ .

(الاشاعة فی اشراط الساعة صفحہ149 . دار الکتاب العلمیة بیروت)

ترجمہ: لا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آئندہ کوئی ایسا نبی پیدا نہیں ہوگا جو ایسی شریعت کے ساتھ ہو جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

پس حدیث زیر بحث میں اُمّت میں سے تیس ایسے اشخاص کا ذکر ہے جو تشریعی اور مستقلّہ نبوت کا دعویٰ کریں جس سے یہ لازم آئے کہ وہ اُمّتی نہیں رہتے ایک پہلو سے اُمّتی ہونے کا دعویٰ اس حدیث کے منافی نہیں اور مسیح موعودؑ کا دعویٰ یہی تھا۔ چنانچہ اسی مضمون کا ایک دوسری حدیث میں ایسی نبوت کے دعویٰ کرنے

والے کا استثناء بھی مذکور ہے چنانچہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

سَیَکُوْنُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ کُلُّھُمْ یدعٰی اَنَّه نَبِیٌّ وَاَنَّه لَانَبِیَّ بَعْدِیْ اِلَّامَاشَاءَ اللّٰہُ۔

(نبر اس شرح الشرح لعقائد النسفی صفحہ445)

ترجمہ: میری اُمّت میں تیس آدمی ہوں گے اُن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا اور تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہیں سوائے اس نبی کے جسے اللہ چاہے۔

اس روایت کے متعلق بشرطِ صحت صاحب نبراس لکھتے ہیں کہ اِلَّا کے استثناء کا تعلق مسیح موعود سے ہے۔ نیز نبراس کے حاشیے میں لکھا ہے:

وَالْمَعْنٰی لَا نَبِیَّ بِنُبُوَّةِ التَّشْرِیْعِ بَعْدِیْ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ مِنْ اَنْبِیَآءِ الْاَوْلِیَآءِ. (نبر اس حاشیہ صفحہ445)

ترجمہ: حدیث کے فقرہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی نبی تشریعی نبوت کے ساتھ میرے بعد نہیں ہوگا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ کے استثناء سے مراد اَنْبِیَاءِ الْاَوْلِیَاءِ۔ ہیں یعنی وہ اولیاء جو امت میں سے مقام نبوت پانے والے ہیں۔

حدیث دوم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک پر جانے کے موقع پر حضرت علیؓ کو پیچھے خلیفہ مقرر کرنے اور حضرت علیؓ کے یہ فقرہ کہنے پر کہ اَتَتْرُکُنِیْ فِی النِّسَآءِ وَالصِّبْیَانِ یعنی کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں پر چھوڑ رہے ہیں۔ یعنی آپ مجھے جنگ میں جانے کی اجازت نہیں دے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت علیؓ سے فرمایا:

اَلا تَرضٰی اَنْ تکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزَلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسیٰ اِلَّا اَنَّه لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ. (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة تبوک)

ترجمہ : اے علی! کیا تُو اس بات پر راضی نہیں کہ تُو مجھ سے اُس مرتبہ پر ہو جو موسیٰ کی غیر حاضری میں ہارون کو حاصل تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میری اس غیر حاضری میں میرے سوا کوئی نبی نہیں۔

تشریح:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کی تشریح میں تحریر فرمایا ہے:۔

باید دانست کہ مدلولِ ایں آیت نیست الا استخلافِ علیؓ بر مدینہ در غزوۂ تبوک و تشبیہ دا دن این استخلاف با ستخلافِ موسیٰ ہارون را در وقتِ سفرِ خود بجانبِ طور و معنی بَعْدِی اینجا غَیْرِیْ است۔ چنانچہ در آیت فَمَنْ یَّھْدِیْهِ مِنْ بَعْدِاللّٰهِ گفتہ اند نہ بُعدیّتِ زمانی۔

(قرة العَیْنَین فی تفصیل الشیخین صفحہ 206)

ترجمہ : جاننا چاہئے کہ اس حدیث کا مدلول صرف غزوۂ تبوک میں حضرت علیؓ کا مدینہ میں نائب یا مقامی امیر بنایا جانا اور حضرت ہارونؑ سے تشبیہ دیا جانا ہے جبکہ موسیٰؑ نے طور کی جانب سفر کیا اور بَعْدِی کے معنی اس جگہ غَیْرِیْ (اس وقت میرے سوا کوئی نبی نہیں) نہ بعدیتِ زمانی جیسا کہ آیت فَمَنْ یَّھْدِیْهِ مِنْ بَعْدِاللّٰهِ کے معنی اللہ کے سوا ہیں۔

پس اس حدیث سے بعدیتِ زمانی کا استنباط حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ وہ آگے لکھتے ہیں:

زیرا کہ حضرت ہارون بعد حضرت موسیٰؑ نماندند تا ایشاں را بعدیتِ

زمانہ ثابت بود۔ واز حضرت مرتضٰی آں را استثناء کنند۔

یعنی بعدیتِ زمانی اس لئے مراد نہیں کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد زندہ نہیں رہے کہ حضرت علیؓ کے لئے بعدیتِ زمانی ثابت ہو اور حضرت علیؓ سے بعدیت زمانی کا استثناء کریں۔

اس بارہ میں ایک روایت بالمعنی یوں وارد ہے:۔

غَیْرَ اَنَّکَ لَسْتَ نَبِیًّا۔ (طبقات سعد جلد 5 صفحہ 15)

یعنی غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے غیر حاضری پر آپؐ حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں کہ تو اس غیر حاضری میں ہارون کی طرح میرا خلیفہ تو ہے مگر تُو نبی نہیں۔

حدیث سوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَثَلِی وَمَثَلَ الْأَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِن زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَه وَيَقُولُونَ :هَلَّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ .أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ. (بخاری کتاب المناقب باب خاتم النبیین)

ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا اور اُس کو بہت آراستہ پیراستہ کیا مگر اس کے گوشوں میں سے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ لوگ اُسے دیکھنے آتے اور خوش ہوتے اور کہتے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

تشریح:

علامہ ابن حجرؒ اس کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ هُنَا النَّظْرُ اِلَی الْاَکْمَلِ بِالنِّسْبَةِ اِلَی الشَّرِیْعَةِ الْمُحَمَّدِیَّةِ مَعَ مَا مَضٰی مِنَ الشَّرَائِعِ الْکَامِلَةِ.

(فتح الباری جلد 2صفحہ380)

ترجمہ : مراداس تکمیل عمارت سے یہ ہے کہ شریعت محمدیہ پہلے گزری ہوئی کامل شریعتوں کی نسبت ایک اکمل شریعت ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں مَثَلِی وَمَثَلُ الْأَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِی کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال صرف پہلے گزرے ہوئے انبیاء سے دی ہے جو تشریعی یا مستقل نبی تھے۔ بلاشبہ نبوت تشریعیہ یا نبوت مستقلہ کی عمارت حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل ہوگئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والا امتی نبی اس جگہ زیر بحث نہیں آ سکتا کیونکہ مسیح موعودؑ کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بھی قرار دیا ہے اور امتی بھی۔

حدیث چہارم

لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ. هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ.

(ترمذی کتاب المناقب باب فی مناقب عمر بن الخطابؓ)

یعنی خدا نے مجھے نبی بنا دیا ہے اگر اس زمانہ میں میرے سوا کوئی نبی ہونا ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

امام ترمذیؒ نے لکھا ہے:

هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔　یعنی یہ حدیث غریب ہے

امام سیوطیؒ نے **الجامع الصغیر** میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ذیل کی روایات بالمعنی اس کی تشریح کرتی ہیں۔

1۔ **لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ یَاعُمَرُ۔**

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد 5 صفحہ 539 وحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی باب مناقب)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں مبعوث نہ کیا جاتا تو اے عمر تو مبعوث کیا جاتا۔

یہ حدیث صحیح ہے۔(دیکھو تعقباتِ سیوطی صفحہ 671)

ب۔ **لَوْ لَمْ اُبْعَثْ فِیْکُمْ لَبُعِثَ عُمَرُ فِیْکُمْ**۔(کنوز الحقائق جلد 2 صفحہ 73 حاشیہ)

یعنی اگر میں تم میں مبعوث نہ ہوتا تو عمر تم میں مبعوث ہوتا۔

پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوکر مبعوث ہوگئے اس لئے حضرت عمرؓ نبی نہ بنے۔یہی مفہوم ترمذی کی حدیث کا ہے کہ اگر میں نبی نہ بنایا جاتا تو پھر حضرت عمرؓ کا حق تھا کہ وہ نبی بنائے جاتے۔

نوٹ: مسیح موعودؑ کو تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی قرار دیا ہے اور اُمتّی بھی۔ترمذی کی حدیث میں اُمتّی نبی کا وجود زیرِ بحث نہیں بلکہ تشریعی نبی کا وجود زیرِ بحث ہے۔تشریعی نبوت یہاں اس لئے مراد ہے کہ روایات بالمعنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا ہے کہ اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ مبعوث ہوتے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریعی نبی تھے اس لئے اگر آپ مبعوث نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ تشریعی نبی کے طور پر ہی مبعوث ہوتے۔

حدیث پنجم

اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ.

(صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

تشریح:

اس حدیث میں سَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عنقریب غیر نبی خلفاء ہونے والے تھے مگر مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بھی قرار دیا ہے اور اپنا خلیفہ بھی۔ چنانچہ طبرانی کی حدیث میں ہے۔

اَلَا اِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ نَبِيٌّ وَلَا رَسُوْلٌ وَاَلَا اِنَّهٗ خَلِيْفَتِيْ فِيْ اُمَّتِيْ. (طبرانی فی الاوسط والکبیر)

کہ سُن لو! مسیح موعودؑ اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور سُن لو کہ وہ میری اُمّت میں میرا خلیفہ ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم کی نواس بن سمعان والی روایت میں جو خروجِ دجال کے بارہ میں وارد ہے عیسیٰ موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دفعہ نبی قرار دیا ہے۔

يُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهُ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ ...... فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ ...... ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ ...... فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهٗ إِلَى اللّٰهِ

(صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

حدیث ششم

اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ.

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب المساجد و مواضع الصلاۃ)

ترجمہ: میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میرے ذریعہ شریعتِ جدیدہ لانے والے نبی ختم کر دیئے گئے ہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ اَیْ لَا يُوْجَدُ مَنْ يَّأمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِيْعِ اِلَی النَّاسِ. (تفهيمات الٰهيه صفحه 72)

ترجمہ: خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ سے یہ مراد ہے کہ آئندہ کوئی ایسا شخص نہیں پایا جائے گا جسے خدا ئی شریعت دے کر لوگوں پر مامور کرے۔

مسیح موعود کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ وہ صرف امتی ہی نہیں ہوگا اسمِ جامعِ محمدی کی مکمل شرح اور اس کا دوسرا نسخہ ہوگا، گویا ظلّی نبی ہوگا۔

(الخیر الکثیر مترجم صفحہ 237 مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)

حدیث ہفتم

اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِيَآءِ وَاِنَّ مَسْجِدِیْ آخِرُ الْمَسَاجِدِ.

(صحيح مسلم كتاب الحج باب فضل الصلوٰةبمسجدى مكة و مدينة)

کہ میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد (نئے طریق عبادت کے لحاظ سے) آخری مسجد ہے۔

تشریح:

ا۔ جس طرح مسجد نبوی کے تابع سینکڑوں مساجد بننے کے باوجود وہ آخری رہتی ہے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی کا آنا آپ کے آخری نبی ہونے میں روک نہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریعت لانے والے نبی تھے اس لیے آپ شریعتِ جدیدہ کے ساتھ آخری نبی ہیں نہ کہ مطلق آخری نبی۔ اور آپ کی مسجد نئے طریق عبادت کے لحاظ سے آخری ہے نہ کہ مطلق آخری مسجد۔

بعض کہتے ہیں کہ ایک حدیث میں **آخِرُ الْمَسَاجِدِ الْاَنْبِیَآءِ** کے الفاظ وارد ہیں کہ مسجد نبوی انبیاء کی مسجدوں میں سے آخری ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے صحیح حدیث مسلم کی ہی ہے تاہم آخر کے معنی عربی زبان میں افضل کے بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کے معنی ہوں گے مسجد نبوی انبیاء کی مساجد سے افضل ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

شَریٰ وُدِّیْ وَ شُکْرِیْ مِنْ بَعِیْدٍ
لِاٰخِرِ غَالِبٍ اَبَداً رَبِیْع

(حماسہ باب الادب)

ترجمہ : ربیع بن زیاد نے میری دوستی اور شکر کو دُور بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو بنی غالب میں سے آخری یعنی ہمیشہ کے لئے عدیم المثال ہے خرید لیا ہے۔

پس آخر کے معنی سب سے افضل اور عدیم المثال کے بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں سے افضل اور عدیم المثال ہیں اور آپ کی مسجد سب مسجدوں سے افضل اور عدیم المثال ہے (خواہ انبیاء کی مساجد ہوں یا غیر انبیاء کی پہلے کی ہوں یا بعد کی، لیکن خانہ کعبہ کو سب سے افضلیت حاصل ہے کیونکہ وہ بیت اللہ ہے)

حدیث ہشتم

اَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ.

(ترمذی کتاب الاداب باب ماجاء فی اسماء النبیؐ)

ترجمہ : میں **الْعَاقِب** ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

تشریح:

اگر چہ اس جگہ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ نہیں بلکہ یہ امام زُہریؒ کے الفاظ ہیں اور اس طرح پیش کئے گئے ہیں کہ روایت مُدَلّس ہوگئی ہے تاہم مراد امام زُہریؒ کی یہی ہوسکتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں اور شریعت لانے والے نبیوں میں سے آپ سب سے پیچھے آنے والے نبی ہیں ماسوا اس کے صحیح معنی اَلْعَاقِب کے ایسا شخص ہوتے ہیں جو بھلائیوں میں اپنے سے پہلوں کا جانشین ہو چنانچہ امام علی القاریؒ نے اس حدیث کے بارہ میں تحریر فرمایا ہے:

اَلظَّاهِرُ اَنَّ هٰذَا تَفْسِيْرٌ لِلصَّحَابِيِّ اَوْمَنْ بَعْدَه وَفِيْ شَرْحِ مُسْلِمٍ قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِيِّ اَلْعَاقِبُ اَلَّذِيْ يُخْلِفُ فِي الْخَيْرِ مَنْ كَانَ قَبْلَه.

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد 5 صفحہ 576 باب اسماء النبی ﷺ الفصل الاول)

ترجمہ: بظاہر لَيْسَ بَعْدَه، نَبِيٌّ کے معنی یا صحابی کی تفسیر ہے یا کسی بعد کے راوی کی شرح۔ مسلم میں ہے کہ ابن اعرابیؒ نے کہا ہے۔ اَلْعَاقِب وہ شخص ہوتا ہے جو بھلائی میں اپنے سے پہلوں کا جانشین ہو۔

شمائل ترمذی مجتبائی میں بین السطور لکھا ہے:۔

هٰذَا قَوْلُ الزُّهْرِيِ

کہ یہ الفاظ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ یہ امام زہریؒ کا قول ہے۔ پس یہ حدیث مدلّس ہے یعنی اس میں راوی نے خلط ملط کیا ہے۔

نوٹ: بہرحال اَلْعَاقِب کے ایسے ہی معنی لینے چاہئیں جن سے مسیح موعود کی نبوّت تضاد اور تناقص نہ رکھ کیونکہ مسیح موعود کی نبوت احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

حدیث نہم

اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ.

اس حدیث کے راوی الرحمٰن بن محاربی اور اسمٰعیل بن رافع ضعیف ہیں۔

(ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد 2 صفحہ 115 و تہذیب جلد 6 صفحہ 266)

تاہم اس روایت کو انہی معنوں میں قبول کیا جا سکتا ہے کہ اس جگہ لفظ آخر دونوں جگہ بمعنی افضل استعمال ہوا ہے اور مراد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں اور آپ کی اُمّت تمام اُمتوں سے افضل ہے۔ آخر سے مراد اس جگہ نبیوں کا مطلق آخری فرد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کی نبوت احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے۔

قرآن مجید نے اُمّت محمدیہ کو خیر اُمّت قرار دیا ہے اسی مضمون کو حدیث کے الفاظ اَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ نئی اُمّت بنانے والا کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آ سکتا اور مسیح موعود کو ایسا نبی مانا گیا ہے جو نبی بھی ہے اور اُمّتی یعنی وہ کوئی نئی اُمّت بنانے والا نہیں۔

حدیث دہم

حدیث میں آیا ہے:۔

اَنَا الْمُقَفّٰی

جس کے معنی بعض لوگ آخری نبی کرتے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ یہ معنی کرنے والے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق آخری نبی نہیں مانتے کیونکہ یہ لوگ مسیح موعودؑ کے نبی ہونے کے قائل ہیں۔ صحیح معنی

اَلْمُقَفّٰی کے وہی ہیں جو اکمال الاکمال جلد 6 صفحہ 143 پر یوں لکھے ہیں:۔

مَعْنَاہُ اَلْمُتَّبَعُ لِلنَّبِيِّيْنَ.

(اکمال الاکمال شرح مسلم جلد 6صفحہ 143)

ترجمہ: معنی اس کے وہ شخص ہے کہ نبی جس کی پیروی کریں۔

پس یہ حدیث تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں انبیاء کے آنے پر روشن دلیل ہے نہ کہ نبوت کے بکلّی انقطاع پر۔

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ.

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے متعلق ایک سوال

اگر کوئی یہ کہے کہ لا اس فقرہ میں نفی جنس کا ہے اور نبی کا لفظ عام ہے لہٰذا اس حدیث کی رو سے مطلق نبی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے کی نفی ہوجاتی ہے تو پھر کیوں اس حدیث سے حضرت امام مُلّا علی القاری وغیرہ علماء کی طرف شارع نبی کی نفی مراد لی جائے۔

الجواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ کے اصول کے مطابق بعض جگہ لفظ بظاہر اپنے مفہوم میں عام ہوتا ہے لیکن مراد اس سے مفہوم خاص لیا جاتا ہے اصطلاحِ اصولِ فقہ میں ایسے لفظ کو عام مخصوص بالبعض قرار دیتے ہیں۔ البتہ ضروری ہوتا ہے کہ تخصیص کرنے والی کوئی نص موجود ہو۔ چونکہ علماء محققین کے نزدیک مسیح موعودؑ کا نبی اللہ کی حیثیت میں آنا اور ایک پہلو سے اُس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی بھی ہونا احادیثِ نبویہ کی نصوص کی رُو سے محقّق اور مسلّم امر ہے اس لئے یہ احادیثِ نبویہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں نبی کے عمومی مفہوم کی مخصّص قرار دی جاتی ہیں اور مراد لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

میں نبی سے شارع نبی لیا جاتا ہے کیونکہ مسیح موعودؑ کی حیثیت اُمّتِ محمدیہ میں مبعوث ہونے پر امّتی نبی کی تسلیم کی گئی ہے نہ کہ شارع نبی کی۔ اس لحاظ سے یہ سمجھنا چاہئے کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا لَا نفی جنس، نفی کمال کیلئے ہے نہ نبی کی شخصیت کی نفی کے لئے۔ آنحضرت صلعم کے بعد ایک نبی کی شخصیت کا اُمّت میں مبعوث ہونا تو احادیث نبویہ کی رُو سے مسلّم ہے اس حدیث میں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا لَا حدیث نبوی لَا ھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ کی طرح ہے۔ اس حدیث میں فتح مکہ کے بعد مطلق ہجرت کی نفی نہیں بلکہ مکہ سے مدینہ کی طرف مخصوص ہجرت کی نفی ہے۔ یہ حدیث درج کرکے تفسیر کبیر میں لکھا ہے فَالْمُرَادُ الْھِجْرَۃُ الْمَخْصُوْصَۃُ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر للرازی جلد4 صفحہ 580 مطبوعہ مصر) حالانکہ ہجرت کا بظاہر لفظ عام ہے اور اس سے پہلے لَا نفی جنس بھی مذکور ہے حدیثِ نبوی اِذَا ھَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ وَاِذَا ھَلَکَ قَیْصَر فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ (صحیح بخاری کتاب الایمان و النذور باب کیف کانت یمین النبیؐ) میں بھی لَا نفی کمال کے لئے ہے کیونکہ قیصر وکسریٰ کے بعد بھی اُن کے بیٹے قیصر وکسریٰ ہوئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ آپ کے زمانہ کے قیصر وکسریٰ جیسے قیصر وکسریٰ آئندہ کوئی نہیں ہوں گے۔ اسی طرح لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کامل نبی جو تشریعی نبی ہو یا مستقل نبی ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نہیں ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریعی اور مستقل نبی ہیں۔ یہی مفہوم حدیث نبوی لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ کا ہے کہ نبوت میں سے اَلْمُبَشِّرَاتُ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ نبوت کا کلیۃً نفی نہیں ہوئی بلکہ اس کا ایک جزء جو اَلْمُبَشِّرَات ہیں، باقی ہے اور ظاہر ہے کہ مسیح موعود کو امت میں نبیُّ اللّٰہ انہی اَلْمُبَشِّرَاتُ کی وجہ سے قرار دیا جاسکتا ہے

جو رسول کریم صلعم کی پیروی کے نتیجے میں ملیں۔ اُسے تشریعی اور مستقل نبی قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ ایسی نبوت تو لَمْ یَبْقَ کی ذیل میں آ کر منقطع ہوگئی ہے۔

اس حدیث کی ترکیب لَمْ یَبْقَ مِنَ الْمَالِ اِلَّا الدَّرَاهِمُ یا لَمْ یَبْقَ مِنَ الطَّعَامِ اِلَّا الْخُبْزُ کی طرح ہے کہ مال میں سے دراہم کے سوا کچھ باقی نہیں رہا یا کھانے میں سے روٹی کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ ظاہر ہے کہ دراہم اور روٹی مال اور طعام بھی ہیں اور مال اور طعام کا حصہ بھی۔ اسی طرح اَلْمُبَشِّرَاتُ عَلٰی وَجْهِ الْکَمَالِ ہوں تو نبوت بھی ہیں اور نبوت کا حصہ بھی۔ مسیح موعودؑ کو الْمُبَشِّرَاتُ کا حصہ علی وجہ الکمال ملنے سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نبی کا نام دیا جاسکتا تھا۔

واضح رہے کہ اَلْمُبَشِّرَاتُ ہی نبوت کی جزءِ ذاتی ہے۔ شریعت کا لانا نبوت کی جزءِ ذاتی نہیں بلکہ جزءِ عارض ہے اسی طرح بعض انبیاء کو نئی شریعت ملتی رہی اور بعض انبیاء پہلی شریعت کے تحت رہے اور قوم میں اُس شریعت کے ساتھ حَکَم تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا۔ (المائدة :45)

ترجمہ : یعنی ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور اس توریت کے ذریعہ کئی نبی جو خدا کے فرمانبردار تھے۔ یہودیوں کے لئے بطور حَکَم کے کام کرتے تھے۔

شیخِ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

عَلِمْنَا اَنَّ التَّشْرِيْعَ فِى النُّبُوَّةِ اَمْرٌ عَارِضٌ بِكَوْنِ عِيْسٰى

عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْزِلُ فِيْنَا حَكَمًا مِّنْ غَيْرِ تَشْرِيْعٍ وَهُوَنَبِيٌّ بِلَا شَكٍّ.

(فتوحاتِ مکیّہ جلد اول صفحہ 545 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ : ہم نے جان لیا ہے کہ شریعت کا لانا امرِ عارض ہے۔ یعنی نبوت کی جزءِ ذاتی نہیں اسی وجہ سے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہم میں حَکَم کی صورت میں بغیر نئی شریعت کے نازل ہوں گے اور وہ بلا شک نبی بھی ہوں گے۔

پس نبوت کی جزءِ ذاتی اَلْمُبَشِّرَاتُ ہی قرار پاتی ہیں جو مخالفوں کے لئے منذرات کا مفہوم رکھتی ہیں اور رسولوں کی یہی شان بیان کی گئی ہے کہ رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ کہ رسول تبشیر و انذار کرنیوالے تھے پس مسیح موعودؑ بلا شک غیر تشریعی نبی بھی مانا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بھی۔ اور اہلِ عالَم کے لئے حَکَم و عدل بھی۔

واضح رہے کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بُروزی نزول کے قائل ہیں نہ کہ اصالتاً آمد کے جیسا کہ وفاتِ مسیح کے مضمون میں حضرت شیخ اکبرؒ کے حوالہ سے تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کا نزول آخری زمانہ میں کسی دوسرے بدن کے تعلق سے واجب ہے اور وہ نبوت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

وَلَيْسَتِ النُّبُوَّةُ بِاَمْرٍ زَائِدٍ عَلَى الْاَخْبَارِ الْاِلٰهِيْ.

(فتوحات مکیہ جلد 2 صفحہ 375 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ : نبوت خدا سے غیب کی خبریں ملنے سے زیادہ کوئی امر نہیں۔

البتہ قرآن شریف نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ نبی کے لئے اخبارِ غیبیہ کو بکثرت پانا شرط ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

(الجن : 27، 28)

ترجمہ : خدا عالم الغیب ہے وہ کسی کو اپنے غیب پر (دوسرے ملہموں کے مقابلہ میں) غلبہ نہیں بخشتا بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو۔

عقلاً بھی کثرتِ مکالمہ مخاطبہ مشتمل بر امورِ غیبیہ کے بغیر نبی کا نام نہیں مل سکتا جیسے ایک دو روپیہ رکھنے والے کو کوئی مالدار نہیں کہہ سکتا جب تک اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کر وہ صاحبِ نصاب بن جائے۔

نوٹ: اگر کوئی یہ کہے کہ **لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ** کی رُو سے کوئی نبی آئندہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن پہلا نبی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اُمتِ محمدیہ میں آ سکتا ہے تو واضح ہو کہ:

الف۔ یہ بھی **لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ** کے مفہوم عام کی تخصیص ہوگی اور تاویل ہوگی مفہوم عام کے لحاظ سے نہ کوئی پہلا نبی آنحضرت ﷺ کے بعد آ سکتا ہے اور نہ بعد میں کوئی نبی ظاہر ہو سکتا ہے۔

ب۔ اگر بفرضِ محال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصالتاً دوبارہ آنا مان لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ مستقل نبی کی حیثیت میں نہیں آئیں گے یا آ کر انجیل کی طرف دعوت نہیں دیں گے بلکہ اُمتی نبی کی حیثیت میں آئیں گے اور قرآن کریم کی طرف دعوت دیں گے اور اُن کی نبوت میں یہ تغیر ایک نئی قسم کی نبوت کے حدوث (پیدا ہونے) پر دال ہوگا کیونکہ ہر تغیر حدوث کو چاہتا ہے اور جب نئی قسم کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو سکتی ہے تو نئی قسم کا نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیوں نہیں ہو سکتا؟ جماعت احمدیہ بموجب احادیثِ نبویہ **وَاِمَامُكُمْ مِّنْكُمْ** (صحیح بخاری) اور **فَاَمَّكُمْ مِّنْكُمْ** (صحیح مسلم) نازل ہونے والے ابن مریم کو امتِ محمدیہ میں سے ہی پیدا ہونے والا اُمّت کا امام یقین کرتی ہے کیونکہ آیتِ استخلاف (سورۃ النور) کی رو سے جیسا کہ پہلے بیان ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی مثیل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو سکتا ہے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُمّتِ محمدیہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ نہیں ہو سکتے پس احادیث میں ابن مریم کا نزول اس کے بروز کے ظہور کے لئے استعارۂ تصریحیہ ہے۔

اگر کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نئی نبوت کا حدوث تسلیم نہ کرے اوران کا اپنی پہلی نبوت کے ساتھ جومستقلہ تھی اُمّت محمدیہ میں آنا تسلیم کرے تو پھر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستقل آخری نبی کے معنوں میں خاتم النبیین قرار پا جاتے ہیں حالانکہ خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وصف ہےاور مراد اس سے نبیوں کے لئے مؤثر وجود ہے جسے آخری تشریعی نبی ہونا لازم ہے۔

ضروری نوٹ:

خاتم النبیین کے وصف اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی حدیث میں ایک پیشگوئی ہے اور پیشگوئی کی پوری حقیقت ہمیشہ اس کے وقوع پر ہی کھلتی ہے۔ پیشگوئیوں کے بارے میں کسی کا اجتہاد حجت نہیں ہوسکتا۔ وہ محض ایک شخص کی ذاتی رائے کی حیثیت رکھتا ہے جس کو دوسروں پر ٹھونسا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا پیشگوئی کے مفہوم کے بارہ میں اجماع کا دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا خواہ سب لوگ اُس پیشگوئی کے ایک ہی مفہوم پر متفق بھی ہو جائیں کیونکہ امورِ غیبیہ میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں اور یہ امر فقہ حنفیہ میں مسلّم ہے چنانچہ اصولِ فقہ کی کتاب مسلّم الثبوت میں لکھا ہے:

اَمَّا فِی الْمُسْتَقْبَلَاتِ کَاَ شْرَاطِ السَّاعَةِ وَاُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ فَلَا (اِجْمَاعَ) عِنْدَ الْحَنَفِیَّةِ لِاَنَّ الْغَیْبَ لَامَدْخَلَ فِیْهِ لِلْاِجْتِهَادِ.

(مسلّم الثبوت مع شرح صفحہ 246)

ترجمہ: آئندہ سے تعلق رکھنے والے امور میں جیسے علاماتِ قیامت اور امور آخرت میں احناف کے نزول اجماع نہیں ہوسکتا کیونکہ امورغیبیہ میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں۔

چونکہ مسیح موعودؑ کا ظہور اُمّتِ محمدیہ میں ہو چکا ہے اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے کہ آپؑ مسیحِ موعود ہیں اور ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے اُمّتی، اس لئے واقعات کی شہادت یہ ہے کہ اُمّتی نبی کے آنے میں آیت خاتم النبیین اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ روک نہیں جیسا کہ بعض آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ بھی اسے روک قرار نہیں دیتیں جن کا ذکر قبل ازیں آ چکا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ذیل میں ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چند تحریریں پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ آپ کا دعویٰ نہ تشریعی نبوت کا ہے نہ مستقلہ نبوت کا بلکہ آپ کا صرف یہ دعویٰ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پا کر اور آپ کا ظِلّ ہو کر آپؑ ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے اُمتی۔ یا بالفاظِ دیگر آپؑ ظلی نبی ہیں نہ کہ مستقل نبی۔ آپؑ کے نزدیک قرآن مجید آخری شریعت ہے اور تا قیامت اس میں ترمیم و تنسیخ نہیں ہوسکتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں بھی خاتم النبیین ہیں کہ آپؐ کے فیوض تا قیامت جاری رہیں گے، کبھی منقطع نہیں ہوں گے اور مسیح موعودؑ نے بھی ہر ایک کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کی برکت سے ہی پایا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ ’’میری مُراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ مَیں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف مُراد میری نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے سو مکالمہ و مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں مَیں اُس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی

نبوت رکھتا ہوں۔ وَلِکُلٍّ ان یصطلح۔''

(تتمّہ حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 503)

2۔ ''یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعوے میں نبی کا نام سن کر دھوکہ کھاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے اُس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانوں میں براہ راست نبیوں کو ملی ہے لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں میرا ایسا دعویٰ نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضہ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپؐ کے فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا۔ اس لئے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمّتی اور میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظل ہے نہ کہ اصلی نبوت۔ اِسی وجہ سے حدیث اور میرے الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ایسا ہی میرا نام اُمتی بھی رکھا ہے تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کے ذریعہ سے ملا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 154 حاشیہ)

3۔ ''قرآن شریف بجز نبی بلکہ رسول ہونے کے دوسروں پر علومِ غیب کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے ظاہر ہے پس مصفّٰی غیب پانے کے لئے نبی ہونا ضروری ہوا اور آیت اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ گواہی دیتی ہے کہ اس مصفّٰی غیب سے یہ اُمت محروم نہیں اور مصفّٰی غیب حسب منطوق آیت نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے اور وہ طریق براہِ راست بند ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ اس موہبت کیلئے محض بروز اور ظلّیت اور فنا فی الرسول کا دروازہ کھلا ہے۔''

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 209 حاشیہ)

4۔ ’’میں رسول اور نبی نہیں ہوں یعنی باعتبار نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے اور میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلّیتِ کاملہ کے میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔‘‘

(نزول المسیح۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 381 حاشیہ)

5۔ ’’جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔‘‘

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210، 211)

6۔ ’’اور لعنت ہے اُس شخص پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوت کا دعوٰی کرے مگر یہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے نہ کوئی نئی نبوت اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دکھلائی جائے۔‘‘

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 341)

7۔ ’’یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطّل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔‘‘

(رسالہ الوصیت۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 311 حاشیہ)

8۔ ’’ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔‘‘

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 340 حاشیہ)

9۔ ’’خدا اُس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔‘‘

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 340)

10۔ ’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ایک خاص فخر دیا گیا ہے کہ وہ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت اُن پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ اُن کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو اُن کی اُمّت سے باہر ہو بلکہ ہر ایک کو جو شرف مکالمہ الٰہیّہ ملتا ہے وہ انہیں کے فیض اور اُنہیں کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ اُمّتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی۔‘‘ (چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 380)

11۔ ’’اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمّتی ہو۔‘‘

(تجلیات الٰہیہ۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 412)

12۔ ’’خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیّت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جُدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جُدا ہے پس جو کامل طور پر مخدوم میں فنا ہوکر خدا سے نبی کا لقب

پاتا ہے وہ ختم نبوت کا خلل انداز نہیں جیسا کہ تم جب آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہیں صرف ظل اور اصل کا فرق ہے۔ سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود میں چاہا۔''

(کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد19 صفحہ 15، 16)

13۔ ''نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لئے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ حاصل کرے اور تجدید دین کے لئے مامور ہو۔ یہ نہیں کہ وہ کوئی دوسری شریعت لاوے کیونکہ شریعت آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر نبی کے لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جب تک اس کو امّتی بھی نہ کہا جائے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک انعام اُس نے آنخضرتؐ کی پیروی سے پایا ہے نہ براہِ راست۔'' (تجلیاتِ الٰہیہ۔روحانی خزائن جلد20 صفحہ 401 حاشیہ)

14۔ ''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس اُمت میں سے مَیں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمّت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے مَیں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اِس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط اُن میں پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں وہ بھی اسی قدر مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ اور امور غیبیہ سے حصہ پا لیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے تو اِس صورت میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا اس لئے خدا تعالیٰ کی

مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔'' (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 406، 407)

15۔ ''یہ الزام جو میرے ذمّہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنے ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں یہ سراسر میرے پر تہمت ہے اور جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اُس نے میرا نام نبی رکھا سو میں خدا کے حکم، کے موافق نبی ہوں اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر اس سے انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں۔''

(آخری مکتوب اخبار عام 26 مئی 1908ء)

صداقت

مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل

دلیل اوّل:۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ .(یونس : 17)

ترجمہ : پس بے شک میں تم میں ٹھہرا ہوں ایک عمر (چالیس برس) اس سے پہلے۔ پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

استدلال:۔

یعنی خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی صداقت ثابت کرنے کیلئے فرماتا ہے کہ لوگوں سے آپ کہہ دیں کہ میرے دعویٰ سے پہلے کی عمر کی پاکیزگی اس بات پر شاہد ناطق ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مدّعی کی پہلی زندگی کی پاکیزگی اور طہارت اور افتراء کذب سے احتراز اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ مدعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور یہ دلیل عقل سلیم کے مطابق ہے اسی لئے فرمایا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الہام ہوا **وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** (تذکرہ صفحہ 70 مطبوعہ 2004ء) اور اس الہام سے خدا نے تصدیق کی کہ آپ کی دعویٰ سے پہلے کی زندگی بھی عقلی طور پر اس بات کی راہنما ہے

کہ آپ اپنے دعویٰ میں صادق ہیں نہ کہ مفتری علی اللہ۔ چنانچہ آپ نے بڑی تحدّی سے یہ اعلان فرمایا: ۔

''تم کوئی عیب، افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا کون تم میں ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کے لئے یہ دلیل ہے۔''

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 64)

آپؑ کی پاکیزہ زندگی کے متعلق شہادات:

1۔ مولوی سراج الدین صاحب والد مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر ''زمیندار'' آپ کی پہلی زندگی کے متعلق اپنی چشم دید شہادت یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

''مرزا غلام احمد صاحب 1860ء، 1861ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر 22، 23 سال کی ہوگئی اور ہم چشم دید شہادت سے کہتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔'' (زمیندار 8 جون 1908ء)

2۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈووکیٹ اہل حدیث آپ کی پہلی زندگی کے متعلق لکھتے ہیں۔

''مؤلف براہین احمدیہ مخالف اور موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے وَاللّٰہُ حَسِیْبُہٗ شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔''

(اشاعۃ السنۃ جلد 7 نمبر 9)

آپ کی تصنیف ''براہین احمدیہ'' کی تعریف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں

''اس کا مؤلّف بھی اسلام کی مالی و جانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے کہ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔'' (اشاعة السنة جلد 6 نمبر 7)

افسوس ہے کہ یہ مولوی صاحب معیار قرآنی کونظر انداز کرکے آپ کے دعویٰ مسیح موعود کے بعد آپ کی تکفیر کرنے لگے۔

3۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر رسالہ'' اہل حدیث'' اپنی کتاب ''تاریخ مرزا'' کے صفحہ 53 پر لکھتے ہیں:۔

''براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی سترہ اٹھارہ سال کی تھی میں بشوق زیارت پا پیادہ تنہا قادیان گیا۔''

دلیل دوم:۔

ا۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ. (یونس:18)

ترجمہ :اس سے کون زیادہ ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرے یقیناً مجرم کامیاب نہیں ہوتے۔

لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى. (طٰهٰ : 62)

ترجمہ : اے لوگو! اللہ پر جھوٹ مت باندھو(ایسا کروگے)تو وہ تم کو عذاب سے ہلاک کردے گا۔اور بے شک مفتری ناکام رہتا ہے۔

استدلال:۔

ان ہر دو آیات میں مخالفین اسلام کے مقابلہ میں رسول کریم ﷺ کی کامیابی کو آپ کی صداقت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے شدید مخالفین کے مقابلہ میں جو کامیابی حاصل کی ہے وہ آپ کے دعویٰ کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔آپ کے مخالف ہر پہلو میں آپ کے مقابلہ میں ناکام رہے کفر کے فتوے لگا کر بھی، عدالتوں میں مقدمات قائم کر کے بھی اور آپ کے خلاف جھوٹ پھیلا کر اور غلط فہمیاں پیدا کر کے بھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسب وعدہ مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت عطا فرمائی جو خدمتِ اسلام کے لئے جوش اور ولولہ رکھتی ہے اور تبلیغ اسلام کر کے غیر مسلموں کو مسلمان بنانے میں زبردست کامیابی حاصل کر رہی ہے اور تمام دنیا میں اشاعت قرآن کا فریضہ ادا کر رہی ہے۔

دلیل سوم:

ا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ. (المجادلة :22)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آتے رہیں گے۔

ب: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ. اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ. وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (الصافات:172 تا174)

ترجمہ: اور بے شک ہمارا فیصلہ ہمارے بندوں یعنی رسولوں کے لئے پہلے گزر چکا ہے (جو یہ ہے) کہ یقیناً وہی مدد یافتہ ہوں گے اور بے شک ہمارا لشکر (مومنوں کا گروہ) ہی غالب آنے والا ہے۔

ج: اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

(الانبیاء: 45)

ترجمہ: کیا (کفار) نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے آ رہے ہیں (یعنی آنحضرت ﷺ کے ماننے والے آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں اور منکرین کم ہو رہے ہیں) کیا کفار پھر بھی غالب آئیں گے۔

استدلال:۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی جماعت منکرین پر ضرور غالب آتے ہیں اور ہر طرح انہیں خدا کی طرف سے نصرت دی جاتی ہے اور یوں ہوتا ہے کہ مخالفین ہر طرف سے گھٹنے لگ جاتے ہیں۔ اور خدا کے مرسل کی جماعت بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کی آپ کے منکرین کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی ہے مگر دشمن کے ہر حربہ استعمال کرنے کے باوجود مسیح موعود اور ان کی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے نصرت اور غلبہ عطا فرمایا ہے اور وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

دلیل چہارم:

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ.

(العنکبوت: 16)

ترجمہ: پس ہم نے اسے (نوح کو) اور کشتی والوں کو (سیلاب میں غرق ہونے سے) نجات دی اور ہم نے اس (کشتی) کو تمام جہانوں کے لئے ایک نشان بنا دیا۔

استدلال:۔

نوح علیہ السلام کے زمانے میں ان کے منکرین پر سیلاب کا عذاب آیا لیکن مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پیشگوئیوں کے مطابق طاعون کا عذاب آیا جس میں ہزاروں گھرانے ملیا میٹ ہو گئے اور طاعون کے زمانہ میں شہر اور گاؤں ویران ہو گئے لوگ جنگلوں میں پناہ لے رہے تھے کیونکہ گھر طاعون کے جراثیم کا مرکز بنے ہوئے تھے اور طاعون کا سیلاب ہر طرف تباہی مچا رہا تھا۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ وہ اپنا گھر نہ چھوڑیں۔ **اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ** (تذکرہ صفحہ 350 مطبوعہ 2004ء) اس گھر کی چار دیواری میں سب رہنے والوں کی میں حفاظت کروں گا۔ نیز فرمایا **وَاُحَافِظُکَ خَاصَّۃً** (تذکرہ صفحہ 350 مطبوعہ 2004ء) کہ تیری خاص طور پر حفاظت کروں گا۔ چنانچہ یہ نشان صفائی سے ظاہر ہوا اور اپنے اندر نوح کی کشتی سے زیادہ شوکت رکھتا تھا کیونکہ کشتی تو بہر حال پانی سے بچانے کے لئے ہوتی ہے لیکن اس کے برخلاف طاعون کے سیلاب کے وقت گھر ہلاکت کا ذریعہ ہوتے ہیں مگر مسیح موعود علیہ السلام کے لئے خدا تعالیٰ نے ہلاکت کے ذریعہ کو اپنے فضل سے حفاظت کا ذریعہ بنا دیا۔ طاعون کے زمانہ میں اَسّی کے قریب افراد اس مکان میں رہتے تھے اردگرد کے گھروں میں طاعون سے اموات ہوئیں مگر دارِ مسیح میں ایک متنفس بھی طاعون سے ہلاک نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بڑی شان سے اپنی حفاظت کا وعدہ پورا فرمایا۔

دلیل پنجم:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ . لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ . ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ . فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ .

(الحاقه : 45 تا 48)

ترجمہ : اگر یہ مدّعی بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے اور پھر تم میں سے کوئی اس کو بچا نہ سکتا۔

استدلال:

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے وحی والہام کو مخلوق کے سامنے پیش کرنے کے بعد تیئس سال کی لمبی مہلت پانا اور اتنا لمبا عرصہ ہلاکت سے بچے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنے وحی والہام کے دعویٰ میں جھوٹے نہیں۔

چونکہ دلیل کی قوت عام ہوتی ہے گو مدلول اس کا اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے ہر وہ شخص جو بناوٹ سے خدا کی طرف وحی منسوب کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتا رہے وہ تیئس سال کی مہلت نہیں پا سکتا بلکہ جان سے مارا جاتا ہے اور بناوٹی وحی کا دعویٰ اتنا خطرناک ہے کہ اگر کوئی بعض باتیں بھی خدا کی طرف منسوب کرے تو وہ پکڑا جاتا ہے اور خدا کی اس گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

اگر اس دلیل کو صرف آنحضرتؐ کے منکرین کے لئے حجت قرار دیا جائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس معیار پر نہ پرکھا جائے تو مخالفین اسلام کے سامنے اس دلیل کا کوئی وزن نہیں رہتا اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی جھوٹا دعویٰ الہام کر کے تیئس سال سے بھی زیادہ مہلت پا چکے ہیں تو پھر یہ دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی کیسے ہو سکتی ہے؟

پس اس دلیل کے ہوتے ہوئے مسیح موعود علیہ السلام کا انکار قرآن مجید کے ماننے والوں کو جائز نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب اربعین میں بڑی تحدّی سے اس دلیل کو لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اور کھلے کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سُنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے برابر تئیس برس تک جو زمانہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے تو مَیں ایسی نظیر پیش کرنے والے کو بعد اس کے جو مجھے میرے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دے دے پانسو روپیہ نقد دے دوں گا۔"

(اربعین نمبر 3۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 402)

ب: اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین الرّازیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

هٰذَا ذِكْرُهُ عَلٰى سَبِيْلِ التَّمْثِيْلِ بِمَا يَفْعَلُهُ الْمُلُوْكُ بِمَنْ يَّتَكَذَّبُ عَلَيْهِمْ فَاِنَّهُمْ لَايُمْهِلُوْنَهُ بَلْ يَضْرِبُوْنَ رَقَبَتَهُ فِي الْحَالِ.

(تفسیر کبیر جلد 8 زیر آیت ہٰذا صفحہ 291)

ترجمہ: اس آیت میں مفتری کی حالت تمثیلاً بیان کی گئی ہے کہ اس سے وہی سلوک ہوگا جو بادشاہ ایسے شخص سے کرتے ہیں جو ان پر جھوٹ باندھتا ہے۔ وہ اس کو مہلت نہیں دیتے بلکہ فی الفور قتل کرواتے ہیں (گویا یہی حال مفتری علی اللہ کا ہوتا ہے اس کو لمبی مہلت نہیں ملتی۔ ناقل)

ج: اہل سنت کی مستند کتاب شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے:

فَاِنَّ الْعَقْلَ يَجْزِمُ بِامْتِنَاعِ اجْتِمَاعِ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ فِيْ غَيْرِ الْاَنْبِيَآءِ فِيْ حَقِّ مَنْ يَّعْلَمُ اَنَّهُ يَفْتَرِيْ عَلَيْهِ ثُمَّ يُمْهِلُهُ ثَلَاثًا وَّ عِشْرِيْنَ سَنَةً. (شرح عقائد نسفی مجتبائی صفحہ 100)

ترجمہ: عقل اس بات پر کامل یقین رکھتی ہے کہ یہ امور (معجزات اور اخلاق عالیہ وغیرہ) غیر نبی میں نہیں پائے جاتے۔ نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ یہ باتیں کسی مفتری میں جمع نہیں کرتا اور یہ بھی کہ پھر اس کو تئیس برس مہلت نہیں دیتا۔

د: علامہ امام ابن قیم علیہ الرّحمۃ نے ایک عیسائی کے سامنے یہی دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا:

وَهُوَ مُسْتَمِرٌّ فِی الْاِفْتِرَآءِ عَلَيْهِ ثَـلَاثَةً وَّ عِشْرِيْنَ سَنَةً وَّهُوَ مَعَ ذٰلِکَ يُؤَيِّدُهٗ. (زاد المعاد جلد 1صفحہ 500)

ترجمہ: یہ کس طرح ممکن ہے کہ جسے تم مفتری قرار دیتے ہو وہ مسلسل تئیس برس تک اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ بایں ہمہ اس کو ہلاک کرنے کی بجائے اس کی تائید کرے۔

نوٹ: تَقَوَّلَ کا لفظ باب تَفَعُّلَ سے ہے اس کے مصدر تَقَوَّلَ میں بناوٹ کا خاصہ پایا جاتا ہے۔ پس مجنون اور ماؤف الدماغ کی باتیں جو وہ خدا کی طرف منسوب کرکے کہے تَقَوَّل کے ذیل میں نہیں آتیں۔ مجنون سے خدا کا یہ معاملہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی باتوں میں ناکام اور نامراد رہتا ہے اور دنیا میں کوئی نیک انقلاب پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی طرح مدعیان الوہیت کیلئے بھی یہ معیار نہیں۔

دلیل ششم:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۷﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (الجن : 27،28)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ پس وہ اپنے غیب پر کسی کو (دوسرے لوگوں کے مقابل) کمیت و کیفیت میں غلبہ نہیں دیتا۔ بجز اس شخص کے جو اس

کا برگزیدہ رسول ہو۔

غَیۡبِہٖ سے مراد خالص غیب ہے جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتا۔ اسی غیب کے متعلق وہ فرماتا ہے۔ وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ (الانعام:60) یعنی غیب کی کنجیاں خدا تعالیٰ کے پاس ہیں اور غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پس جس شخص کو خالص غیب پر جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے اطلاع دی جائے صاف ظاہر ہوگا کہ اس کے لئے غیب کا خزانہ غیب کی چابیوں سے خدا نے خود کھولا ہے کوئی شخص ایسے خزانے کو خدا سے چرا نہیں سکتا۔ پس جس شخص کو بکثرت امور غیبیہ پر اطلاع دی جائے اور وہ خبریں بھی عظیم الشان ہوں اور آفاق وانفس سے تعلق رکھتی ہوں اور وہ وقوع میں بھی آجائیں تو یہ امورِ غیبیہ یا بالفاظ دیگر پیشین گوئیاں اس شخص کے منجانب اللہ ہونے پر الٰہی شہادت ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَـقُّ ؕ اَوَلَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ۔

(حٰم السجدة : 54)

ترجمہ: ہم ان لوگوں کو تمام اطراف عالم میں بھی ضرور اپنے نشان دکھائیں گے اور خود ان کی جانوں (خاندانوں) میں بھی یہاں تک کہ ان کے لئے بالکل ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآنی وحی) حق ہے۔ کیا تیرے رب کا ہر چیز پر نگران ہونا ان کے لئے کافی نہیں۔

پس مامور من اللہ کے ذریعہ نشانات دو قسم کے ظاہر ہوتے ہیں۔ کچھ اطراف عالم سے تعلق رکھتے ہیں کچھ نفوسِ انسانی سے۔

مسیح موعود علیہ السلام کو دونوں قسم کے نشانات دیئے گئے جن میں سے بارہ نشانات جو امور غیبیہ پر مشتمل ہیں ہم ذرا تفصیل سے لکھ رہے ہیں ویسے آپ کے ذریعہ صدہا غیب کی اخبار دی گئی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہو کر خدا تعالیٰ کی ہستی اور آپ کی صداقت پر گواہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ان کے مطالعہ کے لئے حقیقۃ الوحی،تریاق القلوب اور نزول المسیح کی کتب بہت مفید ہیں۔

پہلی پیشگوئی:

لیکھرام ایک نہایت ہی گندہ دہن،مفسد اور خدا اور اسکے رسول کا شدید دشمن آریہ پنڈت تھا جو آریہ سماج کا مذہبی لیڈر سمجھا جاتا تھا۔سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتحقیر کرنا اور حضور علیہ السلام کو گالیاں دینا اس کا اہم ترین مشغلہ تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے کئی مرتبہ سمجھایا اور تنبیہ کی کہ وہ اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی اور کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کی توہین وتحقیر اور استہزاء سے باز آجائے مگر اس نے آپ کی تنبیہات اور نصائح سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور اپنی گندہ ذہنی اور اسلام دشمنی میں دن بدن بڑھتا چلا گیا۔آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک الہامی تنبیہ اور وارننگ کے طور پر اُسے مخاطب کر کے فرمایا:

الا اے دشمن نادان و بے راہ
بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

یعنی اے نادان اور گمراہ دشمن! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کاٹنے والی تلوار سے ڈر۔

مگر اس نے اس وعید سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور بدستور بدزبانی اور اسلام

دشمنی میں مصروف رہا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غیر مسلموں کو نشان نمائی کی دعوت دی تو پنڈت لیکھرام بھی مقابلہ کے لئے قادیان آیا مگر کچھ عرصہ مخالفوں کے پاس قیام کر کے اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ میرے حق میں جو چاہو پیشگوئی شائع کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ (اشتہار 20 فروری 1893ء) چنانچہ حضرت اقدسؑ نے اس کی شوخ طبیعت اور نشان نمائی کے مطالبہ کے پیش نظر اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے خاص دعا فرمائی جس کے جواب میں یہ الہام ہوا:۔

عِجْلٌ جَسَدٌ لَّهٗ خُوَارٌ. لَهٗ نَصَبٌ وَّعَذَابٌ

یعنی یہ صرف ایک بے جان گوسالہ ہے جس کے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے اور اس کے لئے ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کے عوض میں سزا اور رنج اور عذاب مقدر ہے جو ضرور اس کو مِل کر رہے گا۔''

(اشتہار 20 فروری 1893ء)

اس کے بعد جب حضرت اقدس علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے اس پر اس عذاب کا وقت معلوم کرنے کے لئے توجہ فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر فرمایا کہ:۔

''آج کی تاریخ سے جو 20/فروری 1893ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیوں کی سزا میں یعنے اُن بے ادبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں۔ عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔'' (اشتہار 20 فروری 1893ء)

آپ کو اس کے متعلق ایک الہام بھی ہوا کہ:۔

یُقْضٰی اَمْرُهٗ فِیْ سِتٍّ۔ (استفتاء اردو۔ روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 125 حاشیہ)

''کہ اس کا معاملہ چھ میں ختم ہو جائے گا۔''

پھر 2اپریل1893ءکوحضور نے تحریر فرمایا:۔

''آج جو 2اپریل1893ء مطابق 14 ماہ رمضان 1310ھ ہے۔صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اس کے چہرہ سے خون ٹپکتا ہے- میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔مَیں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئ خلقت اور شمائل کا شخص ہے......اور میں اس کو دیکھتا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور ایک اَور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے۔ تب مَیں نے اس وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اُس دوسرے شخص کی سزا دہی کے لئے مامور کیا گیا ہے۔مگر مجھے معلوم نہیں رہا کہ وہ دوسرا شخص کون ہے۔'' (برکات الدعا روحانی خزائن جلد6 صفحہ 33)

اسی طرح آپ نے اپنی کتاب کرامات الصادقین میں لکھا

وَبَشَّرَنِیْ رَبِّیْ وَ قَالَ مُبَشِّرًا

سَتَعْرِفُ یَوْمَ الْعِیْدِ وَالْعِیْدُ اَقْرَبُ

یعنی مجھے لیکھرام کی موت کی نسبت خدا نے بشارت دی اور کہا کہ عنقریب تو اس عید کے دن کو پہچان لے گا اور اصل عید کا دن بھی اس عید کے قریب ہوگا۔

پنڈت لیکھرام نے آپ کی ان پیشگوئیوں اور وعید سے نہ صرف کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ اپنی شوخی اور شرارت میں بڑھتا گیا اور اس نے خود اپنی طرف سے بھی حضرت اقدس علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی شائع کر دی کہ:۔

یہ شخص تین سال کے اندر ہیضہ سے مر جائے گا کیونکہ (نعوذ باللہ)

کذّاب ہے۔ (تکذیب براہین احمدیہ صفحہ 311)

لیکن ہوا وہی جو اسلام کے سچے خدا نے اپنے مسیح پر الہام کیا تھا یعنی خدا کے مامور کی پیشگوئی پوری ہوئی اور پیشگوئی کی میعاد کے اندر جیسا کہ الہام میں بتایا گیا تھا یُقْضٰی اَمْرُہٗ فِیْ سِتٍّ یعنی پنڈت لیکھرام کا معاملہ چھ سال کے اندر اندر ختم کر دیا جائے گا۔ وہ عید الاضحیہ کے دوسرے روز 6 مارچ 1897ء کو شام کے چھ بجے کسی نامعلوم قوی ہیکل شخص کے ہاتھ سے گویا کہ وہ ملائک شدّاد وغلّاظ میں سے تھا قتل ہو گیا۔ عین چھ بجے شام کو قاتل نے اسے کاری زخم لگایا اور اس کی انتڑیوں میں ایسے چھرا گھمایا کہ وہ یک لخت ایک گوسالہ کی طرح ہائے ہائے کرتا ہوا چلّایا جس کے بعد پھر اس پر آپریشن کی چھری بھی پھیری گئی اور آخر کار ساری رات دردناک عذاب میں مبتلا رہ کر صبح کو مر گیا اور اس طرح پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر گواہ ٹھہرا۔

دوسری پیشگوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اصل کام اسلام کو جملہ مذاہب عالم پر غالب کر دکھانا تھا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی مواقع بہم پہنچائے اور آپ نے مختلف طریقوں سے دنیا پر اسلام کی حقانیت اور سچائی اور برتری ثابت کر دکھائی۔

عرصہ سے حضرت اقدس کی خواہش تھی کہ بڑے وسیع پیمانے پر کسی ایسے عالمگیر جلسے کا انعقاد ہو جس میں تمام مذاہب کے لیڈر اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کریں تا کہ دنیا یہ معلوم کر سکے کہ کونسا مذہب فی الحقیقت برتر اور دیگر مذاہب کے مقابل پر افضل و اعلیٰ ہے۔ چنانچہ حضور کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ

نے ایک زرّیں موقع اس طرح مہیا فرمادیا کہ 1896ء میں لاہور کے بعض معززین نے ایک مذہبی کانفرنس منعقد کرنے کا انتظام کر کے حضرت اقدس علیہ السلام کو بھی اس میں شمولیت اور اسلام کی خوبیاں بیان کرنے کی دعوت دی۔تقریروں کے لئے حسب ذیل پانچ سوالوں کے جوابات تجویز کئے گئے۔

1: انسان کی جسمانی،اخلاقی اور روحانی حالتیں

2: انسان کی دنیوی زندگی کے بعد کی حالت

3: دنیا میں انسان کی ہستی کی غرض کیا ہے اور وہ غرض کس طرح پوری ہوسکتی ہے۔

4: کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے۔

5: علم یعنی گیان و معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں؟

جلسہ کے انعقاد کے لئے لاہور میں انتظام کیا گیا۔26، 27، 28دسمبر تاریخیں مقرر کی گئیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس میں شرکت کی دعوت قبول فرما کر ایک لمبا مضمون اسلام کی حقانیت پر لکھنا شروع کیا۔ابھی آپ مضمون لکھ ہی رہے تھے کہ آپ کو الہاماً بتایا گیا کہ آپ کا مضمون سب سے بالا رہے گا اور دیگر مذاہب کے وہاں پڑھے جانے والے سب مضامین پر غالب رہے گا۔چنانچہ آپ نے اس وحی الٰہی اور بشارت کی اشاعت کے لئے مورخہ 21دسمبر 1896ء کو (یعنی جلسہ مذاہب سے پانچ چھ روز قبل) ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں یہ پیشگوئی فرمائی کہ

”مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ کہ حاضر ہوں اور اس کو اول سے آخر تک سنیں شرمندہ ہو جائیں گی اور ہرگز قادر نہیں ہوں گے کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں خواہ

وہ عیسائی ہوں خواہ آریہ، خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس پاک کتاب (قرآن کریم) کا جلوہ ظاہر ہو۔ میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا اور اس کے چھونے سے اس محل میں سے ایک نورِ ساطعہ نکلا جو اردگرد پھیل گیا اور میرے ہاتھوں پر بھی اس کی روشنی پڑی۔ تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا **اللہ اکبر خربت خیبر** اس کی یہ تعبیر ہے کہ اس محل سے میرا دل مراد ہے جو جائے نزول وحلول انوار ہے اور وہ نورانی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذہب ہیں جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے اور انسان کو خدا کی جگہ دی گئی ......سو مجھے جتلایا گیا کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائیگا۔ اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائے گی جب تک کہ اپنا دائرہ پورا کرلے۔ پھر میں اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا **اِنَّ اللّٰہَ مَعَکَ اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْمُ اَیْنَمَا قُمْتَ** یعنی خدا تیرے ساتھ ہے اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو یہ حمایت الٰہی کے لئے ایک استعارہ ہے۔

(تبلیغ رسالت حصہ پنجم صفحہ 78،79 اشتہار مورخہ 21 دسمبر 1896ء)

یہ اشتہار جو ایک زبردست پیشگوئی پر مشتمل تھا تمام ہندوستان میں پھیلایا گیا اور لاہور میں اسکی خاص طور پر زیادہ سے زیادہ اشاعت کی گئی اور جلسہ شروع ہونے سے پہلے پہلے سب متعلقہ مقررین اور منتظمین تک بھی پہنچا دیا گیا جن میں سے اکثر غیر مسلم اور اسلام کے مخالف تھے۔

جلسہ میں حضرت اقدس کی تقریر کے لئے وقت ڈیڑھ بجے بعد دوپہر سے

ساڑھے تین بجے تک تھا۔ آپ کے صحابی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے مضمون پڑھنا شروع کیا۔ سامعین پر عجیب کیفیت طاری تھی ہر طرف سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہونے لگے۔ جب تقریر کا مقررہ وقت گزر گیا اور تقریر ختم نہ ہوئی تو ہزاروں کی تعداد میں جمع شدہ سب حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا کہ اس مضمون کو ختم کرنے کے لئے وقت بڑھایا جائے کیونکہ اسے ہم نے ضرور سننا ہے خواہ اس کے لئے کانفرنس کا ایک دن زائد کرنا پڑے۔ چنانچہ منتظمین مجبور ہو گئے کہ محض اس مضمون کی خاطر 29 دسمبر کا دن بڑھا دیں۔ اس کے لئے اگلے دن بھی سنائے جانے کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ دوسرے روز سامعین کی تعداد پہلے سے بھی زیادہ تھی جنہوں نے نہایت شوق اور انہماک سے ساری تقریر سنی۔

تقریر کے آخر پر کانفرنس کے صدر صاحب (جو کہ ایک ہندو لیڈر تھے) کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ ''یہ مضمون تمام مضمونوں سے بالا رہا۔''

اس کے علاوہ لاہور کے مختلف اخبارات نے بھی تسلیم کیا کہ حضرت اقدس کا یہ مضمون سب مضمونوں پر غالب و بالا رہا ہے۔ چنانچہ مشہور انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے اس عالمی کانفرنس کی روئداد میں لکھا کہ :

''سب مضمونوں میں سے زیادہ توجہ اور دلچسپی سے مرزا غلام احمد قادیانی کا مضمون سنا گیا جو اسلام کے بڑے بھاری مویّد اور عالم ہیں اس لیکچر کو سننے کے لئے ہر مذہب وملت کے لوگ کثرت سے جمع تھے...... مضمون قریباً ساڑے تین گھنٹے تک پڑھا گیا اور گویا ابھی پہلا سوال ہی ختم ہوا تھا۔ لوگوں نے اس مضمون کو ایک وجد اور محویت کے عالم میں سنا اور پھر کمیٹی نے اس کے لئے جلسہ کی تاریخوں میں 29 دسمبر کی زیادتی کر دی۔''

تیسری پیشگوئی:۔

امریکہ میں ایک شخص ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی کے نام سے مشہور تھا جس نے 1899ء میں پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا اور بزعم خود یورپ اور امریکہ کی عیسائی اقوام کی اصلاح اور انہیں سچا عیسائی بنانے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ امریکہ کا ایک مشہور اور متموّل شخص تھا اس نے 1901ء میں ایک شہر صیحون (ZION) آباد کیا جو اپنی خوبصورتی، وسعت اور عمارات کے لحاظ سے تھوڑے ہی عرصہ میں امریکہ کے مشہور شہروں میں شمار ہونے لگا۔ جہاں سے ڈوئی کا اپنا اخبار لیوز آف ہیلنگ بڑی شان اور آب وتاب سے نکلنا شروع ہوگیا۔ اس اخبار نے ڈوئی کی شہرت اور نیک نامی کو چار چاند لگا دیئے اور لوگ جوق در جوق اس کے مرید ہونے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے اس قدر شہرت اور اہمیت حاصل کر لی کہ شکاگو کے پروفیسر فرینکلن جانسن ڈوئی کے حالات زندگی کی کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں

"گزشتہ بارہ برس کے زمانے میں کم ہی ایسے شخص گزرے ہیں جنہوں نے امریکن اخباروں میں اس قدر جگہ حاصل کی جس قدر کہ جان الیگزنڈر ڈوئی نے"

الغرض ڈاکٹر الیگزنڈر ڈوئی کو امریکہ میں جلد ہی بہت شہرت کا مقام حاصل ہوگیا۔ یہ شخص اسلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا اور ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ جس طرح سے بھی ہو سکے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ چنانچہ اس نے اپنے اخبار میں لکھا :۔

"میں امریکہ اور یورپ کی عیسائی اقوام کو خبردار کرتا ہوں کہ اسلام مردہ نہیں ہے اسلام طاقت سے بھرا ہوا ہے مگر اسلام کو ضرور نابود ہونا

چاہیے۔ محمڈن ازم کو ضرور تباہ ہونا چاہیے مگر اسلام کی بربادی نہ تو مضمحل لاطینی عیسویت کے ذریعہ ہو سکے گی اور نہ بے طاقت یونانی عیسویت کے ذریعہ اور نہ ان لوگوں کی تھکی ماندی عیسویت کے ذریعہ سے جو مسیح کو صرف برائے نام مانتے ہیں۔'' (لیوز آف ہیلنگ 25 اگست 1900ء)

مطلب اس کا یہ تھا کہ اسلام کی تباہی خود اس کے ذریعہ سے ہوگی۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو جب اس شخص کے دعاوی کا علم ہوا تو آپ نے 8/اگست 1902ء کو ایک چٹھی لکھی جس میں حضرت مسیح کی وفات اور سرینگر کشمیر میں ان کی قبر کا ذکر کرتے ہوئے اسے مباہلہ کا چیلنج دیا اور لکھا کہ:۔

''غرض ڈوئی بار بار کہتا ہے کہ عنقریب یہ سب ہلاک ہو جائیں گے بجز اس گروہ کے جو یسوع مسیح کی خدائی مانتا ہے اور ڈوئی کی رسالت۔ اس صورت میں یورپ و امریکہ کے تمام عیسائیوں کو چاہیے کہ وہ بہت جلد ڈوئی کو مان لیں تا ہلاک نہ ہو جائیں ...... ہم ڈوئی کی خدمت میں بہ ادب عرض کرتے ہیں کہ اس مقدمہ میں کروڑوں مسلمانوں کو مارنے کی کیا ضرورت ہے ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ آیا ڈوئی کا خدا سچا خدا ہے یا ہمارا خدا۔ وہ بات یہ ہے کہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سنائیں بلکہ ان میں سے صرف مجھ اپنے ذہن کے آگے رکھ کر یہ دعا کریں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے۔

(ریویو آف ریلجنز اردو دسمبر 1902ء)

ڈوئی نے تو حضرت اقدس کے اس چیلنج مباہلہ کا کوئی جواب نہ دیا مگر امریکہ کے اخبارات نے اس چیلنج کا ذکر اچھے ریمارکس کے ساتھ کیا۔ چنانچہ ایک اخبار ارگوناٹ سان فرانسسکو نے یکم دسمبر 1902ء کی اشاعت میں بعنوان ''اسلام

وعیسائیت کا مقابلہ دعا'' لکھا کہ :۔

''مرزا صاحب کے مضمون کا خلاصہ جو انہوں نے ڈوئی کو لکھا یہ ہے کہ ...... ہم میں سے ہر ایک اپنے خدا سے یہ دعا کرے کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے خدا اسے ہلاک کرے۔ یقیناً یہ ایک معقول اور منصفانہ تجویز ہے۔''

جب ڈوئی نے حضور کو کوئی معقول جواب نہ دیا اور مباہلہ پر آمادگی کا اظہار بھی نہ کیا تو حضور نے 1903ء میں ایک چٹھی کے ذریعہ اپنے مباہلہ کے چیلنج کو پھر دہرایا اور لکھا کہ:۔

''میں عمر میں ستّر برس کے قریب ہوں اور وہ جیسا کہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے جو میری نسبت گویا ایک بچہ ہے، لیکن میں نے اپنی بڑی عمر کی کچھ پرواہ نہیں کی کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا مالک اور احکم الحاکمین ہے وہ اس کا فیصلہ کرے گا اور اگر مسٹر ڈوئی اس مقابلہ سے بھاگ گیا...... پس یقین سمجھو کہ اس کے صیحون پر جلد تر ایک آفت آنے والی ہے۔ ''

(اشتہار مؤرخہ 23 اگست 1903ء۔ مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 607 مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ)

مسیح موعود علیہ السلام کے اس چیلنج کا تذکرہ امریکہ کے بہت سے اخبارات میں ہوا جن میں سے 32 اخبارات کے مضامین کا خلاصہ حضرت اقدس نے تتمہ حقیقۃ الوحی میں درج فرمایا ہے۔ آخر جب پبلک نے ڈوئی کو بہت تنگ کیا اور جواب دینے پر مجبور کیا تو اس نے اپنے اخبار کے دسمبر کے پرچے میں لکھا کہ:۔

''ہندوستان کا ایک بے وقوف محمدی مسیح مجھے بار بار لکھتا ہے کہ یسوع مسیح کی قبر کشمیر میں ہے اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو کیوں اس شخص کو جواب نہیں دیتا مگر کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دوں

گا۔ اگر میں ان پر اپنا پاؤں رکھوں تو ان کو کچل کر مار ڈالوں گا۔‘‘

حضرت اقدس علیہ السلام کو جب ڈوئی کی اس گستاخی اور بے ادبی اور شوخی اور شرارت کی اطلاع ملی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس فیصلہ میں کامیابی کیلئے زیادہ توجہ اور الحاح سے دعائیں کرنا شروع کر دیں۔

اس دوران ڈوئی امریکہ و یورپ میں بہت شہرت اور ناموری حاصل کرتا جا رہا تھا اور صحت کے لحاظ سے بھی وہ بھرے جلسوں میں اکثر اپنی شاندار صحت، جوانی اور عروج پر فخر کیا کرتا تھا مگر اسلام کا خدا اسے تمام دنیا میں مشہور کرنے کے بعد ذلیل و رسوا کرنا چاہتا تھا تا دنیا کو پتہ لگ جائے کہ خدا کے ماموروں کے مقابلہ پر آنے والوں کا خواہ وہ کتنی ہی عظیم شخصیت کے مالک ہوں کیا حشر ہوتا ہے؟

آخر کار خدائی پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر اس پر شدید فالج کی صورت میں نازل ہوا اور اس پر عین اس وقت فالج کا حملہ ہوا جبکہ وہ اپنے عالی شان و خوبصورت شہر صیحون میں ہزاروں کے مجمع کو مخاطب کر رہا تھا اور اپنے شہر کے مالی بحران کو دور کرنے کیلئے میکسیکو میں کوئی بہت بڑی جائیداد خریدنے کا منصوبہ اپنے مریدوں کے سامنے رکھ رہا تھا تا کہ ان سے قرض حاصل کر کے وہ منصوبہ مکمل کرے۔

چنانچہ دورانِ تقریر میں ہی خدائے منتقم اور قادر و قیوم نے اس کی اس زبان کو بند کر دیا جس سے وہ آنحضرتؐ کے خلاف بدزبانی کیا کرتا تھا آخر اس نے بحالی صحت کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ شہر بہ شہر پھر کر علاج کرواتا رہا مگر جس شخص کو وہ صیحون میں اپنا نائب مقرر کر گیا تھا اسی نے بعد میں اعلان کر دیا کہ ڈوئی چونکہ غرور، تعلّی، فضول خرچی اور عیاشی اور لوگوں کے پیسوں پر تعیش کی زندگی بسر کرنے کا مجرم ہے اس لئے وہ اب ہمارے چرچ کی قیادت کرنے کیلئے قطعاً نا اہل

ہے۔صیحون شہر اور اس کی رونق بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور ڈوئی پر کئی لاکھ روپے کے غبن کا الزام لگایا گیا اور چرچ سے اس کو کلیتًا بے دخل اور علیحدہ کر دیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں اس کی صحت دن بدن اور بھی خراب ہوتی چلی گئی اور بقول اس کے ایک مرید مسٹر لنڈز کے ان دنوں وہ نہ صرف فالج بلکہ دماغی فتور اور کئی اور بیماریوں کا شکار ہو گیا۔ بیماری کے دنوں میں اسے نہ صرف اس کے مریدوں بلکہ اس کے اہل وعیال نے بھی اسے چھوڑ دیا اور صرف دو تنخواہ دار حبشی اس کی دیکھ بھال کیا کرتے اور ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے تھے۔جس کے دوران اس کا پتھر جیسا بھاری جسم کبھی کبھی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر جا گرتا تھا۔

ڈوئی اس قسم کی ہزاروں مصیبتیں سہتا ہوا آخر 9/مارچ 1907ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق نہایت ذلت کی حالت میں اس جہان سے رخصت ہوا۔اس کے بیوی بچے اس سے اس قدر بدظن اور بے رغبت ہوئے کہ اس کے جنازے میں بھی شامل نہ ہوئے اور اس کی موت کے بعد اس کے گھر سے شراب کی بوتلیں اور کنواری لڑکیوں سے عاشقانہ رنگ کی خط وکتابت بھی برآمد ہوئی۔غرضیکہ پیشگوئی کے مطابق بڑی ذلت ورسوائی سے اس کا خاتمہ ہوا اور اسلام کا ایک بہت بڑا دشمن اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر مہرِ تصدیق ثبت کر گیا۔

چوتھی پیشگوئی ------طاعون:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 6/فروری 1898ء کو کشف میں دیکھا کہ:۔

’’خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک

اور چھوٹے قد کے ہیں۔" (تذکرہ صفحہ 262 مطبوعہ 2004ء)

آگے حضور فرماتے ہیں کہ

"میں نے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے۔" (تذکرہ صفحہ 262 مطبوعہ 2004ء)

اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے آپ نے اسی روز ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ چونکہ اس پیشگوئی کے مطابق عنقریب نہایت وسیع پیمانے پر طاعون پھیلنے والی ہے اس لئے طاعون کے ایام میں بہتر ہوگا کہ لوگ اپنی بستیوں سے باہر کھلے میدان میں قیام کریں۔ چونکہ اس اشتہار کے شائع ہونے کے وقت ملک میں طاعون کا نام ونشان بھی نہیں تھا اور بظاہر اس کے پھیلنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا اس لئے علماء حضرات اور حضورؑ کے مکذبین اور مکفرین کو حضور کے خلاف شور مچانے اور استہزاء کرنے کا ایک اور موقع میسر آ گیا۔ چنانچہ تحریر وتقریر کے ذریعہ اس پیشگوئی کے خلاف خوب ہنسی اڑائی گئی۔

پیسہ اخبار نے جو اس وقت کے مشہور اخباروں میں سے تھا لکھا:۔

"مرزا اسی طرح سے لوگوں کو ڈرایا کرتا ہے۔ دیکھ لینا خود اسی کو طاعون ہوگی"

آخر حضور کی پیشگوئی کے مطابق اس کے چند ماہ کے بعد پہلے جالندھر اور ہوشیار پور کے اضلاع میں طاعون پھوٹی اور پھر اس نے اس قدر زور پکڑا کہ گورنمنٹ کو انتظام کرنا مشکل ہوگیا۔ لیکن چونکہ ابھی اس نے دوسرے علاقوں میں پوری طرح زور نہیں پکڑا تھا اس لئے شقی القلب علماء اور عوام نے بجائے اس وعید سے فائدہ اٹھانے اور توبہ واستغفار سے کام لینے کے تکذیب وتمسخر کی راہ اختیار کی جس پر کچھ عرصہ بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے از راہِ ہمدردی پھر ایک اشتہار

طاعون کے عنوان سے 17 مارچ 1901ء کو شائع فرمایا جس میں اپنی مذکورہ بالا پیشگوئی یاد دلانے کے بعد حضورؑ نے لکھا:۔

''سواے عزیزو! اسی غرض سے پھر یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ سنبھل جاؤ اور خدا سے ڈرو اور ایک پاک تبدیلی دکھلاؤ تا خدا تم پر رحم کرے اور وہ بلا جو بہت نزدیک آ گئی ہے خدا اس کو نابود کرے۔ اے غافلو! یہ ہنسی اور ٹھٹھے کا وقت نہیں ہے۔ یہ وہ بلا ہے جو آسمان سے آتی اور صرف آسمان کے خدا کے حکم سے دور ہوتی ہے۔''

(مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 500۔اشتہار مورخہ 17 مارچ 1901ء)

آخر جب آپ کی ان تنبیہات سے لوگوں نے کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ اپنی سرکشی اور بے باکی میں بڑھتے گئے تو خدائے ذوالجلال کا غضب اور بھڑکا اور 1902ء میں طاعون نے اس قدر زور پکڑا کہ لوگ کتوں کی طرح مرنے لگے اور گھروں کے گھر خالی ہوگئے اور لاشیں گھروں میں سڑنے لگیں کیونکہ طاعون کی دہشت کی وجہ سے کوئی انہیں اٹھا کر دفن کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا اور جو جرأت کرتا بھی تھا تو وہ کثرت وشدت مرض کی وجہ سے ایک انار اور صد بیمار کا مصداق ہوتا تھا۔

یہ حالات دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رحیم وکریم دل میں پھر خلقِ خدا کی بھلائی نے جوش مارا اور ایک مرتبہ پھر حضور نے ہدایات الٰہیہ کی روشنی میں دافع البلاء ومعیار اہل الاصطفاء کے نام سے ایک رسالہ شائع فرمایا جس میں ایک تو ظاہری صفائی کی تلقین فرمائی اور دوسرے طاعون کے حملوں کے اصل اور حقیقی علاج کی طرف توجہ دلائی کہ وہ لوگ اپنے گناہوں اور شرارتوں سے توبہ کرکے اپنے خالق ومالک حقیقی سے سچی صلح کریں۔اسی کتاب میں آپ نے لوگوں کو وہ الہام بھی

یاد دلایا جسے آپ 26 مئی 1898ء کے اشتہار میں شائع فرما چکے تھے کہ:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ.

یعنی خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس بلائے طاعون کو ہرگز دور نہیں کرے گا جب تک لوگ ان خیالات کو دور نہ کرلیں جو ان کے دلوں میں ہیں یعنی جب تک وہ خدا کے ماموراور رسول کو مان نہ لیں تب تک طاعون دور نہیں ہوگی اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا تاتم سمجھو کہ قادیان اسی لیے محفوظ رکھی گئی ہے کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔ (دافع البلاء روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 225،226)

غور کا مقام ہے کہ ایک شخص جسے لوگ نعوذ باللہ کذّاب اور دجّال کہتے تھے وہ ملک میں طاعون کی آمد سے چار سال قبل جبکہ اس موذی مرض کا نام ونشان بھی اس ملک میں موجود نہ تھا طاعون کی خبر دیتا ہے پھر ایسے وقت میں جب کہ مرض پوری شدت کے ساتھ ملک میں پھیل گئی اور لوگ کتوں کی طرح مرنے لگے اپنی اور اپنے اہل وعیال اور اپنے گھر اور اپنے مولد ومسکن کی عصمت وحفاظت کی الہامی خبر ان الفاظ میں دیتا ہے اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ ...... وَاُحَافِظُکَ خَاصَّۃً۔ (تذکرہ صفحہ 350 مطبوعہ 2004ء) جو لوگ تیرے گھر کی چاردیواری میں ہوں گے میں انکی خود حفاظت کروں گا اور تیری خاص طور پر حفاظت کروں گا۔ پھر یہی نہیں بلکہ اپنے مخالفین کو چیلنج کرتا ہے کہ اگر ان کا بھی خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق ہے تو وہ بھی اس قسم کا دعوی شائع کر کے دیکھ لیں اگر ان کے مساکن طاعون سے محفوظ رہے تو میں ان کو اولیاء اللہ میں سمجھ لوں گا مگر ہوا وہی جس کی اللہ تعالیٰ نے پہلے خبر دی تھی۔یعنی خود آپ اور آپ کے اہل وعیال اور آپ کے

گھر میں رہنے والے 80 کے قریب افراد حضورؑ کی پیشگوئی کے مطابق طاعون سے محفوظ رہے اور قادیان کو بھی طاعون کی خوفناک تباہی سے خدا تعالیٰ نے نسبتاً محفوظ رکھا اور دوسری طرف آپ کے مخالفین میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس میدانِ مقابلہ میں قدم رکھے۔ پس یہ پیشگوئی بھی آپ کے مامور من اللہ ہونے کی واضح اور بیّن دلیل ہے۔

پانچویں پیشگوئی ------آہ نادر شاہ کہاں گیا:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو 3 رمئی 1905ء کو ایک رؤیا ہوا: فرمایا:۔

صبح کے وقت لکھا ہوا دکھایا گیا ''آہ نادر شاہ کہاں گیا۔''

(تذکرہ صفحہ 461 مطبوعہ 2004ء)

یہ عظیم الشان پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ جب 1903ء میں اور اس کے بعد افغانستان کے شاہی خاندان کے حکم سے حضرت صاحبزادہ عبداللطیفؓ صاحب اور ان کے شاگرد رشید حضرت مولوی عبدالرحمانؓ صاحب حضرت اقدس علیہ السلام کی پیشگوئی شَاتَانِ تُذْبَحَانِ کے مطابق محض احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے ناحق اور بلا سبب کابل میں شہید کر دیئے گئے تو اس ظلم کی پاداش میں تمام افغانستان کو اور خصوصاً حکمران طبقہ کو خطرناک ہیضہ کی وباء سے دو چار ہونا پڑا اور وہاں ہزاروں باشندے موت کا شکار ہو گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر ایک الہام کے ذریعہ حضرت اقدس کو اطلاع دی ''تین بکرے ذبح کئے جائیں گئے۔''

(تذکرہ صفحہ 501 مطبوعہ 2004ء)

چنانچہ یہ الہام 1924ء میں آ کر پورا ہوا جب کہ افغانستان کے اسی حکمران شاہی خاندان کے آخری تاجدار امیر امان اللہ خان کے حکم سے اس زمانے میں جماعت احمدیہ کے مخلص فرد حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب اور

حضرت مولوی عبد الحلیم صاحب اور ملا نور علی صاحب اسی جرم یعنی احمدیت کی وجہ سے شہید کر دیئے گئے۔

ان واقعات کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ پسند نہ کیا کہ ملک افغانستان کی عنانِ حکومت اس خاندان کے ہاتھ میں رہے جس نے پانچ بے گناہ اور معصوم احمدیوں کو شہید کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو مٹانے کیلئے ایک نہایت ہی معمولی انسان حبیب اللہ المعروف بچہ سقہ کو اس تباہی و بربادی کے لئے کھڑا کر دیا اور اس نے صرف تین سو افراد پر مشتمل جمعیت کے ساتھ امان اللہ کو ایسی خطرناک شکست دی کہ وہ بری طرح ناکام ہو کر افغانستان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

اب ''آہ نادرشاہ کہاں گیا'' کی پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ جب بچہ سقّہ نے بغاوت کی تو جرنیل نادر خان جو بعض وجوہ مرض وغیرہ کی بنا پر 1923ء میں یورپ چلے گئے تھے افغانستان کی تباہی کو برداشت نہ کر سکے اور مریض ہونے کے باوجود کابل واپس آ گئے اور بچہ سقّہ کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے چاہا کہ اہل افغانستان جس کو چاہیں بادشاہ بنا لیں مگر انہوں نے آپ ہی کو بادشاہ بنانا منظور کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ مذکورہ بالا پیشگوئی کا پورا کرنا منظور تھا اس لئے الٰہی مشیت کے ماتحت ملک کے قدیم دستور کے خلاف انہوں نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ کے لئے انہیں نادر خان یا شاہ نادر خان کے نام سے نہ پکارا جائے بلکہ نادرشاہ کہہ کر پکارا جائے۔ چنانچہ آپ نادر خان سے نادرشاہ کہلانے لگے۔

چونکہ الٰہی نوشتے پورے ہونے تھے اس لئے نادرشاہ کہلانے کے ٹھیک چار سال کے بعد جبکہ وہ اپنے ملک کے ایک محبوب و مقتدر ہر دلعزیز بادشاہ تسلیم کئے جانے لگے تو 8 نومبر 1933ء کو جبکہ وہ اپنے محل دلکشا میں طالب علموں کو ایک کھیل کے مقابلہ کے نتیجہ میں انعامات تقسیم کر رہے تھے ان پر طالب علموں میں سے ہی

ایک طالب علم عبدالخالق نامی نے ایک گز کے فاصلہ سے متواتر تین فائر کر دیئے جن سے وہ جاں بحق ہو گئے اور یکدم وہ مجمع طرب مجمعِ عزا بن گیا اور لوگ بدحواس ہو کر یہ کہتے ہوئے بازاروں کی طرف دوڑ پڑے کہ نادر شاہ فوت ہو گئے اور کوئی شخص اپنے محبوب بادشاہ کو موت کے حملہ سے نہ بچا سکا۔اس غیر متوقع اور اچانک موت کے نتیجہ میں ملک بھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور لوگوں نے زبانِ حال سے کہا کہ

''آہ نادر شاہ کہاں گیا''

1905ء میں جب حضرت اقدسؑ نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی۔نادر شاہ کا بحیثیت بادشاہ کوئی وجود نہ تھا مگر عین اٹھائیس سال بعد خدائے علیم وخبیر نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ یہ پیشگوئی نہایت شان اور حیرت انگیز طور پر پوری ہوئی اور آپؑ کے منجانب اللہ ہونے پر گواہ ٹھہری۔

چھٹی پیشگوئی ------ تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد

حضرت اقدس کو 15 جنوری 1906ء کو الہام ہوا:۔

''تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد۔'' (تذکرہ صفحہ 503 مطبوعہ 2004ء)

ایران ایک بہت پرانا تاریخی ملک ہے۔عرصہ دراز سے اس ملک کے بادشاہوں کا لقب کسری چلا آتا تھا جس وقت مذکورہ بالا الہام شائع ہوا اس وقت ایران پر شاہ مظفر الدین قاچار شاہِ ایران حکمران تھے۔اس الہام کے صرف چند ماہ قبل 1905ء میں باشندگانِ ملک کے مطالبات کو قبول کر کے شاہ مظفر الدین پارلیمنٹ کے قیام کا اعلان کر چکے تھے اور لوگ اس اعلان سے خوش بھی تھے۔لیکن شاہ مظفر الدین قاچار اچانک 1907ء میں وفات پا گئے اور انکا ولی عہد مرزا محمد علی قاچار کسریٰ اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا مگر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ملک میں

بغاوت اور بادشاہ اور مجلس پارلیمنٹ میں اختلاف اور مخالفت شروع ہو گئی اور حالات اتنے بگڑ گئے کہ ایران کے دارالمبعوثین یعنی پارلیمنٹ ہاؤس کا ایک حصہ توپ خانہ سے اڑا دیا گیا اور بادشاہ نے پارلیمنٹ کو موقوف کر دیا۔ بادشاہ کے اس فعل سے ملک میں عام بغاوت بڑی شدت سے پھیل گئی اور آخر کار بادشاہ کی خاص باڈی گارڈ فوج بھی جس پر بادشاہ کو بڑا ناز تھا اس کے باغیوں کے ساتھ مل گئی اور اس طرح مرزا محمد علی قاچار شاہ کسریٰ ایران کے ایوان میں ایسا تزلزل پڑا کہ اسے 15 جولائی 1909ء کو اپنے حرم سمیت روسی سفارت خانہ میں پناہ لینی پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت پھر ہمیشہ کے لئے اس خاندان کے ہاتھ سے نکل گئی اور کسریٰ کا وجود دنیا سے مٹ گیا اور خدا کی مقدس وحی ''تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد'' پوری ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خدا کی طرف سے ہونے پر شاہد ناطق ثابت ہوئی۔

ساتویں پیشگوئی ------ اہل بنگال کی دلجوئی

حضرت اقدسؑ کو 11 فروری 1906ء کو الہام ہوا کہ:۔

''پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی۔''

(بدر 16 فروری 1906ء صفحہ 2 ۔تذکرہ صفحہ 508 مطبوعہ 2004ء)

اس پیشگوئی کی تفصیل یہ ہے کہ اکتوبر 1905ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن نے بنگال کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا ایک حصہ مشرقی بنگال اور آسام پر مشتمل تھا اور دوسرا حصہ مغربی بنگال جس میں بہار اور اڑیسہ بھی شامل تھے۔ ہندوؤں نے اس تقسیم کو اپنے حق میں نقصان دہ سمجھ کر بہت شور مچایا، جلسے کئے ،جلوس نکالے ،سرکاری عمارات کو نقصان پہنچایا،ٹرینوں پر بم پھینکے ،بعض انگریز افسروں کو قتل بھی کیا اور اس تقسیم کی منسوخی کیلئے پوری کوشش میں کوئی دقیقہ

فروگذاشت نہ کیا مگر گورنمنٹ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

لارڈ کرزن کی مدت ختم ہونے پر اس کی جگہ لارڈ منٹو آئے مگر انہوں نے بھی ہندوؤں کی ایک نہ مانی اور تقسیم قائم رہی اور پختہ سمجھ لی گئی اور جب اس میں ردوبدل کا بظاہر کوئی امکان نہ رہا تب مذکورہ بالا الہام تقسیم کی منسوخی کے متعلق ہوا جسے حضرت اقدس علیہ السلام نے شائع فرما دیا۔لوگوں نے اس پر طرح طرح کے اعتراضات کئے ۔مضحکہ اڑایا۔ پھبتیاں کسیں کہ جب سارے مراحل طے ہو چکے اور تقسیم اپنی جگہ قائم رہی تو اب اس کے خلاف الہام شائع کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

1910ء میں لارڈ منٹو بھی واپس چلے گئے اور لارڈ ہارڈ نگ وائسرائے بن کر آ گئے ان کے زمانے میں 1911ء میں شاہ انگلستان جارج پنجم کی ہندوستان میں رسم تاج پوشی کے انتظامات ہونے لگے تو لارڈ ہارڈ نگ نے از خود ہی ایک تجویز وزیر ہند کو پیش کر دی جس میں لکھا کہ اہل بنگال کی دلجوئی ہونی چاہیے اور بنگال کی تقسیم منسوخ کر دی جائے چنانچہ اس کے مطابق شہنشاہ جارج پنجم جب تاج پوشی کیلئے ہندوستان آئے اور دہلی میں دربار کا انعقاد ہوا جس میں ہندوستان بھر کے امراء،نواب ، رؤسا،عمائد اور والیان ریاست سب جمع تھے بادشاہ نے بذات خود اس تقسیم کی منسوخی کا اعلان کر کے بنگالیوں کی دل جوئی کر دی اور منسوخی کے اعلان میں پیشگوئی کے مطابق یہ الفاظ بھی استعمال کئے کہ یہ تنسیخ محض اہل بنگال کی دلجوئی کے لئے کی گئی ہے اور اس طرح بظاہر انتہائی مخالف حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی کو پورا فرما کر مضحکہ اڑانے اور استہزاء کرنے والے مخالفوں کو شرمندہ کیا اور اپنے پیارے مسیح کی صداقت ثابت کی۔

آٹھویں پیشگوئی ------ سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق

لدھیانہ میں ایک شخص سعد اللہ نامی نومسلم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے انہوں نے حضرت اقدس کی مخالفت میں ایک کتاب ''شہاب ثاقب بر مسیح کاذب'' کے نام سے لکھی جس میں فارسی اشعار میں حضرت اقدسؑ کو مخاطب کر کے لکھا:۔

اخذ یمین وقطع وتین است بہرتو بے رونقی وسلسلہ ہائے مزوّری

اکنوں بہ اصطلاح شما نام ابتلا است آخر بروز حشر وبایں دار خاسری

یعنی ''خدا کی طرف سے تیرے لئے مقدر ہو چکا ہے کہ خدا تجھے پکڑے گا اور تیری رگِ جان کاٹ دے گا۔ تب تیری موت کے بعد تیرا سلسلہ جو سراسر جھوٹا ہے تباہ و برباد کر دیا جائے گا اور اگرچہ تم کہتے ہو کہ ابتلاء بھی آیا کرتے ہیں مگر آخر تو حشر کے روز بھی اور اس دنیا میں بھی خائب وخاسر اور نامراد رہے گا۔''

اس کے بعد وہ گندہ دہانی میں بڑھتا چلا گیا آخر اس نے 16 ستمبر 1897ء کو حضورؑ کے متعلق ایک نہایت گندی اور ناپاک تحریر شائع کی جس میں حضرت اقدس کو ابتر بھی لکھا۔ حضرت اقدس نے اس کی اس کارروائی کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر کے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کے اس کی نسبت انکشاف فرمانے پر آپ نے اپنی کتاب انوار الاسلام میں اسے لکھا:۔

''حق سے لڑتا رہ آخر اے مردار دیکھے گا کہ تیرا کیا انجام ہوگا۔ اے عدو اللہ تو مجھ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے لڑ رہا ہے بخدا مجھے اسی وقت 29 ستمبر 1894ء کو تیری

نسبت یہ الہام ہوا ہے ''اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالْاَبْتَرُ''۔ اس الہامی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ سعد اللہ جو تجھے ابتر کہتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تیرا (حضرت اقدسؑ کا۔ ناقل) سلسلہ اولاد اور دوسری برکات کا منقطع ہو جائے گا ایسا ہرگز نہیں ہو گا بلکہ وہ خود ابتر رہے گا۔ (انوارالاسلام روحانی خزائن جلد9 صفحہ 85، 86 واشتہار 5 اکتوبر 1894ء)

گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کی دعا کے نتیجہ میں اپنا فیصلہ صادر فرما دیا کہ آپ نہیں بلکہ سعد اللہ ابتر رہے گا اور اس کی پیشگوئی جھوٹی ثابت ہوگی۔ چنانچہ ان تحریروں اور پیشگوئیوں کی اشاعت کے بعد حضرت اقدس کے ہاں تین لڑکے پیدا ہوئے مگر سعد اللہ نومسلم کے ہاں کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا نہ ہوئے اور جو اولاد اس کے ہاں پہلے پیدا ہو چکی تھی وہ پہلے ہی مر چکی تھی سوائے صرف ایک چودہ پندرہ سالہ محمود نامی بیٹے کے جس نے ایک چھوڑ دو شادیاں بھی حضرت اقدس کے مخالفین کے آمادہ کرنے پر کیں مگر اس کے ہاں بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ سعد اللہ خود بھی اس پیشگوئی کی اشاعت کے بعد 12 سال زندہ رہا لیکن کوئی اولاد اس کے ہاں نہ ہوئی اور اسکی سالہا سال کی گریہ وزاری اور دعاؤں کا کوئی اثر نہ ہوا اور اسے اولاد کی حسرت ہی رہی۔ چنانچہ مرنے سے پہلے اس نے فارسی میں مناجات ''قاضی الحاجات'' نامی میں ذیل کے شعروں میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ بھی کیا کہ اسے اولاد سے محروم رکھا گیا ہے ؎

جگر گوشہ ہا دادی اے بے نیاز ولے چند زانہا گرفتی تو بار
دل من بنعم البدل شاد کن بلطف از غم وغصہ آزاد کن

یعنی ''اے بے نیاز تو نے مجھ کو اولاد دی تھی مگر ان میں سے بعض کو تو نے واپس لے لیا۔ اب میرے دل کو ان کے عوض میں اور اچھی اولاد دے کر شاد کر اور اپنے لطف کے ساتھ مجھے رنج وغم سے آزاد کر۔''

اس کے ان دردناک شعروں پر نظر ڈال کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اولاد نہ ہونے اور مرجانے سے کس قدر حسرتیں اس کے دل میں بھری ہوئی تھیں اور وہ اس دردوغم میں کس قدر بے تاب تھا۔ لیکن وہ اس غم وہم سے نجات نہ پاسکا اور اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اس کے ایک ہی لڑکے کی شادی 29 سال کی عمر میں اس کی زندگی میں ہوئی اور بڑے اہتمام سے سعد اللہ نے خود اس شادی کا سب انتظام کرایا مگر اس میں شریک ہونے کا موقع خدا تعالیٰ نے اُسے نہ دیا اور پہلے 3 جنوری 1907ء کو طاعون میں مبتلا ہو کر اس جہاں سے چل بسا۔

ایک مدت گزر جانے کے بعد مولوی ثناء اللہ وغیرہ مخالفین نے اس کے لڑکے کی دوسری شادی بھی کروائی مگر اس سے اسکے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اور وہ بھی 12 جولائی 1926ء کو اپنے باپ کی طرح ابتر ہی مرگیا اور خدا کی بات پوری ہوئی۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِی الْاَبْصَارِ!

نویں پیشگوئی - ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت:۔

کوریا کا ملک ایک جزیرہ نما ملک ہے جو جاپان کے عین سامنے واقع ہے 1904ء تک یہ چین کے ماتحت تھا اور اس قدر غیر معروف ملک تھا کہ عام پڑھے لکھے لوگ بھی اس کے نام سے ناآشنا تھے اس زمانہ میں تقریباً جون 1904ء میں حضرت اقدس کو الہام ہوا:

''ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت۔''

(تذکرہ صفحہ 429 مطبوعہ 2004ء)

قادیان کی چھوٹی سی بستی میں بیٹھا ہوا ایک دنیوی سیاست سے ناواقف شخص جس کا کسی بڑے شہر سے بھی اتصال نہیں تھا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا ہے کہ مشرق میں ایک طاقت پیدا ہوگی جس کی وجہ سے کوریا کی حالت

نازک ہو جائے گی ۔اس کا یہ دعویٰ ظاہری لحاظ سے یقیناً تعجب انگیز ہے اور پورا ہونے کی صورت میں یقیناً معجزانہ رنگ رکھتا ہے ۔تاریخ دان جانتے ہیں کہ 1904ء میں ساری بڑی بڑی سلطنتیں اور طاقتیں مغرب تک ہی محدود تھیں اور مشرق میں کوئی طاقت اس وقت موجود نہیں تھی جو اہمیت کی حامل ہو یا جسے طاقت کہا جاسکے۔جاپان اس وقت ایک بالکل چھوٹی سی سلطنت تھی اور حضرت اقدس کے اس الہام کے بعد ہی مشرق میں ایک عظیم طاقت مانی جانے لگی تھی ۔روس یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح کوریا پر قبضہ کر لے مگر جاپان کوریا پر روس کے قبضہ کو اپنی موت سمجھتا تھا۔ آخر 1905ء میں اسی بات پر دونوں ملکوں یعنی روس اور جاپان میں خونریز جنگ شروع ہوگئی ۔اس زمانے میں روس اور جاپان کا مقابلہ کوئی مقابلہ نہیں تھا بلکہ باز کا چڑیا کے ساتھ لڑنا تصور کیا جاتا تھا کیونکہ جاپان روس کے مقابل پر کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا تھا ۔مگر خدا کا فرمودہ بہرحال پورا ہونا تھا اس جنگ میں دنیا کے اندازوں اور امیدوں کے صریح خلاف روس باوجود اپنی بہت بڑی جنگی قوت کے جاپان کے مقابلہ میں حیرت انگیز طور پر شکست کھا گیا اور اس کا مایہ ناز جنگی بیڑا جاپان کے سمندر میں تباہ ہوگیا اور اس طرح کوریا پر جاپان کا تسلط وقبضہ تسلیم ہوکر حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی ''ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت'' نہایت آب وتاب کے ساتھ پوری ہوئی۔

دسویں پیشگوئی------ شہزادہ دلیپ سنگھ کے متعلق:۔

جب پنجاب کو انگریزوں نے فتح کیا تو مصالحِ ملکی کے ماتحت راجہ دلیپ سنگھ صاحب جو اس وقت وارثِ تختِ پنجاب سمجھے جاتے تھے مگر ابھی چھوٹی عمر کے تھے انگلستان لے جائے گئے چنانچہ وہ وہیں رہے ،وہیں جوان ہوئے مگر انہیں

ہندوستان واپس آنے کی اجازت نہ دی گئی یہاں تک کہ پنجاب پر انگریزی تسلط پوری طرح ہوگیا۔غدر کے بعد دہلی کی مغلیہ حکومت بھی کلیۃً مٹ گئی اور کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ رہا۔اس وقت راجہ دلیپ سنگھ نے پنجاب آنے کا ارادہ کیااور اجازت بھی مل گئی اور عام طور پر مشہور ہو گیا کہ وہ عنقریب آنے والے ہیں اس وقت حضرت اقدسؑ کو الہامًا بتایا گیا کہ وہ اس ارادے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ آپ نے بہت سے لوگوں کو خصوصاً ہندوؤں کو اس کے متعلق اطلاع دے دی اور ایک اشتہار میں بھی اشارتاً لکھ دیا کہ ایک نووارد رئیس پنجاب کو ابتلاء پیش آئے گا۔چنانچہ حضورؑ نے لکھا :۔

اشتہار 20 فروری 1886ء جس میں لکھا ہے کہ امیر نووارد پنجابی الاصل کے متعلق متوحش خبریں.....اس سے مراد دلیپ سنگھ ہے۔

اس کے بعد اشتہار واجب الاظہار میں لکھا :۔

''ہم نے صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو مختلف شہروں میں بتلا دیا تھا کہ اس شخص پنجابی الاصل سے مراد دلیپ سنگھ ہے جس کے پنجاب میں آنے کی خبر مشہور ہو رہی ہے،لیکن اس ارادہ سکونت پنجاب میں وہ ناکام رہے گا بلکہ اس سفر میں اس کی عزت آسائش یا جان کا خطرہ ہے بالآخر اس کو مطابق اسی پیشگوئی کے بہت حرج اور تکلیف اور سبکی اور خجالت اٹھانی پڑی اور وہ اپنے مدّعا سے محروم رہا۔''

جب حضور نے یہ پیشگوئی شائع کی اور مختلف ہندوؤں اور مسلمانوں کو بتائی اس وقت کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ دلیپ سنگھ ہندوستان آنے سے روک دیئے جائیں گے بلکہ اس کے برعکس یہ خبر گرم تھی کہ وہ ہندوستان آ رہے ہیں اور عنقریب پہنچنے والے ہیں مگر اسی عرصہ میں گورنمنٹ کو احساس ہوا کہ راجہ دلیپ سنگھ صاحب کا

ہندوستان آنا حکومت کے مفاد کے خلاف ہوگا اور اس سے سیاسی فتنے اور بغاوت کا خطرہ ہے لہٰذا انہیں راستے ہی سے یعنی عدن تک پہنچنے کے بعد روک دیا گیا اور یہ روک دیئے جانے کی خبر اس وقت معلوم ہوئی جبکہ لوگ یہ سمجھ چکے تھے کہ وہ چند ہی روز میں داخلِ ہندوستان ہوا چاہتے ہیں اگرچہ سکھوں کی امیدوں کو اس سے سخت صدمہ پہنچا لیکن خدائے عالم الغیب ذوالجلال کا جلال ظاہر ہوا اور اس کے مامور کی پیشگوئی پوری ہوکر اس کی صداقت پر مہر ثبت کرگئی۔

گیارھویں پیشگوئی ------ پہلی جنگ عظیم:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان پیشگوئیوں میں ایک پیشگوئی ۱۹۱۴ء والی پہلی جنگ عظیم کے متعلق ہے جو اپنی تمام علامات کے ساتھ بڑی شان سے پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اور حضرت اقدس کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے۔

یہ پیشگوئی 1905ء میں شائع کی گئی تھی۔اور وہ الہامات جن میں اس جنگ کی خبر دی گئی تھی یہ ہیں:۔

تازہ نشان۔تازہ نشان کا دھکہ۔زَلْـزَلَةُ السَّاعَةِ۔ قُـوْا اَنْفُسَكُمْ . نَزَلْتُ لَكَ. لَكَ نُرِیْ اٰیَاتٍ وَنَهْدِمُ مَا يَعْمَرُوْ نَ. قُلْ عِنْدِیْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُؤْ مِنُوْنَ. (تذکرہ صفحہ 450، 451ایڈیشن 2004ء)

ترجمہ : قیامت کا نمونہ زلزلہ اپنی جانوں کو بچاؤ۔میں تیری خاطر نازل ہوا۔ہم تیری خاطر بہت سے نشان دکھائیں گے۔اور جو کچھ وہ تعمیر کر رہے ہیں ہم منہدم کردیں گے۔

مذکورہ بالا الہامات میں جو نشانیاں اور علامات اس زلزلہ یا مصیبتِ عظمیٰ کی بیان کی گئی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد کوئی ظاہری اور معمولی

زلزلہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسی ہمہ گیر آفت ہے جس سے دنیا پر ہولناک تباہی آئے گی۔

حضرت اقدس نے خود ان الہامات کی تشریح میں لکھا ہے کہ:۔

> زلزلہ کے الفاظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا ممکن ہے یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھادے جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 151 حاشیہ)

مذکورہ بالا الہاموں کے علاوہ اسی عرصہ میں آپ کو یہ الہام بھی ہوئے ''کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کُشتیاں''، ''لنگر اٹھا دو'' جو کہ صریح طور پر جنگ کی طرف اشارہ کرتے ہیں نیز اس زلزلے کی آفتِ عظیمہ کی تشریح حضورؑ نے اپنی ایک نظم میں بھی ایسی ہی فرمائی ہے جو صاف طور پر جنگِ عظیم پر صادق آتی ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں

اِک نشاں ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد
جس سے گردش کھائیں گے دیہات و شہر اور مرغزار
آئے گا قہر خدا سے خلق پر اک انقلاب
اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار
اک جھپک میں یہ زمین ہو جائے گی زیر وزبر
نالیاں خون کی چلیں گی جیسے آب رودبار
رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگ یاسمن
صبح کر دے گی انہیں مثل درختان چنار

ہوش اڑ جائیں گے انسان کے پرندوں کے حواس
بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار
خون سے مردوں کے کوہستان کے آب رواں
سرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شراب انجبار
مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جنّ وانس
زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی با حال زار
اک نمونہ قہر کا ہو گا وہ ربانی نشان
آسمان حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار
وحی حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا
کچھ دن صبر کر ہو کر متقی اور بردبار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 151،152)

مذکورہ بالا تمام الہامات اور پیشگوئیوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اس آفت ،اس زلزلہ اور عالمگیر مصیبت سے مراد 1914ء والی جنگِ عظیم تھی۔ پیشگوئی میں بتایا گیا ہے کہ وہ زلزلہ کسی خاص علاقہ پر نہیں بلکہ ساری دنیا پر محیط ہو گا اس میں بڑے بڑے بحری بیڑے استعمال میں آئیں گے جنہیں لنگر اٹھانے کا حکم ہوگا۔اور یہ مصیبت معمولی نہیں ہوگی بلکہ قیامت کا نظارہ پیش کرے گی جس کی نظیر زمانے نے کبھی نہ دیکھی ہوگی اور اس کے نتیجہ میں بعض حکومتیں مٹ جائیں گی بعض کمزور ہو جائیں گی مگر بعض حکومتیں طاقت پکڑ جائیں گی ۔کئی پہاڑ اور آبادیاں اور بستیاں ،شہر ،عمارتیں ،محلات وغیرہ گولہ باری سے اڑا دیئے جائیں گے۔کھیت اور باغ اور چرند و پرند، دریا،سمندر غرض کہ

کوئی چیز بھی اس جنگ سے محفوظ نہیں ہوگی۔ بڑے بڑے بادشاہ حتّٰی کہ ''زارِ روس'' جوکہ دنیا کا عظیم ترین بادشاہ سمجھا جاتا ہے وہ بھی اس جنگ کے نتیجہ میں ملیا میٹ کر دیا جائے گا۔ زمین الٹ پلٹ ہوجائے گی یعنی گولہ باری اور جنگی مہلک سامانوں سے اس میں غاریں اور گڑھے پڑجائیں گے۔ خون کی نالیاں چلیں گی۔ پس ان سب علامات اور پیش خبریوں کے مطابق 1914ء میں جرمنی اور اتحادیوں کے درمیان بے مثال ہولناک جنگ چھڑی جس نے ساری دنیا اور تمام کرہ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ایسی خوفناک تباہی آئی جو تمام نوعِ بشر بلکہ جاندار و غیر جاندار چیز کے لیے ایک عظیم زلزلہ اور عذاب عظیم کا موجب بن گئی اور اس طرح 1914ء سے 1918ء تک یہ الٰہی نوشتے مِن و عَنْ پورے ہوکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا موجب ہوئے۔

اس جنگ میں سب سے زیادہ واضح اور عبرت آفرین شہنشاہ زار روس کی حالتِ زار اور اس کا ہولناک انجام ہے جوکہ پیشگوئی کے عین مطابق ظہور میں آیا اور خدائی نوشتہ ''زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار'' ظاہر و باہر طور پر پورا ہوتا دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کیونکہ زار روس کی سلطنت باغیوں کے ہاتھوں مٹ گئی۔

بارھویں پیشگوئی --- مصلح موعود اور مبشر اولاد کے متعلق:۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی کہ آپ کے ذریعہ جو سلسلہ حمایت و غلبہ اسلام کے لئے قائم کیا گیا ہے وہ آپ کی وفات کے بعد ہمیشہ کے لئے قائم رہے گا اور ترقی کرتا چلا جائے گا اور آپؑ کی جماعت خاندان اور مبشر اولاد کے ذریعہ حمایت اسلام کی ایک خاص بنیاد پڑے گی جو دنیا میں آئندہ اسلام کی سچائی اور خاص شان و شوکت کے اظہار کا موجب ہوگی اور یہ بشارت نہ صرف

حضرت اقدس کو ہی دی گئی بلکہ آج سے چودہ سو سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسیح موعود کے متعلق پیشگوئی کے طور پر فرمایا یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَهٗ (مشکوٰۃ باب نزول عیسٰی) کہ جب مسیح موعود کا آخری زمانے میں ظہور ہوگا تو وہ شادی کرے گا اور اس کے سلسلہ کی تقویت وترقی کیلئے اس کے ہاں اولاد ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے متعلق اس بشارت کے ذکر میں فرمایا ہے:۔

خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اِسلام کی ڈالے گا۔ اور اِس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا۔ جو آسمانی رُوح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ اِس لئے اُس نے پسند کیا کہ اِس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اِس سے وہ اولاد پیدا کرے جو اُن نوروں کو جِن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے دُنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہر بانو تھا۔ اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہوگی۔ اِس کا نام نُصرت جہاں بیگم ہے۔ یہ تفاول کے طور پر اِس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آئندہ خاندان کی بُنیاد ڈالی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اُس کی پیشگوئی مخفی ہوتی ہے۔

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 275)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا پیشگوئی کے متعلق حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:۔

مسیح موعود کی خاص علامتوں میں یہ لکھا ہے کہ وہ...... بیوی کرے گا

اوراس کی اولاد ہوگی ...... یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدااس کی نسل سے ایک ایسے شخص کو پیدا کرے گا جواس کا جانشین ہوگا اور دینِ اسلام کی حمایت کرے گا جیسا کہ میری بعض پیشگوئیوں میں یہ خبر آ چکی ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 320 تا 325)

حضرت اقدس کے اس جانشین اور دینِ اسلام کی خاص حمایت کرنے والے پسر موعود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے الہامی طور پر جو خبریں حضور کو دیں وہ اپنے اصل الفاظ میں درج ذیل ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

''سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت ونسل ہوگا .... اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا ۔وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا..... دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔فرزند دلبند گرامی ءارجمند مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَ الْآخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ۔جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ (تذکرہ۔صفحہ 109 تا 111 مطبوعہ 2004ء)

اس موعود اور خاص فرزند کے متعلق حضور علیہ السلام تحفہ گولڑویہ میں فرماتے ہیں:۔

خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کے لئے تجھ سے ہی اور تیری ہی نسل میں سے ایک شخص کھڑا کیا جائے گا جس میں روح القدس کی برکات پھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت پاک تعلق رکھنے والا ہوگا اور **مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ** ہوگا گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 181، 182)

چنانچہ خدا کے فضل وکرم سے یہ مسیحی صفت اور مصلح موعود بیٹا مذکورہ بالا پیشگوئیوں اور ربانی خبروں کے عین مطابق 12 جنوری 1889ء کو عالم وجود میں آیا۔ اس کا نام نامی بشیر الدین محمود احمد الہامات کے مطابق رکھا گیا۔ چونکہ اس موعود کا ایک الہامی نام فضل عمر بھی تھا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی وفات کے بعد 1914ء میں آپ حضرت عمرؓ کی طرح دوسرے خلیفۃ المسیح الثانی مقرر ہوئے اور تقریباً نصف صدی تک آپؓ نے حمایت اسلام کے بے نظیر کارنامے سرانجام دے کر ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کا نظام قائم کر دیا۔ **اللّٰھم اغفرلہ وارفع درجاتہ فی اعلیٰ علّیّین۔**

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے تین بیٹے بھی الٰہی بشارتوں اور پیشگوئیوں کے مطابق پیدا ہوئے جنہیں حضرت اقدسؑ نے ان میں سے ہر ایک کی پیدائش سے پہلے واضح طور پر شائع فرما دیا تھا۔ چنانچہ حضورؑ اپنے جملہ بیٹوں کی پیدائش کی بشارتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان چاروں لڑکوں (یعنی مصلح موعود سمیت) کے پیدا ہونے کی نسبت پیشگوئی کی تاریخ اور پھر پیدا ہونے کے وقت پیدائش کی تاریخ یہ ہے

کہ محمود جو میرا بڑا بیٹا ہے۔اس کے پیدا ہونے کے بارے میں اشتہار دہم جولائی 1888ء میں اور نیز اشتہار یکم دسمبر 1888ء میں جو سبز رنگ کے کاغذ پر چھاپا گیا تھا۔ پیشگوئی کی گئی اور سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا کہ اس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائے گا ...... جب کہ اِس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پر پہنچ چکی ......تب خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے 12 جنوری 1889ء کو مطابق 9/جمادی الاوّل 1306ھ میں بروز شنبہ محمود پیدا ہو......اور میرا دُوسرا لڑکا جس کا نام بشیر احمد ہے۔اس کے پیدا ہونے کی پیشگوئی آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ 266 میں کی گئی ہے...... پھر جب یہ کتاب ......جس کا دُوسرا نام دافع الوساوس بھی ہے۔فروری 1893ء میں شائع ہوگئی......تو 20 اپریل 1893ء کو...... اِس پیشگوئی کے مطابق وہ لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بشیر احمد رکھا گیا......اور میرا تیسرا لڑکا جس کا نام شریف احمد ہے اِس کے پیدا ہونے کی پیشگوئی میرے رسالہ انوار الاسلام صفحہ 39 کے حاشیہ پر درج ہے۔اور یہ رسالہ ستمبر 1894ء میں شائع ہوا تھا ...... یہ لڑکا یعنی شریف احمد 24 مئی 1895ء کو مطابق 27 ذیقعد 1312ھ پیدا ہوا۔ ...... اور میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے۔اس کی نسبت پیشگوئی اشتہار 20 فروری 1886ء میں کی گئی۔اور پھر انجام آتھم کے صفحہ 183 میں بتاریخ 14 ستمبر 1896ء یہ پیشگوئی کی گئی۔اور رسالہ انجام آتھم صفحہ 58 میں اِس شرط کے ساتھ پیشگوئی کی گئی کہ عبدالحق غزنوی جو امرتسر میں مولوی عبدالجبار غزنوی کی جماعت میں رہتا ہے نہیں مرے گا جب تک یہ چوتھا بیٹا پیدا نہ ہولے۔اور اس صفحہ 58 میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اگر عبدالحق غزنوی ہماری مخالفت میں حق پر ہے اور جناب

الٰہی میں قبولیت رکھتا ہے تو اِس پیشگوئی کو دُعا کر کے ٹال دے...... سو خدا تعالیٰ نے میری تصدیق کے لئے اور تمام مخالفوں کی تکذیب کیلئے اور عبد الحق غزنوی کو متنبہ کرنے کے لئے اِس پسر چہارم کی پیشگوئی کو 14 جون 1899ء میں...... بروز چارشنبہ پورا کر دیا یعنے وہ مولود مسعود چوتھا لڑکا تاریخ مذکورہ میں پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اصل غرض اِس رسالہ کی تالیف سے یہی ہے کہ تا وہ عظیم الشان پیشگوئی جس کا وعدہ چار مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا تھا۔ اس کی ملک میں اشاعت کی جائے کیونکہ یہ انسان کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ یہ منصوبہ سوچے کہ اوّل تو مشترک طور پر چار لڑکوں کے پیدا ہونے کی پیشگوئی کرے...... اور پھر ہر ایک لڑکے کے پیدا ہونے سے پہلے اُس کے پیدا ہونے کی پیشگوئی کرتا جائے اور اس کے مطابق لڑکے پیدا ہوتے جائیں۔ یہاں تک کہ چار کا عدد جو پہلی پیشگوئیوں میں قرار دیا تھا وہ پورا ہو جائے...... کیا ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ مفتری کی ایسی مسلسل طور پر مدد کرتا جائے...... کیا کبھی مفتری کی تائید خدا نے ایسی کی یا صفحہ دُنیا میں اس کی کوئی نظیر بھی ہے؟ ...... کہ فلاں شخص نہیں مرے گا جب تک وہ پسر چہارم پیدا نہ ہو لے۔ پس اس کے قول کے مطابق پسر چہارم بھی پیدا ہو جاتا ہے...... اور کیا آسمان کے نیچے یہ قوت کسی کو دی گئی ہے کہ اِس زور شور کی مسلسل پیشگوئیاں میدان میں کھڑا ہو کر شائع کرے اور پھر وہ برابر پوری ہو جائیں۔

(ضمیمہ تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 219، 222)

دلیل ہفتم:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''صحیح دار قطنی میں ایک حدیث ہے کہ امام محمد باقر فرماتے ہیں اِنّ

لمھدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق السمٰوٰت والارض ینکسف القمر لاوّل لیلۃٍ من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منہ۔‘‘

ترجمہ : یعنی ہمارے مہدی کے لئے دونشان ہیں اور جب سے کہ زمین و آسمان خدا نے پیدا کیا یہ دونشان کسی اور ماموراور رسول کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مہدی معہود کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں چاند کا گرہن اُس کی اوّل رات میں ہوگا یعنی تیرھویں تاریخ میں اور سورج کا گرہن اُس کے دِنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا۔ یعنی اسی رمضان کے مہینہ کی اٹھائیسویں تاریخ کو اور ایسا واقعہ ابتدائے دُنیا سے کسی رسول یا نبی کے وقت میں کبھی ظہور میں نہیں آیا صرف مہدی معہود کے وقت اُس کا ہونا مقدر ہے۔ اب تمام انگریزی اور اُردو اخبار اور جملہ ماہرین ہیئت اِس بات کے گواہ ہیں کہ میرے زمانہ میں ہی جس کو عرصہ قریباً بارہ سال کا گذر چکا ہے اِسی صفت کا چانداور سورج کا گرہن رمضان کے مہینہ میں وقوع میں آیا ہے ......اور چونکہ اس گرہن کے وقت میں مہدی معہود ہونے کا مدعی کوئی زمین پر بجز میرے نہیں تھا اور نہ کسی نے میری طرح اس گرہن کو اپنی مہدویت کا نشان قرار دے کر صدہا اشتہار اور رسالے اُردو اور فارسی اور عربی میں دنیا میں شائع کئے اِس لئے یہ نشانِ آسمانی میرے لئے متعین ہوا...... یہ عظیم الشان نشان ہے جو مجھ سے پہلے ہزاروں علماء اور محدثین اس کے وقوع کے اُمیدوار تھے اور منبروں پر چڑھ چڑھ کر اور رو رو کر اس کو یاد دلایا کرتے تھے چنانچہ سب سے آخر مولوی محمد لکھوکے والے اسی زمانہ میں اسی گرہن کی نسبت اپنی کتاب احوال الآخرت میں ایک شعر لکھ گئے ہیں جس میں مہدی موعود کا وقت بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے:۔

تیرھویں چند ستیہویں سورج گرہن ہوسی اُس سالے
اندر ماہ رمضانے لِکھیا ہک روایت والے

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 202 تا 205)

یہ گرہن 1311ھ مطابق 1894ء میں لگے۔ نیز فرماتے ہیں:۔

یہ پیشگوئی چار پہلو رکھتی ہے۔ (1) یعنی چاند کا گرہن اس کی مقررہ راتوں میں سے پہلی رات میں ہونا۔ (2) سورج کا گرہن اس کے مقررہ دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہونا۔ (3) تیسرے یہ کہ رمضان کا مہینہ ہونا۔ (4) چوتھے مدعی کا موجود ہونا جس کی تکذیب کی گئی ہو۔ پس اگر اس پیشگوئی کی عظمت کا انکار ہے تو دنیا کی نظیر میں سے اس کی نظیر پیش کرو۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 136)

دلیل ہشتم :

ابوداؤد کی حدیث میں روایت ہے :۔

اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَأۡسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا.

(ابو داؤد کتاب الملاحم باب ما یذکر فی قدر قرن المائۃ)

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ اس اُمّت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایسے شخص کو مبعوث فرماتا رہے گا جو اس امت کے لئے اس کے دین کی تجدید کرتا رہے۔

اس حدیث کی روشنی میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے کہ آپؑ ہی چودھویں صدی کے مجدّد ہیں۔ آپ کے زمانہ میں کسی اور شخص

نے مجدد من اللہ ہونے کا دعویٰ تک نہیں کیا۔لہٰذا یہ امر اس بات کی روشن دلیل ہے کہ فی الوقع آپ ہی تجدید اسلام کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے زمانہ میں کسی نے مجددیت کا جھوٹا دعویٰ بھی نہ کیا حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر آپؑ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتے تو خدا تعالیٰ آپ کے بالمقابل کسی اور شخص سے اپنی مجددیت کا اعلان کرواتا اور پھر وہ مقابلہ کر کے آپؑ کو شکست دے دیتا۔

دلیل نہم :۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہود کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:۔

قُلْ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. (الجمعة : 7)

ترجمہ: اے رسول کہہ دے اے لوگو جو یہودی ہوئے اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے پیارے ہو سوائے ان لوگوں کے (جو مسلمان ہیں) تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم صادق ہو۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ موت کی تمنا کرنے والا اگر اس تمنا کے بعد جلد ہلاک ہونے سے بچ جائے تو یہ امر اس بات کی صداقت پر گواہ ہوگا اگر کوئی غلط فہمی سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا پیارا سمجھتا ہو اور موت کی تمنا کر بیٹھے تو پھر اس کی موت نشان بن جاتی ہے جیسے ابو جہل نے جنگ بدر میں یہ تمنا کی کہ اے خدا جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے اس کو اسی جگہ موت دیدے چنانچہ وہ جنگ بدر میں مارا گیا اور اس کی موت اسلام کی صداقت کا نشان بن گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جھوٹا سمجھتے ہوئے اور مقابلے میں اپنے

آپ کو سچا سمجھتے ہوئے جن جن لوگوں نے آپؑ کیلئے بددعا کی اور آپ کے سچا ہونے کی صورت میں ازخود اپنی موت چاہی وہ سب کے سب ہلاک ہوئے۔

حضرت مسیح موعود نے لوگوں کو یہ یقین دلانے کیلئے کہ آپؑ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی:۔

اے قدیر و خالقِ ارض و سما　　اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بردلہا نظر　　اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر　　گر تو دید استی کہ ہستم بدگہر
پارہ پارہ کن منِ بدکار را　　شاد کُن ایں زُمرۂ اغیار را
بر دل شاں ابرِ رحمت ہا ببار　　ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برآر
آتش افشاں بردر و دیوارِ من　　دشمنم باش و تبہ کن کارِ من
در مرا از بندگانت یافتی　　قبلہ من آستانت یافتی
در دل من آں محبت دیدۂ　　کز جہاں آں راز را پوشیدۂ
با من از روئے محبت کارکن　　اند کے افشاء آں اسرار کن

(حقیقۃ المہدی۔ روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 434)

ترجمہ : اے قادر اور آسمان و زمین کو پیدا کرنے والے! اے رحیم مہربان اور رہنما! اے وہ کہ جو دلوں پر نظر رکھتا ہے! اے وہ ہستی کہ تجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اگر تو مجھے نافرمانی اور شرارت سے بھرا ہوا دیکھتا ہے۔ اگر تُو نے مجھے دیکھ لیا ہے کہ میں بداصل ہوں تو مجھ بدکار کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال اور میرے مخالفوں کے گروہ کو خوش کر دے۔ ان کے دلوں پر اپنی رحمت کا بادل برسا اور اپنے فضل سے ان کی ہر مراد پوری کر دے اور میرے در و دیوار پر آگ برسا۔ میرا دشمن ہو جا اور میرا کاروبار تباہ کر دے۔ لیکن اگر تُو نے مجھے

اپنا فرمانبردار پایا ہے اور میرے دل میں وہ محبت دیکھی ہے جس کا بھید تُو نے دنیا سے پوشیدہ رکھا ہے تو مجھ سے محبت کی روح سے پیش آ اور ان اسرار کو تھوڑا سا ظاہر کر دے۔

اس دعا کے بعد آپؑ کے ہاتھ پر کئی نشان ظاہر ہوئے اور خدا تعالیٰ نے آپؑ کو دنیا میں قبولیت بخشی اور آپ کی تباہی کی بجائے آپ کو ہر رنگ میں ترقی دے کر اپنی نصرت اور محبت کا ثبوت دے دیا۔ اس میں سوچنے والوں کے لئے ایک بڑا نشان ہے۔

دلیل دہم------علمی مقابلہ:۔

قرآن کریم میں مخالفین اسلام کو بالمقابل فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کا چیلنج دیا گیا ہے کہ اس کی مثل ایک سورۃ بنا کر پیش کرو اور ساتھ ہی یہ پیشگوئی فرما دی اور ہدایت دی فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ. (البقرة : 25) کہ اگر تم ایسا نہ کرسکو گے اور تم ہرگز ایسا نہیں کرسکو گے تو تم اس آگ سے بچاؤ کرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ پھر خدا نے یہ سمجھایا کہ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ۔(ھود:15) کہ اگر مخالفین تمہیں اس چیلنج کا جواب نہ دیں تو پھر جان لو کہ یہ قرآن خدا تعالیٰ کے علم سے اتارا گیا ہے۔

مخالفین اسلام کا قرآن کی اس دعوت کے جواب میں عاجز رہ جانا اور صرف یہ ژاژ خائی کرنا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ (الانفال:32) (کہ اگر ہم چاہتے تو اس کی مثل بنا لاتے۔ یہ قرآن تو پرانے لوگوں کی کہانیاں ہے۔) اس بات کی روشن دلیل ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں صادق ہیں کہ آپؐ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں اور اسی نے آپ کو یہ علمی معجزہ عطا فرمایا ہے جس کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے۔

چونکہ مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند اور آپ کے ظلِّ کامل ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلیت میں آپ کو علمی رنگ کا معجزہ اس وقت عطا کیا گیا جبکہ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ عربی زبان پر قدرت نہیں رکھتے۔

آپ نے خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت سے دو کتابیں اعجاز المسیح اور اعجاز احمدی شائع فرمائیں اور اپنے زمانہ کے علماء کو ان کا مثل لانے کی دعوت دی۔ ان میں سے ہر کتاب کے ساتھ یہ پیشگوئی تھی کہ لوگ اس جیسی کتاب لانے پر قادر نہیں ہوں گے۔ اعجاز المسیح سورۃ الفاتحہ کی تفسیر پر مشتمل ہے جس میں حقائق ومعارف کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اس کے بارے میں آپ کو الہام ہوا مَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ یَرٰی اَنَّہٗ تَنَدَّمَ وَتَذَمَّرَ (ٹائیٹل پیج اعجاز المسیح) یعنی جو اس کے جواب کے لئے کھڑا ہوگا وہ جلد دیکھ لے گا کہ وہ نادم ورسوا ہو گیا ہے۔

اعجاز المسیح کے جواب پر کوئی قادر نہ ہو سکا۔ اعجاز احمدی کا جواب لکھنے کے بارے میں مولوی ثناء اللہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی کہ وہ اس کے جواب پر قادر نہیں ہوں گے۔

کلام الامام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی صداقت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

’’ میرے پر ایسی رات کوئی کم گزرتی ہے جس میں مجھے یہ تسلی نہیں دی جاتی کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور میری آسمانی فوجیں تیرے ساتھ ہیں اگرچہ جو لوگ دل کے پاک ہیں مرنے کے بعد خدا کو دیکھیں گے لیکن مجھے اُسی کے مُنہ کی قسم ہے کہ میں اب بھی اُس کو دیکھ رہا ہوں۔ دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے۔ اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ جو شخص مجھے کاٹنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہودا اسکر یوطی اور ابوجہل کے نصیب سے کچھ حصہ لینا چاہتا ہے...... اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک مجھ سے وفا کرے گا۔ اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دُعائیں کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دُعا نہیں سُنے گا اور نہیں رُکے گا جب تک وہ اپنے کام کو پورا نہ کر لے۔ اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہونگے۔ اور اگر تم گواہی کو چھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھر میرے لئے گواہی دیں۔ پس اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ کاذبوں کے اور مُنہ

ہوتے ہیں اور صادقوں کے اور۔ خدا کسی امر کو بغیر فیصلہ کے نہیں چھوڑتا۔ میں اس زندگی پر لعنت بھیجتا ہوں جو جھوٹ اور افتراء کے ساتھ ہو۔ اور نیز اس حالت پر بھی کہ مخلوق سے ڈر کر خالق کے امر سے کنارہ کشی کی جائے۔ وہ خدمت جو عین وقت پر خداوند قدیر نے میرے سپرد کی ہے اور اسی کے لئے مجھے پیدا کیا ہے ہرگز ممکن نہیں کہ میں اس میں سُستی کروں۔ اگرچہ آفتاب ایک طرف سے اور زمین ایک طرف سے باہم مل کر کچلنا چاہیں۔ انسان کیا ہے محض ایک کیڑا۔ اور بشر کیا ہے محض ایک مُضْغَہ۔ پس کیونکر میں حیّ و قیّوم کے حکم کو ایک کیڑے یا ایک مُضْغَہ کے لئے ٹال دوں۔ جس طرح خدا نے پہلے مامورین اور مکذبین میں آخر ایک دن فیصلہ کر دیا اِسی طرح وہ اس وقت بھی فیصلہ کرے گا۔ خدا کے مامورین کے آنے کے لئے بھی ایک موسم ہوتے ہیں اور پھر جانے کے لئے بھی ایک موسم۔ پس یقیناً سمجھو کہ میں نہ بے موسم آیا ہوں اور نہ بے موسم جاؤں گا۔ خدا سے مت لڑو! یہ تمہارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کر دو۔''

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 49، 50)

تمت بالخیر

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

احمدیہ

تعلیمی پاکٹ بک

حِصّہ دوم

مرتبہ

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل

ناظر اشاعت وتصنیف

پیشگوئیوں کے اصول

(1) پیشگوئیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ بعض وعدہ پر مشتمل ہوتی ہیں اور بعض وعید یعنی کسی عذاب کی خبر پر۔

(ا) جو پیشگوئیاں کسی وعدہ پر مشتمل ہوتی ہیں اگر اس کے ساتھ کوئی شرط مذکور نہ ہو تو وہ وعدہ لفظاً لفظاً پورا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ وعدہ مشروط ہو اور جس شخص یا قوم کے متعلق وعدہ ہو وہ اس شرط کو پورا نہ کرے جس شرط سے یہ وعدہ مشروط ہے تو وہ وعدہ پورا نہیں کیا جاتا اس میں تاخیر ڈال دی جاتی ہے۔ چنانچہ قوم موسیٰ علیہ السلام کو کنعان کی سرزمین دینے کا ان الفاظ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ:۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ۔

(المائدۃ:22)

''یعنی اے قوم! ارضِ مقدّسہ (کنعان) میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور (اس کام سے) پشت نہ پھیر لینا ورنہ نامراد لوٹو گے۔''

یہ وعدہ پُشت نہ پھیرنے سے مشروط تھا۔ چونکہ بنی اسرائیل نے یہ کہہ کر پُشت پھیر دی کہ:۔

يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ .... اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا

قٰعِدُوْنَ۔ (المائدۃ: 23تا25)

''یعنی اے موسیٰ! اِس بستی میں ایک زبردست قوم رہتی ہے......
جب تک وہ اس میں ہیں ہم اس میں داخل نہیں ہونگے تم اور تمہارا خدا جاکر لڑائی کرو ہم یہاں ہی بیٹھتے ہیں۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ علاقہ اُن پر چالیس برس کے لئے حرام کردیا۔ جیسا کہ فرمایا:

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ (المائدۃ: 27)

''یعنی وہ زمین (کنعان) اُن پر چالیس سال کے لئے حرام کردی گئی۔ وہ زمین میں بھٹکتے رہے۔''

(ب) وعید کی تمام پیشگوئیاں عدم عفو کی شرط سے مشروط ہوتی ہیں۔ چنانچہ عقائد میں یہ مسلّم ہے کہ:

اِنَّ جَمِيْعَ الْوَعِيْدَاتِ مَشْرُوْطَةٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا يَلْزِمُ مِنْ تَرْكِهَا دُخُوْلُ الْكِذْبِ فِيْ كَلَامِ اللّٰهِ.

(تفسیر کبیر رازی جلد2صفحہ409 مصری)

''یعنی وعیدی پیشگوئیوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے معاف نہ کردیا تو لفظاً لفظاً پوری ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر وعیدی پیشگوئی پوری نہ ہو تو اس سے خدا کے کلام کا جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔''

عقائد کی کتاب مسلّم الثبوت کے صفحہ 28 میں ہے کہ:۔

''**اِنَّ الْاِيْعَادَ فِيْ كَلَامِهٖ تَعَالٰى مُقَيَّدٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ۔**''

''کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر وعید میں عدم عفو کی شرط ہوتی ہے۔''

تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ:۔

”اِنَّ وَعِیْدَ الْفُسَّاقِ مَشْرُوْطٌ بِعَدْمِ الْعَفْوِ۔“

(بیضاوی تفسیر آل عمران ع زیر آیت اِنَّ اللّٰہَ لَایُخْلِفُ الْمِیْعَادَ)

کہ فاسقوں کے متعلق عذاب کی پیشگوئی کا پورا ہونا اس شرط سے مشروط ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ معاف نہ کرے۔ یہ اصول وعیدی پیشگوئی کے متعلق حدیث نبوی سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد دوم صفحہ 55 مصری میں لکھا ہے:۔

”اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَجُوْزُ اَنْ یُّخْلِفَ الْوَعِیْدَ وَاِنِ امْتَنَعَ اَنْ یُّخْلِفَ الْوَعْدَ وَ بِھٰذَا وَرَدَتِ السُّنَّۃُ فَفِیْ حَدِیْثِ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَہُ اللّٰہُ عَلٰی عَمَلِہٖ ثَوَابًا فَھُوَ مُنْجِزٌ لَہٗ وَمَنْ اَوْعَدَہٗ عَلٰی عَمَلِہٖ عِقَابًا فَھُوَ بِالْخَیَارِ وَمِنْ اَدْعِیَۃِ الْاَئِمَّۃِ الصَّادِقِیْنَ یَا مَنْ اِذَا وَعَدَ وَفَا وَاِذَا تَوَعَّدَ عَفَا۔“

”یعنی خدا تعالیٰ کے لئے جائز ہے کہ وہ وعید (یعنی عذاب کی پیشگوئی) میں تخلّف کرے اگرچہ وعدہ کے خلاف کرنا ممتنع ہے۔ اور اسی طرح سُنّت میں بھی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر خدا تعالیٰ انسان کے عمل پر کسی ثواب (انعام) کا وعدہ کرے تو اُسے پورا کرتا ہے اور جس سے اُس کے کسی عمل پر عذاب کی وعید کرے اُسے اختیار ہے (چاہے تو اُسے پورا کرے چاہے تو معاف کردے) اور ائمہ صادقین کی دُعاؤں میں سے ایک دعا یوں ہے کہ اے وہ اللہ کہ جب وعدہ کرے تو پورا کرتا ہے اور جب وعید کرے تو معاف کرتا ہے۔“

عذاب ادنیٰ رجوع سے بھی ٹل سکتا ہے

قرآن مجید بھی اِس اصل کا مؤیّد ہے کہ توبہ استغفار بلکہ ادنیٰ رجوع سے بھی عذاب الٰہی ٹل جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ زخرف میں ہے کہ جب قوم فرعون پر موعود عذاب آیا تھا۔ تو وہ کہتے تھے کہ:۔

يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ. فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ.

(الزخرف:50-51)

''یعنی انہوں نے کہا اے جادُوگر! ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کر۔ اِس عہد کی وجہ سے جو اُس نے تجھ سے کیا ہے ہم یقیناً ہدایت پانے والے ہیں۔ اور جب ہم نے ان سے عذاب دُور کر دیا تو وہ معاً وعدہ توڑ دیتے تھے۔''

اس آیت سے ظاہر ہے کہ عذاب ادنیٰ رجوع سے بھی ٹل جاتا ہے۔ قومِ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہتی ہے مگر صرف دُعا کی درخواست کرنے کی وجہ سے خداتعالیٰ اُن سے عذاب کو دُور کر دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ عہد شکنی کریں گے۔ پھر قرآن کریم میں ہے کہ:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَهُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ۔

(الانفال:34)

''کہ خداتعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں درآنحالیکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔''

پیشگوئیوں میں ملہم اجتہاد میں غلطی کرسکتا ہے

(2) ملہم اپنے الہام کا بعض اوقات اپنے اجتہاد سے ایک مفہوم سمجھتا ہے لیکن اس کا یہ اجتہادی خیال درست نہیں ہوتا۔اس لئے اس کے اپنے اجتہادی معنوں میں تو وہ خبرِ غیب پوری نہیں ہوتی۔البتہ اصل الہام کے الفاظ میں بہرحال پوری ہوجاتی ہے اور واقعات الہامی الفاظ کی صحیح تعبیر کردیتے ہیں۔قرآن کریم میں ہے کہ خداتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تیرے اہل کو غرق ہونے سے بچالوں گا۔جب اُن کا بیٹا غرق ہونے لگا۔تو انہوں نے خداتعالےٰ کو اس کا وعدہ اِن الفاظ میں یاددلایا کہ:۔

اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ ۔

(ھود:46)

''یعنی بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ (کہ میں تیرے اہل کو بچاؤں گا) سچّا ہے۔''

اِن الفاظ میں اپنے بیٹے کے لئے بچائے جانے کی درخواست تھی۔اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ:

اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْٓ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ ۔ (ھود:47)

''یعنی یقیناً وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ عمل کے لحاظ سے صالح نہیں۔یا تیرا ایسی درخواست کرنا مناسب نہیں۔پس تو ایسی بات کے لئے جس کا تجھے علم نہیں مجھ سے درخواست مت کر۔میں تجھے (اس لئے) نصیحت کرتا ہوں کہ (مبادا) تم نادانوں میں سے ہوجاؤ۔''

اِن آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے غرق ہونے والے بیٹے کو خدا کی پیشگوئی میں مذکور لفظ ’’اہل‘‘ میں داخل سمجھا۔ کیونکہ جسمانی لحاظ سے وہ بہرحال آپ کے ’’اہل‘‘ میں داخل تھا۔ لیکن علم الٰہی میں اہل کے بچایا جانے کے وعدہ میں وہ داخل نہ تھا۔ کیونکہ خدا کے نزدیک وہ ’’اہل‘‘ مراد تھے جو روحانی لحاظ سے بھی ’’اہل‘‘ ہوں۔ اس لئے نوح علیہ السلام نے اجتہادی غلطی سے بچائے جانے والے اہل کے وعدہ میں اسے داخل سمجھا حالانکہ وہ خدا کے وعدہ میں شامل نہ تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے نوحؑ کو اس کے بچایا جانے کی درخواست پر ان کی غلطی سے متنبہ کر دیا۔ پس ضروری نہیں کہ ملہم الہام کے جو معنی سمجھے وہ ضرور درست ہوں یا جس امر کو وہ خدائی وعدہ سمجھے وہ ضرور خدائی وعدہ ہو اور اس میں تخلّف جائز نہ ہو۔ ایسے خیالی وعدہ کو پورا کرنے کا خدا تعالیٰ ذمہ وار نہیں ہوتا۔ اسلامی عقائد کی کتابوں میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَدۡیَجۡتَہِدُ فَیَکُوۡنُ خَطَأً۔

(نبراس شرح الشرح لعقائد النسفی جلد دوم صفحہ 392)

’’یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اجتہاد کرتے تو اس میں خطا ہو جاتی‘‘۔

آگے اس کے ثبوت میں حدیث نبویؐ اِن الفاظ میں درج کی ہے:۔

’’اَلۡمُجۡتَہِدُ یُخۡطِیُٔ وَیُصِیۡبُ فَاِنۡ اَصَابَ فَلَہٗ اَجۡرَانِ وَاِنۡ اَخۡطَأَ فَلَہٗ اَجۡرٌ وَاحِدٌ. (نبراس)

کہ ’’مجتہد اجتہاد میں غلطی بھی کرتا ہے اور درست اجتہاد بھی کرتا ہے۔ اگر اس کا اجتہاد درست ہو تو اُسے دو اجر ملتے ہیں (ایک اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اجتہاد درست ہونے کا) اور اگر وہ غلطی کرے تو اُسے ایک اجر (یعنی صرف اجتہاد کرنے کا) ملتا ہے۔

لہٰذا بعض اوقات ملہم ایک وعیدی پیشگوئی کو قضائے مبرم سمجھ لیتا ہے لیکن عنداللہ وہ قضائے معلّق ہوتی ہے۔ایسی مبرم سمجھی جانے والی قضاء بعض اوقات صدقہ اور دُعا وغیرہ سے ٹل جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:۔

اَكْثِرْ مِنَ الدُّعَآءِ فَاِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ.

(کنزالعمال جلد 2 الباب الثامن من الدعاء......حدیث نمبر 3120)

کہ ’’کثرت سے دُعا کرو۔ کیونکہ دُعا تقدیر مبرم (مبرم سمجھی ہوئی) کو بھی ٹال دیتی ہے۔

اِسی طرح صدقہ کے بارے میں ہے کہ:۔

’’اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ اِنَّ الصَّدَقَةَ تَدْفَعُ الْبَلَاءَ الْمُبْرَمَ النَّازِلَ مِنَ السَّمَآءِ.

(روض الریاضین بر حاشیہ قصص الانبیاء صفحہ 364)

یعنی ’’صدقہ وخیرات اس بلاء کو دُور کر دیتا ہے جو مبرم طور پر آسمان سے نازل ہونے والی ہو۔‘‘ (یعنی جسے بظاہر مبرم سمجھا جاتا ہو)

اسلام میں خدا کے دربار سے کوئی شخص مایوس نہیں لوٹتا۔ اِس لئے وہ فرماتا ہے:۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ.

(الزمر: 54)

’’اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ تم خدا کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم پر چالیس دنوں کے اندر عذاب نازل ہونے کی پیشگوئی فرمائی (دُرِّ منثور وغیرہ) اور اپنی پیشگوئی کے متعلق انہیں اتنا یقین تھا کہ شہر سے باہر ڈیرہ ڈال کر عذاب کا انتظار کرنے لگے۔ مگر قوم نے ٹاٹ پہن لئے۔ اور عورتوں، بچوں، جانوروں اور چار پایوں کو بھوکا رکھ کر خدا تعالیٰ کے حضور واویلا کیا تو خدا نے قوم کے رجوع کی وجہ سے اس سے عذاب ٹال دیا۔ لیکن حضرت یونس علیہ السلام اس خیال سے بھاگ کھڑے ہوئے کہ میری پیشگوئی پوری نہ ہونے کی وجہ سے لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ اور اس بھاگنے کی وجہ سے اُن پر گرفت ہوئی اور انہیں تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ.

(یونس: 99)

”کہ کیوں کوئی اور بستی ایمان نہ لائی سوائے یونسؑ کی بستی کے۔ جب اس بستی کے رہنے والے ایمان لے آئے تو ہم نے اُن سے عذاب دُور کر دیا۔“

اور یونس علیہ السلام کے متعلق ایک اور جگہ آیا ہے کہ:۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ. (الانبیاء: 88)

”کہ ذاالنّون (مچھلی والا۔ یونس) قوم سے ناراض ہو کر چل نِکلا اور اس نے یہ گمان کیا کہ ہم اس پر کوئی تنگی نہیں کریں گے۔“ (لیکن اس پر تنگی وارد ہوئی یعنی اُسے مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا۔)

حضرت یونس علیہ السلام سے یہ اجتہادی غلطی سرزد ہوئی تھی کہ وہ اس وجہ سے بھاگ نکلے کہ میری عذاب کی پیشگوئی لفظاً پوری نہیں ہوئی حالانکہ یہ پیشگوئی وعیدی پیشگوئیوں کے قاعدہ کے ماتحت قوم کے توبہ اور رجوع سے ٹل گئی تھی اور یونس علیہ السلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا تھا۔مگر چونکہ وہ ایک اجتہادی خطا سے بھاگ نکلے تھے اس لئے خدا تعالیٰ حضرت یونس علیہ السلام کے اس بلاوجہ بھاگ نکلنے کے واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرماتا ہے کہ آپ بھی کسی وعیدی پیشگوئی کے متعلق ایسا نمونہ نہ دکھائیں جو یونس علیہ السلام نے دکھایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِسی غرض سے مخاطب کرکے فرماتا ہے:۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ. (القلم:49)

ترجمہ۔اے نبی!وعیدی پیشگوئیوں میں خوب انتظار کرنا اور مچھلی والے یعنی یونسؑ کی طرح نہ بنا جب اس نے خدا کو پکارا اس حال میں کہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا(کہ میری پیشگوئی کیوں پوری نہ ہوئی)۔

اور قرآن مجید اِس واقعہ کو بیان کرکے اُمّتِ محمدیّہ کے ملہمین کو بھی اللہ تعالیٰ بالواسطہ نصیحت کرتا ہے کہ وعیدی پیشگوئیاں اگر لفظاً پوری نہ ہوں اور جس کے بارہ میں پیشگوئی ہو اس کے توبہ کرلینے سے اگر پیشگوئی ٹل جائے تو یہ گھبراہٹ کی جگہ نہیں۔اور اُمّت کے علماء اور دُوسرے لوگوں کو اس واقعہ کے ذکر سے متنبہ کیا ہے کہ وہ وعیدی پیشگوئیوں پر بلاوجہ کسی ملہم پر زبان طعن دراز نہ کریں کیونکہ وعیدی پیشگوئیاں ہمیشہ توبہ کی شرط سے مشروط ہوتی ہیں اور توبہ کرلینے والوں سے ان میں بیان کردہ عذاب ٹل جایا کرتا ہے۔اِس لئے یہ بات محلِّ اعتراض نہیں۔

صُلح حُدیبیہ کا واقعہ

صلح حدیبیہ کا واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انبیاء سے اجتہادی خطا کے واقع ہونے میں خدا تعالیٰ کو خاص حکمتیں اور مصلحتیں بھی مدّنظر ہوتی ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے رؤیا میں دکھایا کہ مسلمان بے خوف ہوکر بالکل امن سے خانہ کعبہ کا طواف کررہے ہیں اور سر منڈوا کر احرام کھول رہے ہیں۔اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق چودہ سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ عمرہ (چھوٹے حج) کے لئے روانہ ہوگئے۔جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکینِ مکہ نے آپ کا داخلہ روک دیا۔چونکہ رؤیا بتاتی تھی کہ مکّہ میں داخلہ امن سے ہوگا اور کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اِس لئے صحابہ کوتلوار کے علاوہ دیگر اسلحہ ساتھ لے جانے کی اجازت نہ تھی۔حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکّہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کومشرکین کی خواہش پر ایک صلح کا معاہدہ کرنا پڑا جس میں شرط تھی کہ مسلمان اگلے سال آئیں تو اجازت دی جائے گی۔صلح کی شرائط میں مشرکین نے یہ شرط بھی پیش کی کہ اگر مکّہ کا کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ جائے گا تو اُسے واپس کرنا پڑے گا۔اور اگر مدینہ سے کوئی مکّہ آئے گا تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔یہ شرط مساویانہ نہ تھی۔اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ مسلمان اگر اس شرط کوقبول کرلیں تو گویا وہ مشرکین سے دب کر صلح کرنے والے ہوں گے۔مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منشاء الٰہی سے یہ شرطیں مان لیں اور مشرکین سے صلح کا معاہدہ ہوگیا۔اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ نے منکشف فرمایا کہ یہ شرائط مسلمانوں کے لئے کوئی نقصان دہ نہیں۔چنانچہ بالآخر یہی شرائط خود مشرکین کے لئے وبال بن گئیں۔انہوں نے اس معاہدہ کی

خلاف ورزی کی اور اس کے نتیجہ میں مکّہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھائی کی اور مکہ فتح ہو گیا۔لیکن چونکہ بظاہر شرائط سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ صلح دب کر کی جارہی ہے اس لئے بعض صحابہ کرام پر یہ معاہدہ بہت شاق گزرا۔چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی گفتگو کی جس کا وہ بعد میں کفارہ دیتے رہے۔چنانچہ **صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الفتح** جلد 3 صفحہ 137 مصری میں حدیث ہے:۔

جَآءَ عُمَرُ فَقَالَ اَلَسْنَا عَلَی الْحَقِّ وَھُمْ عَلَی الْبَاطِلِ.اَلَیْسَ قَتْلَا نَا فِی الْجَنَّةِ وَھُمْ فِی النَّارِ.قَالَ بَلٰی.قَالَ فَفِیْمَ اُعْطِیَ الدَّنِیَّةُفِیْ دِیْنِنَاوَ نَرْجِعُ وَلَمَّایَحْکُمِ اللّٰہُ بَیْنَنَا فَقَالَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَلَنْ یُّضَیِّعَنِیَ اللّٰہُ اَبَدًا فَرَجَعَ مُتَغَیِّظًا۔

”کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم سچائی پر اور وہ لوگ (مشرکین مکّہ) باطل پر نہیں؟۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں (یعنی ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر) حضرت عمرؓ نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مقتولین جنتی اور اُنکے مقتولین ناری نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں۔(یعنی ہمارے مقتولین جنتی اور اُن کے ناری ہیں) حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر کس وجہ سے ہمارے دین کے معاملہ میں کمزوری دکھائی گئی ہے (یعنی جنگ نہیں کی جارہی اور ایسی شرائط پر صُلح کی جارہی ہے جس میں مشرکین کی طرف سے ہم پر ناجائز دباؤ ڈالا گیا ہے) اور ہم واپس جارہے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کیا۔رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اے ابن خطاب! میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔پس حضرت عمرؓ ناراض ہونے کی حالت میں واپس ہوئے۔“

پھر اُن کی یہ گفتگو صحیح بخاری **کتاب الشروط باب الشرط فی الجهاد و المصالحة** جلد2 صفحہ 81 مطبوعہ مصر میں یُوں درج ہے:۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کہا۔ **اَلَسْتَ نَبِیَّ اللّٰہِ حَقًّا** ۔کیا آپ سچّے نبی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا بلٰی۔ ہاں میں سچّا نبی ہوں۔ پھر کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟۔آپؐ نے فرمایا۔ ہاں (یعنی ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر ہے) میں نے کہا **فَلِمَ نُعْطِی الدَّنِیَّۃَ فِیْ دِیْنِنَا اِذًا** کہ پھر ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھائیں (یعنی کیوں دب کر صلح کریں)۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی کرنے والا نہیں وہ میرا مددگار ہے۔ میں نے کہا **اَوَلَیْسَ کُنْتَ تُحَدِّثُنَا اِنَّا سَنَأْتِی الْبَیْتَ فَنَطُوْفَ** ۔کہ آپ ہم سے بیان نہیں کرتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ میں آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں تو کیا میں تمہیں یہ خبر دیتا تھا کہ ہم اِسی سال ہی آئیں گے؟ میں نے کہا نہیں۔تو آپؐ نے فرمایا تم بیت اللہ میں آنے والے ہو۔اور اس کا طواف کرنے والے ہو۔اس کے بعد اسی مضمون کی گفتگو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے بھی کی اور انہوں نے ایسے ہی جوابات دیئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے۔حضرت عمرؓ کہتے ہیں اِس گفتگو کے بعد مجھے کئی اعمال کرنے پڑے۔(یعنی کفارہ ادا کرنا پڑا)

زادالمعاد میں امام ابن قیّم یہ روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا:۔

مَا شَکَکْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا یَوْمَئِذٍ۔

(زادالمعاد جلد اوّل صفحہ 376)

کہ ''میں جب مسلمان ہوا مجھے صرف اسی دن شک پیدا ہوا۔''

پھر آگے بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اُٹھو قربانی دو۔ پھر سر منڈواؤ (یعنی احرام کھول دو) راوی کہتا ہے۔ **فَوَ اللّٰہِ مَاقَامَ مِنۡھُمۡ رَجُلٌ حَتّٰی قَالَ ذٰلِکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ**۔ کہ خدا کی قسم کوئی صحابہ سے نہ اُٹھا یہانتک کہ آپؐ نے تین دفعہ یہ حکم دیا۔ جب کوئی بھی نہ اٹھا تو آپ حضرت اُمّ سلمہؓ (اپنی زوجہ) کے پاس گئے اور لوگوں کے اس معاملہ کا ذکر کیا۔ اُمّ سلمہؓ نے کہا۔ اے نبی اللہ کیا آپ ایسا چاہتے ہیں؟ آپؐ ان میں سے کسی سے ایک کلمہ بھی نہ کہیے۔ اپنی قربانی ذبح کیجئے۔ پھر سر مونڈنے والے کو بلائیے کہ وہ آپؐ کا سر مونڈ دے۔ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ باہر نکلے۔ کسی سے کلام نہ کی۔ اپنی قربانی دی اور سر منڈایا۔ جب صحابہ نے یہ دیکھا تو وہ بھی اُٹھے اور انہوں نے قربانیاں دیں اور بعض بعض کا سر مونڈنے لگے۔ **حَتّٰی کَادَ بَعۡضُھُمۡ یَقۡتُلُ بَعۡضًا غَمًّا** کہ قریب تھا کہ غم کے مارے (یعنی بدحواسی میں) ایک دوسرے کو قتل کردیں (کیونکہ ان کے دل ان شرائط کی وجہ سے مغموم تھے) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رؤیا[1] کے بعد عمرہ کے لئے چلے جانا محض اپنے اجتہاد کی بناء پر تھا۔ آپؐ نے تعبیر یہی خیال کی تھی کہ عمرہ امن سے ہوجائے گا۔ گو اس سال تو عمرہ نہ ہوسکا مگر یہ اجتہادی سفر بھی ایک لطیف حکمت کا حامل ثابت ہوا۔ گو اس سال طواف و زیارت کعبہ تو نہ ہوسکی مگر

---

[1] یہ رؤیا طوافِ کعبہ کے متعلق تھی۔ اس کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے سال اس کے پورا ہونے کی شرط سے اطلاع نہیں دی گئی تھی ہاں اللہ تعالیٰ کے مدنظر یہی تھا کہ صلح واقعہ ہوجانے کے بعد اگلے سال یہ رؤیا پوری ہوگی۔ اس شرط پر اطلاع نہ دیا جانے کی وجہ سے ہی لوگوں کو ابتلا پیش آیا۔ اس سے ظاہر ہے بعض اوقات وعدہ عند اللہ مشروط ہوتا ہے مگر ملہم کو خاص مصلحت کے ماتحت شرط سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔

مشرکوں سے صلح کا معاہدہ ہوگیا جس کے نتیجہ میں بالآخر مشرکین کے خود معاہدہ کی شرائط توڑ دینے پر یہ معاہدہ فتح مکہ پر منتج ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ (الفتح:28)

کہ خدا تعالیٰ نے رسول کو جو رؤیا دکھائی تھی اسے سچا کر دکھایا ہے کہ تم ضرور مسجد حرام میں امن سے داخل ہوگے۔ اپنے سر منڈاتے ہوئے یا تراشتے ہوئے اور کسی سے نہ ڈرتے ہوئے فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا۔ اللہ تو اس سے وہ کچھ جانتا تھا (یعنی وقت میں تاخیر کی مصلحت) جو تمہارے علم میں نہ تھا تو خدا تعالیٰ نے قریب ہی کے زمانہ میں فتح دے دی۔ پس نبی کی اجتہادی خطا میں بھی بعض اوقات خدا تعالیٰ کی کوئی لطیف حکمت ہوتی ہے۔ گو اس اجتہادی خطا کے نتیجہ سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی سخت دھکا لگا تھا۔ مگر آخر خدا کی حکمت ظاہر ہوئی اور اس کے رسولؐ کی بات بھی پوری ہوئی اور اس صلح کے نتیجہ میں جو مسلمانوں کا دل توڑ رہی تھی خدا تعالیٰ نے مکہ فتح کرادیا۔ چونکہ یہ وعدہ کی پیشگوئی تھی اس لئے ٹل نہیں سکتی تھی۔

صلح حُدیبیہ کے متعلق مفسّرین کے اقوال

(1) امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ تفسیر جلالین تفسیر سورۃ الفتح صفحہ 424 میں سورۃ فتح کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:۔

رأى رسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عليهِ وسَلّم فِي النَّومِ عامَ الحديبيةِ قَبْلَ خُرُوْجِهٖ اَنَّهٗ يَدْخُلُ مَكَّةَ هُوَ وَاَصْحَابُهٗ آمِنِيْنَ يُحَلِّقُوْنَ وَيُقَصِّرُوْنَ فَاَخْبَرَ بِذٰلِكَ الصَّحابَةَ فَفرِحُوْا فَلَمَّا خَرَجُوْا مَعَهٗ وَصَدَّهُمُ الْكُفّارُ بِالْحُدَيْبِيَّةِ رَجَعُوْا وَشَقَّ عَلَيْهِمْ

بِذٰلِکَ وَ رَابَ بعض المنَافِقِیْنَ فَنَزَلَتْ.

''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال (سفر پر) باہر نکلنے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپؐ معہ صحابہ مکّہ میں امن سے داخل ہوئے ہیں۔سر منڈاتے یا تراشتے ہوئے۔تو آپؐ نے اِس امر کی صحابہ کوخبر دی جس پر وہ خوش ہوئے۔پس جب وہ آپؐ کے ساتھ نکلے اور کفار نے انہیں حدیبیہ پر روک دیا تو وہ ایسی حالت میں واپس ہوئے کہ یہ امران پر شاق تھا۔اور بعض منافقوں نے شک کیا تو سورۃ فتح نازل ہوئی۔''

(2)　امام ابن قیّم آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اَخْبَرَ سُبْحَانَہٗ اَنَّہٗ صَدَقَ رَسُوْلَہٗ رُؤْیَاہُ فِیْ دُخُوْلِهِمُ الْمَسْجِدَ. آمِنِیْنَ وَاَنَّہٗ سَیَکُوْنُ وَلَابُدَّ وَلٰکِنْ لَّمْ یَکُنْ قَدْآنَ وَقْتُ ذٰلِکَ فِی الْعَامِ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلِمَ مِنْ مَّصْلَحَةِ تَأْخِیْرِہٖ اِلٰی وَقْتِهٖ مَالَمْ تَعْلَمُوْا اَنْتُمْ فَاَنْتُمْ اَحْبَبْتُمُ اسْتِعْجَالَ ذٰلِکَ وَالرَّبُّ تَعَالٰی یَعْلَمُ مَصْلَحَةَ التَّأْخِیْرِ.

''اللہ سبحانہٗ نے اپنے رسول کو سچّی خواب دکھائی جو اُن کے مسجد (حرام) میں امن سے داخل ہونے کے متعلق تھی کہ ایسا عنقریب ہوگا۔یہ ضرور واقع ہوگا لیکن اس سال ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا۔اور اللہ سُبحانہٗ اس کے وقت کی تاخیر کی مصلحت جانتا تھا جوتم لوگوں نے نہ جانی۔پس تم نے تو اِس بات کا جلدی وقوع میں آنا چاہااور خداتعالیٰ اس میں تاخیر کی مصلحت جانتا ہے''۔　(زادالمعاد جلداوّل صفحہ 384)

(3)　تفسیر روح البیان جلد 4 صفحہ 501 میں لکھا ہے:۔

انّ رسولَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّمَ رأی فِی المنَامِ اَنَّہٗ

دخَلَ مکّۃَ و اصحابُہٗ آمنین...... وَاَخْبَرَ بذٰلک الصحابۃَ فَفرِحُوْا ثُـمَّ اَخْبَر اصحابَہٗ انَّہٗ یُرِیدُ الْخُرُوْجَ لِلْعُمْرۃِ ...... کَانَ الْمسلمون لَایَشُکُّوْن فِی دَخُولِھم مکّۃَ وطوافِھم البیت ذٰلک العامِ لِلرُّؤْیَا الَّتی رأیھا النَّبِیُّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فلمّا رأوا الصلحَ دَخَلَھُمْ مِنْ ذٰلک اَمْرٌعَظِیْمٌ.

’’کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ اور صحابہؓ مکّہ میں امن سے داخل ہو رہے ہیں......آپؐ نے اس کی خبر صحابہ کو دی وہ خوش ہوئے۔ پھر آپؐ نے بتایا کہ آپ عمرہ کے لئے جانا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس رؤیا کی وجہ سے اسی سال مکّہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ کا طواف کرنے کے بارہ میں کوئی شک نہ تھا۔ جب انہوں نے صلح (کا وقوع) دیکھا تو اس سے انہیں سخت صدمہ ہوا‘‘۔

پس اِس اجتہادی غلطی سے گو مسلمانوں کو بہت سخت صدمہ ہوا۔لیکن اجتہادی غلطی کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں۔

اجتہادی خطا کا ایک اور واقعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنّی اُھَاجرُ مِنْ مَّکَّۃَ اِلٰی اَرْضٍ بِھَا نَخْلٌ فَذَھَب وَھْلِیْ اِلٰی اَنّھا الیَمَامَۃُ اَوْھَجَرُ فَاِذَا ھِیَ الْمَدِیْنَۃُ یَثْرِبَ.

(بخاری کتاب مناقب الانصار باب ھجرۃ النبیؐ)

’’کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکّہ سے ایک کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں تو میرا خیال (اجتہاداً) اِس طرف گیا کہ یہ سرزمین یمامہ یا ہجر ہوگی۔لیکن اچانک وہ زمین مدینہ یثرب نکلی‘‘۔

پس اجتہادی غلطی اگر نبی سے سرزد ہوتو یہ نبوت میں حارج نہیں۔اوراس پر اعتراض کرنا دیانتداری نہیں۔

تقدیرِ مبرم کی اقسام

وہ تقدیرِ مبرم جس کے دُعا وصدقہ سے ٹل جانے کا ذکر احادیثِ نبویہ کی رُو سے قبل ازیں پیش کیا جا چکا ہے ایسی تقدیرِ مبرم ہوتی ہے جو دراصل خدا کے نزدیک تو مبرم نہیں ہوتی بلکہ معلّق ہی ہوتی ہے۔لیکن ملہم پر اسکا معلّق ہونا ظاہر نہیں کیا جاتا اور وہ اجتہاداً اس کے قطعی مبرم ہونے کا حکم ہی لگا دیتا ہے اور پھر خبر کے پورا نہ ہونے پر پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ دراصل معلّق تھی۔چنانچہ حضرت مجدّد الف ثانی علیہ الرحمۃ مکتوبات جلد اوّل مکتوب نمبر 217 میں لکھتے ہیں:

''باید دانست اگر پرسند کہ سبب چیست کہ در بعضے از کشوف کونی کہ از اولیاء اللہ صادر مے گردد غلط واقع مے شود وخلاف بظہور مے آید۔مثلاً خبر کردند کہ فلانے بعد از یکماہ خواہد مرد یا از سفر بوطن مراجعت خواہد نمود اتفاقاً بعد از یکماہ ازیں دو چیز ہیچ کدام بوقوع نیامد۔در جواب گوئم کہ حصول آں مکشوف ومخبر عنہ مشروط بشرائط بودہ است کہ صاحب کشف درآں وقت بہ تفصیل اطلاع نیافتہ وحکم کردہ بحصول آں شئی مطلقاً یا آنکہ گوئم حکمے از احکام لوحِ محفوظ بر عارفے ظاہر شدہ کہ آں حکم فی نفسہ قابلِ محو واثبات است واز قبیل قضائے معلّق امّا آں عارف را از تعلیق وقابلیت محو وے خبر نے دریں صورت اگر بمقتضائے علم خود حکم کند ناچار احتمالِ تخلّف خواہد داشت۔''

''کہ جاننا چاہیئے اگر یہ سوال کریں کہ اِس بات کا کیا سبب ہے کہ بعض آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر دینے سے متعلق بعض کشوف جو خدا

کے پیاروں سے صادر ہوتے ہیں۔غلط واقع ہو جاتے ہیں اور اُن کے خلاف ظہور میں آتا ہے۔مثلاً خبر دیتے ہیں کہ فلاں شخص ایک ماہ میں مر جائے گا یا سفر سے وطن واپس آجائے گا۔اتفاقاً ایک ماہ کے بعد دونوں میں سے کوئی بات وقوع میں نہیں آتی۔

اِس سوال کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کشف اور اس کی خبر مشروط بشرائط ہوتی ہے جس پر اس وقت صاحبِ کشف کو ان شرائط کی تفصیل سے اطلاع نہیں ملتی وہ اس کے مطلق پورے ہونے کا حکم لگا دیتا ہے یا یہ کہ لوحِ محفوظ کے احکام کلی طور پر اس عارف پر ظاہر نہیں ہوئے کہ وہ حکم فی نفسہٖ محو و اثبات کے قابل ہے اور قضائے معلّق میں سے ہے۔لیکن اس عارف کو اس کی تعلیق اور محو کی قابلیت کی خبر نہیں ہوتی۔اِس صورت میں اپنے علم کے تقاضا کے مطابق وہ حکم لگا دیتا ہے۔ناچار ایسی خبر کے پورا نہ ہونے کا احتمال ہوگا۔‘‘

(مکتوبات جلد اوّل صفحہ 122-123 مکتوب نمبر 217 مطبوعہ رؤف اکیڈیمی لاہور)

اِسی مکتوب میں اگلے صفحہ پر قضائے معلّق کی دو قسمیں یوں بیان کرتے ہیں کہ:۔

’’قضائے معلّق بر دو گونہ است قضائے است کہ تعلیق او را در لوحِ محفوظ ظاہر ساختہ اند و ملائکہ را بر آں اطلاع دادہ وقضائے کہ تعلیق او نزدِ خدا است جلّ شانہٗ وبس و در لوح محفوظ صورتِ قضائے مبرم دارد و ایں قسم اخیر از قضائے معلّق نیز احتمال دارد در تبدیل رنگِ قسمِ اوّل۔

(مکتوبات جلد اوّل صفحہ 124 مکتوب نمبر 217 مطبوعہ رؤف اکیڈیمی لاہور)

’’کہ قضائے معلّق کی دو قسمیں ہیں۔ایک قضائے معلّق وہ ہے جس کا معلّق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر کر دیا گیا ہوتا ہے اور فرشتوں کو اِس (تعلیق) پر اطلاع دے دی جاتی ہے۔اور ایک قضائے معلّق وہ ہے جس کا معلّق ہونا

صرف خدا تعالیٰ جلّ شانہٗ ہی جانتا ہے۔ اور لَوحِ محفوظ میں وہ قضائے مبرم کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ آخری قسم قضائے معلّق کی بھی (جو صورۃً مبرم ہوتی ہے) پہلی قسم کی قضا کی طرح تبدیلی کا احتمال رکھتی ہے‘‘۔

ایک واقعہ

اِس جگہ حضرت مجدّد الف ثانی علیہ الرحمۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ایک واقعہ اور حضرت جبریل علیہ السلام کی پیشگوئی بھی درج کرتے ہیں جس میں ایک شخص کی موت کی خبر دی گئی تھی۔ مگر وہ صدقہ دینے کی وجہ سے بچ گیا۔
(مکتوبات جلد اوّل صفحہ 232)

ایک اور واقعہ

تفسیر رُوح البیان مطبوعہ مصر جلد 1 صفحہ 257 میں آتا ہے:۔

’’اِنَّ قَصَّارًا مَرَّ عَلٰی عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ مَعَ جَمَاعَۃٍ مِّنَ الْحَوَارِیِّیْنَ فَقَالَ لَھُمْ عِیْسٰی اُحْضُرُوْا جَنَازَۃَ ھٰذَاالرَّجُلِ وَقْتَ الظُّھْرِ فَلَمْ یَمُتْ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ وَقَالَ اَلَمْ تُخْبِرْنِیْ بِمَوْتِ ھٰذَاالْقَصَّارِ فَقَالَ نَعَمْ وَلٰکِنْ تَصَدَّقَ بَعْدَ ذٰلِکَ بِثَلَاثَۃِ اَرْغِفَۃٍ فَنَجَا مِنَ الْمَوْتِ.‘‘

’’کہ ایک دھوبی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پاس سے جب ایک حواریوں کی جماعت اُن کے ساتھ تھی گزرا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے حواریوں سے کہا کہ اس آدمی کے جنازہ پر ظہر کے وقت حاضر ہو جانا۔ وہ نہ مرا تو جبریل نازل ہوا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اُسے کہا کیا تُو نے مجھے اس دھوبی کی موت کی خبر نہ دی تھی؟ جبریل نے کہا ہاں۔ لیکن اُس نے تین

روٹیاں صدقہ میں دے دیں تو موت سے نجات پا گیا۔‘‘

پس صدقہ اور دُعا سے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ مبرم تقدیر بھی ٹل جاتی ہے۔ یہ وہی مبرم تقدیر ہوتی ہے جو دراصل تو معلّق ہوتی ہے لیکن ملہم اُسے مبرم سمجھتا ہے۔ کیونکہ اسے اُس کے معلّق ہونے کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے وضاحت نہیں ہوتی۔

تعبیر کا دوسرے رنگ میں ظہور

ایک اصل پیشگوئیوں کا یہ بھی ہے کہ کبھی ایک بات دکھائی جاتی ہے مگر وہ پوری کسی اور رنگ میں ہوتی ہے۔ چنانچہ تاریخ الخمیس جلد 2 صفحہ 121 پر لکھا ہے:۔

قال اسمٰعیلی قال اھل التعبیر اَنَّ رُسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم رأی فی المنام اسید بن ابی العیص والیًا علٰی مکة مسلمًا فمات علی الکفرِ و کانت الرؤیا لولدہٖ عتاب اَسْلَمَ.

’’کہ اسماعیلی نے کہا ہے کہ اہل تعبیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اسید بن ابی العیص کو مسلمان ہونے کی حالت میں مکّہ کا والی دیکھا۔ وہ تو کفر پر مر گیا اور رؤیا اسکے بیٹے عتاب کے حق میں پوری ہوئی جو مسلمان ہو گیا۔‘‘

پھر بخاری کتاب التعبیر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

بینا انا نائمٌ البارحةَ اِذْ اُتِیْتُ بمفاتیح خزائِنِ الارضِ حَتّٰی وُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ قال ابوھریرة فَذَھَبَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و انتم تَنْتَقِلُوْنَھا۔ (بخاری کتاب التعبیر باب رؤیاللیل)

’’کہ میں سو رہا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں

یہاں تک کہ وہ میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو تشریف لے گئے۔اب تم (اے صحابہ) ان خزانوں کو لا رہے ہو''۔

پیشگوئی متعلق محمدی بیگم صاحبہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اِس پیشگوئی کے ذریعہ جس کی ہم وضاحت کریں گے۔خداتعالیٰ آپ کے اُن رشتہ داروں کو جو دہریّہ اور دینِ اسلام سے تمسخر کرنے والے تھے ایک نشان دکھانا چاہتا تھا۔تا جو لوگ اُن میں سے اِس نشان کو ردّ کر دیں وہ سزا پائیں اور دوسرے اس سے تنبیہ حاصل کریں۔یہی اِس پیشگوئی کی اصل غرض تھی اور یہی حکمتِ الٰہی اور مصلحت اس میں مضمر تھی۔چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام خود تحریر فرماتے ہیں:۔

''ہمیں اِس رشتہ (محمدی بیگم صاحبہ کے رشتہ) کی درخواست کی کچھ ضرورت نہ تھی۔سب ضرورتوں کو خدا نے پورا کر دیا تھا۔اولاد بھی عطا کی اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہوگا۔بلکہ ایک اور لڑکا قریب مدّت میں ہونے کا وعدہ دیا جس کا نام محمود احمد ہوگا۔وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔پس یہ رشتہ جس کی درخواست محض بطور نشان ہے تا خداتعالیٰ اِس کنبہ کے مُنکرین کو عجوبہٴ قدرت دکھائے۔اگر وہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کے نشان اُن پر نازل کرے اور اُن بلاؤں کو دفع کرے جو نزدیک ہیں۔لیکن اگر وہ ردّ کر دیں تو اُن پر قہری نشان نازل کر کے اُن کو مُتنبہ کرے۔''

(اشتہار 15/جولائی 1888ء)

ان رشتہ داروں کی حالت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب

''آئینہ کمالات اسلام'' میں یوں بیان کرتے ہیں:۔

''خدا تعالیٰ نے میرے چچیرے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں (احمد بیگ وغیرہ) کو ملحدانہ خیالات اور اعمال میں مبتلا اور رسومِ قبیحہ اور عقائد باطلہ اور بدعات میں مستغرق پایا اور اُن کو دیکھا کہ وہ اپنے نفسانی جذبات کے تابع ہیں اور خدا تعالیٰ کے وجود سے منکر اور فسادی ہیں''۔

(ترجمہ عربی عبارت از آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 566)

پھر فرماتے ہیں:۔

''ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا۔ میں اس کے رونے کو دیکھ کر خائف ہوا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کسی کے مرنے کی اطلاع ملی ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت بات ہے۔ میں اُن لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جو دینِ خداوندی سے مُرتد ہو چکے ہیں۔ پس اُن میں سے ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت گندی گالی دی۔ ایسی گالی کہ میں نے اس سے پہلے کسی کافر کے مُنہ سے بھی نہیں سُنی تھی اور میں نے اُنہیں دیکھا کہ وہ قرآن مجید کو اپنے پاؤں تلے روندتے اور ایسے کلمات بولتے ہیں جن کے نقل کرنے سے زبان کانپتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی خدا نہیں۔ خدا کا وجود محض ایک مفتریوں کا جھوٹ ہے۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ کیا میں نے تمہیں اُن کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں کیا تھا''۔

(ترجمہ عربی عبارت آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 569)

رشتہ داروں کا نشان طلب کرنا:

پھر حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

''ان لوگوں نے خط لکھا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کو گالیاں دیں اور وجود باری عزّ اسمہ کا انکار کیا اور اس کے ساتھ ہی مجھ سے میری سچائی اور وجود باری تعالیٰ کے نشانات طلب کئے۔ اور اس خط کو انہوں نے دنیا میں شائع کر دیا اور ہندوستان کے غیر مسلموں کی بہت مدد کی اور انتہائی سرکشی دکھائی۔

(ترجمہ از عربی عبارت آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 568)

نوٹ:۔ (یہ خط عیسائی اخبار چشمۂ نور اگست 1887ء میں شائع ہوا تھا)۔

نشان طلب کرنے پر حضرت اقدس کی دُعا:

نشان طلب کرنے پر حضرت مسیح موعودؑ نے دُعا کی جو آپ نے اپنی کتاب ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' کے صفحہ 559 پر بدیں الفاظ درج فرمائی ہے:۔

قُلْتُ یَارَبِّ انْصُرْ عَبْدَکَ وَاخْذُلْ اَعْدَائِکَ. الخ

ترجمہ: میں نے کہا اے میرے خدا! اپنے بندے کی مدد کر اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کر۔

خدا تعالیٰ کا جواب:

اِس دُعا کے جواب میں خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ:۔

''میں نے اُن کی بدکرداری اور سرکشی دیکھی ہے۔ پس میں عنقریب اُن کو مختلف قسم کے آفات سے ماروں گا۔ اور آسمان کے نیچے انہیں ہلاک کرونگا۔ اور عنقریب تُو دیکھے گا کہ میں اُن سے کیا سلوک کرتا ہوں اور ہم ہر

چیز پر قادر ہیں۔ میں اُن کی عورتوں کو بیوائیں اُن کے بچوں کو یتیم اور گھروں کو ویران کردونگا تا کہ وہ اپنے کیئے کی سزا پائیں۔لیکن میں انہیں یک دم ہلاک نہیں کرونگا۔ بلکہ آہستہ آہستہ تا کہ وہ رجوع کریں اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور میری لعنت اُن پر اور اُن کے گھر کی چار دیواری پر اُن کے بڑوں پر اور اُن کے چھوٹوں پر اُنکی عورتوں اور اُن کے مردوں پر اور ان کے مہمانوں پر جو ان کے گھروں میں اُتریں گے نازل ہونے والی ہے۔سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائیں اور اُن سے قطع تعلّق کریں اور اُن کی مجلسوں سے دُور ہوں وہ رحمتِ الٰہی کے تحت ہوں گے۔"

(ترجمہ عربی عبارت آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 569-570)

خاص پیشگوئی کے بارہ میں الہامات:

یہ الہام جو اُوپر مذکور ہوا۔محمدی بیگم صاحبہ کے سلسلہ میں ایک ایسا الہام تھا جو رشتہ داروں کے متعلق عمومی رنگ رکھتا تھا۔حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"انہی ایام میں مرزا احمد بیگ والد محمدی بیگم صاحبہ نے ارادہ کیا کہ اپنی ہمشیرہ کی زمین کو جس کا خاوند کئی سال سے مفقود الخبر تھا اپنے بیٹے کے نام ہبہ کرائے۔لیکن بغیر ہماری مرضی کے وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا۔اس لئے کہ وہ ہمارے چچا زاد بھائی کی بیوہ تھی۔اس لئے احمد بیگ نے ہماری جانب بعجز وانکسار رجوع کیا۔اور قریب تھا کہ ہم اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیتے لیکن حسبِ عادت استخارہ کیا تو اِس پر وحی الٰہی ہوئی۔جس کا ترجمہ یوں ہے۔"اِس شخص کی بڑی لڑکی کے رشتہ کے لئے تحریک کر اور اس سے کہہ کہ وہ تجھ سے پہلے دامادی کا تعلق قائم کرے اور اس کے بعد تمہارے نور سے روشنی حاصل کرے۔نیز اس سے کہو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ زمین جو تُو نے مانگی ہے دے

دوں گا۔اوراس کے علاوہ کچھ اور زمین بھی ، نیز تم پر کئی اور رنگ میں احسان کروں گا بشرطیکہ تم اپنی بڑی لڑکی کا مجھ سے رشتہ کردو۔اور یہ تمہارے اور میرے درمیان عہد و پیمان ہے۔ جسے تم اگر قبول کرو گے تو مجھے بہترین طور پر قبول کرنے والا پاؤ گے اور اگر تم نے قبول نہ کیا تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اس لڑکی کا کسی اور شخص سے نکاح نہ اس لڑکی کے حق میں مبارک ہوگا اور نہ تمہارے حق میں اور اگر تم اِس ارادہ سے باز نہ آئے تو تم پر مصائب نازل ہوں گے اور آخری مصیبت تمہاری موت ہوگی اور تم نکاح کے بعد تین سال کے اندر مرجاؤ گے۔ بلکہ تمہاری موت قریب ہے جو تم پر غفلت کی حالت میں وارد ہوگی۔اور ایسا ہی اس لڑکی کا شوہر بھی اڑھائی سال کے اندر مرجائے گا۔اور یہ قضاء الٰہی ہے''۔پس تم جو کچھ کرنا چاہو کرو میں نے تمہیں نصیحت کردی ہے''۔

(آئینہ کمالات اسلام۔روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 572-573)

خدا تعالیٰ کے حضور توجہ کرنے پر اِس بارہ میں آپ کو یہ الہام بھی ہوا:۔

كَذَّبُوا بِآيٰتِنَا وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُ وْنَ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَيَرُدُّهَا اِلَيْكَ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ.

(اشتہار 10/جولائی 1888ء۔مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 137 بار دوم۔تذکرہ صفحہ 126 مطبوعہ 2004ء)

ترجمہ:۔ ان لوگوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا ہے اور ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے رہے ہیں۔پس اللہ تعالیٰ ان کے مقابلہ میں تیرے لئے کافی ہوگا (یعنی انہیں عذاب دے گا) اور اس عورت کو تیری طرف لوٹائے گا خدا کے کلمات بدل نہیں سکتے''۔

15 جولائی 1888ء کے اشتہار میں ایک اور الہام بھی تحریر فرماتے ہیں جو

محمدی بیگم صاحبہ کی واپسی کو مشروط کر رہا ہے۔اس الہام کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے کشف میں محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کو دیکھا کہ اس کے چہرہ پر رونے کی علامات ہیں تو آپ نے اُسے کہا:۔

اَيَّتُهَا الْمَرْءَةُ تُوْبِىْ تُوْبِىْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ وَالْمُصِيْبَةُ نَازِلَةٌ عَلَيْكِ يَمُوْتُ وَيَبْقٰى مِنْهُ كِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ.

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 140 حاشیہ (بار دوم) تتمہ اشتہار 10 رجولائی 1888ء)

ترجمہ: اے عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ بلا تیری اولاد اور اولاد در اولاد پر پڑنے والی ہے اور تجھ پر مصیبت نازل ہونے والی ہے ایک شخص مرے گا اور اس سے بہت سے ایسے معترض باقی رہ جائیں گے جو زبان درازی سے کام لیں گے۔

یہ الہام بتاتا ہے کہ محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کی لڑکی اور لڑکی کی لڑکی یعنی محمدی بیگم صاحبہ پر بلاء نازل ہونے والی تھی۔جس سے محمدی بیگم صاحبہ کی نانی مصیبت میں مبتلا ہونے والی تھی۔اور یہ بلاء اور مصیبت توبہ سے ٹل سکتی تھی۔یہ الہام ایک شخص کا مرنا اور ایسے معترضین کا پیدا ہونا بھی بتاتا ہے جو ناواجب طریق سے اعتراض کے لئے زبان کھولنے والے تھے۔پس اس امر کو بنیادی طور پر یاد رکھنا چاہیئے کہ الہام يَرُدُّهَا اِلَيْكَ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ توبہ نہ کرنے کی شرط سے مشروط ہے اور توبہ کے وقوع میں آنے پر پیشگوئی کا یہ حصہ جو محمدی بیگم صاحبہ کی واپسی سے تعلق رکھتا ہے ٹل سکتا تھا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب محمدی بیگم کے باپ نے اُن کا نکاح دوسری جگہ کر دیا تو پیشگوئی کے مطابق محمدی بیگم صاحبہ کا والد مرزا احمد بیگ نکاح کرنے کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں پیشگوئی کی میعاد کے اندر ہلاک ہو گیا اور اس کی ہلاکت کا کنبہ پر شدید اثر پڑا اور محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے بھی توبہ اور رجوع الی اللہ سے کام لیا۔اور اس وجہ سے محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی موت توبہ اور

رجوع الی اللہ کی وجہ سے ٹل گئی۔ چونکہ محمدی بیگم صاحبہ کی حضرت اقدس کی طرف واپسی کی پیشگوئی عدم توبہ کی شرط سے مشروط تھی اور اسکے خاوند کے مرنے اور محمدی بیگم صاحبہ کے بیوہ ہونے کے بعد ہی یہ واپسی ممکن تھی اس لئے نکاح کی پیشگوئی غیر مشروط نہ تھی۔ چونکہ خاوند نے شرطِ توبہ سے فائدہ اُٹھایا اوراس طرح وہ پیشگوئی کی میعاد کے اندر مرنے سے بچ گیا۔اس لئے نکاح جواُس کی موت سے معلّق تھا ضروری الوقوع نہ رہا۔

یہ ہے خلاصہ اس پیشگوئی کا جس پر معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔حالانکہ یہ پیشگوئی سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کے توبہ کر لینے پر اُن کی موت واقع نہ ہونے کی وجہ سے ٹل چکی تھی۔

لہٰذا کسی معترض کو یہ اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں کہ محمدی بیگم صاحبہ بیوہ ہو کر کیوں حضرت اقدس کے نکاح میں نہیں آئیں؟ معترضین زیادہ سے زیادہ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ سلطان محمد کی موت کیوں واقع نہیں ہوئی؟ اور ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ وعید کی پیشگوئی چونکہ عدمِ توبہ کی شرط سے مشروط ہوتی ہے خواہ شرط نہ بھی بیان کی گئی ہو۔اس لئے وہ توبہ اور رجوع پر ٹل جاتی ہے اور یہاں تو الہام نے صاف طور پر توبہ کی شرط بیان بھی کر دی تھی اس لئے محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی توبہ اور رجوع الی اللہ سے نکاح کی پیشگوئی ٹل گئی ہے۔

پس خدا تعالیٰ کے الہامات پر کسی شخص کو یہ اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں کہ نکاح کیوں وقوع میں نہ آیا۔

سلطان محمد کی توبہ کا قطعی ثبوت

جب بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ سلطان محمد کی موت پیشگوئی کے

مطابق واقع نہیں ہوئی۔ اِس لئے پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ تو اِس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے انجام آتھم کے حاشیہ صفحہ 32 پر تحریر فرمایا کہ:۔

(الف) ’’فیصلہ تو آسان ہے احمد بیگ کے داماد سلطان محمد سے کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں‘‘۔

(ب) ’’اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے جب تک وہ گھڑی نہ آجائے کہ اُس کو بیباک کردے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے تو اُٹھو اُس کو بے باک اور مُکذّب بناؤ اور اُس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو‘‘۔

(انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 32 حاشیہ)

اِن دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ کے اِس چیلنج کے بعد اگر مرزا سلطان محمد خاوند محمدی بیگم صاحبہ کسی وقت شوخی اور بے باکی دکھاتے یا مخالفین اُن سے تکذیب کا اشتہار دلانے میں کامیاب ہوجاتے۔ تو پھر اس کے بعد مرزا سلطان محمد صاحب کی موت کے لئے میعاد مقرر کی جاتی وہ قطعی تقدیرِ مبرم ہوتی اور اس کے مطابق مرزا سلطان محمد صاحب کی موت ضرور وقوع میں آتی اور اس کے بعد محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت اقدس سے ضروری اور اٹل ہوجاتا۔

پس کوئی معترض یہ جرأت نہیں رکھتا کہ یہ کہہ سکے کہ اِس پیشگوئی کے بارہ میں حضرت اقدس کا کوئی الہام جُھوٹا نِکلا۔

سلطان محمد صاحب کی توبہ کا ثبوت

اِس بات کا ثبوت کہ سلطان محمد صاحب توبہ کر چکے تھے اور پیشگوئی کے مصدّق تھے اور اس کی تصدیق پر حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی تک قائم رہے یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ کے انجام آتھم میں مذکورہ بالا چیلنج شائع کرنے پر آریوں اور

عیسائیوں میں سے بعض لوگ مرزا سلطان محمد صاحب کے پاس پہنچے اور انہیں لاکھ لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔تا وہ حضرت اقدس پر نالش کردیں۔لیکن جیسا کہ اُن کے انٹرویو سے ظاہر ہے۔چونکہ وہ توبہ کرچکے تھے اور پیشگوئی کی صداقت کے قائل تھے اِس لئے وہ اس گراں بہا لالچ دیئے جانے پر بھی کسی قسم کی بے باکی اور شوخی کے لئے تیار نہ ہوئے۔

مرزا سلطان محمد صاحب کا انٹرویو

محترم حافظ جمال احمد صاحب فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ نے ایک دفعہ مرزا سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کا انٹرویو لیا جو اخبار الفضل $\frac{9}{13}$ جون 1921ء میں مرزا سلطان محمد کے زمانہ حیات میں ہی ’’مرزا سلطان محمد کا ایک انٹرویو‘‘ کے عنوان سے شائع ہوا ہے حافظ جمال احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

’’میں نے مرزا سلطان محمد سے کہا اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں حضرت مرزا صاحب کی نکاح والی پیشگوئی کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔جس کے جواب میں انہوں نے کہا۔آپ بخوشی بڑی آزادی سے دریافت کریں‘‘۔

اِس انٹرویو میں مرزا سلطان محمد صاحب نے کہا:۔

’’میرے خسر مرزا احمد بیگ صاحب واقعہ میں عین پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے ہیں۔مگر خدا تعالیٰ غفور رحیم بھی ہے اور اپنے دوسرے بندوں کی بھی سُنتا اور رحم کرتا ہے‘‘۔

اِس آخری فقرہ میں مرزا سلطان محمد صاحب نے اپنی توبہ واستغفار کا اظہار کیا ہے اور پہلے فقرہ میں پیشگوئی کی تصدیق کی ہے۔اِس کے باوجود مزید وضاحت کیلئے حافظ جمال احمد صاحب نے اُن سے سوال کیا۔

''آپ کو مرزا صاحب کی پیشگوئی پر کوئی اعتراض ہے؟ یا یہ پیشگوئی آپ کے لئے کسی شک وشبہ کا باعث ہوئی؟''

اِس کے جواب میں مرزا سلطان محمد صاحب نے کہا:۔

''یہ پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے بھی شک وشبہ کا باعث نہیں ہوئی''۔

اور یہ بھی کہا:۔

''میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان واعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں اتنا نہیں ہوگا''۔

اس پر حافظ جمال احمد صاحب نے سوال کیا کہ آپ بیعت کیوں نہیں کرتے؟

مرزا سلطان محمد نے جواباً کہا:۔

''اس کی وجوہات کچھ اور ہیں جن کا اس وقت بیان کرنا میں مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں''۔

اور اِس سلسلہ میں یہ بھی کہا:۔

''میرے دل کی حالت کا آپ اس سے بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا تاکہ میں مرزا صاحب پر نالش کروں۔ اگر وہ روپیہ میں لے لیتا تو امیر کبیر بن سکتا تھا۔ مگر وہی ایمان واعتقاد تھا جس نے مجھے اِس فعل سے روکا''۔

صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحبؓ کی شہادت

اِس بارہ میں صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی شہادت یہ ہے:۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مرزا سلطان محمد صاحب ایک دفعہ قادیان

آئے۔اُن کے ساتھ اُن کا ایک لڑکا بھی تھا۔وہ شہر کی طرف سے ہائی سکول کی طرف جا رہے تھے تو مجھ سے اُن کے لڑکے نے تعارف کرایا۔دورانِ گفتگو میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر بھی آ گیا۔اِس پر مرزا سلطان محمد صاحب نے کم وبیش وہی بیان دیا جو حافظ جمال احمد صاحب نے $\frac{9}{13}$ جون 1921ء کے الفضل میں انٹرویو کے طور پر شائع کروایا ہے۔اور انہوں نے دورانِ گفتگو میں اِس بات کی بڑے زور سے تائید کی کہ انہیں کبھی بھی حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے متعلق شبہ نہیں ہوا۔اُن کے منہ پر داڑھی تھی اور ایک ٹانگ سے لڑائی میں زخمی ہونے کی وجہ سے لنگڑاتے تھے‘‘۔ (دستخط حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ)

(ماخوذ از پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ اوراس کے متعلقات کی وضاحت صفحہ 58-59)

اِسی طرح خود سلطان محمد صاحب محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے اپنے ایک خط میں حضرت اقدس کی تصدیق کی تھی جس کا عکس ملاحظہ ہو:۔

خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

از انبالہ چھاؤنی 21/3/13

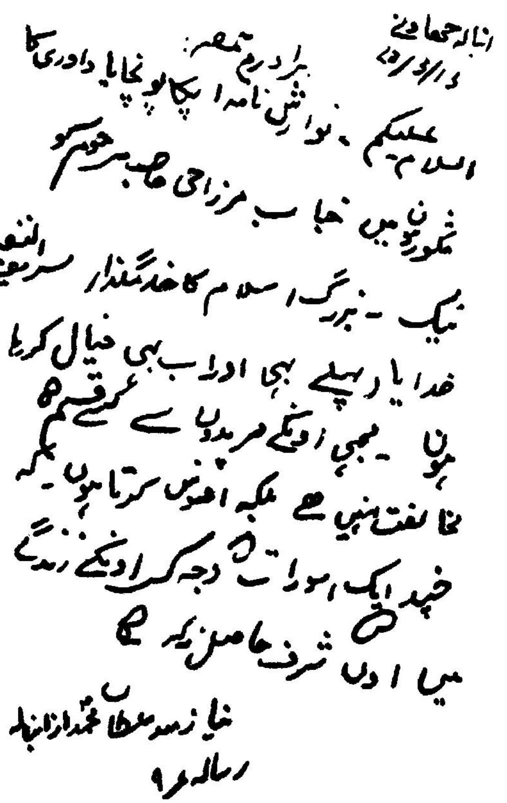
برادرم سلمہٗ

نوازش نامہ آپ کا پہنچا یادآوری کا مشکور ہوں۔میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک۔بزرگ۔اسلام کا خدمت گزار شریف النفس۔خدایاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔مجھے ان کے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کا شرف حاصل نہ کر سکا۔

نیازمند سلطان محمد از انبالہ

رسالہ نمبر 9

عکس خط مرزا سلطان محمد صاحب آف پٹی:


انبالہ چھاونی
۱۱/۵/۱۰

برادرم مکرم:
السلام علیکم ۔ نوازش نامہ آپکا پہونچا یاد آوری کا
ممنون ہوں میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم مغفور کو
نیک ۔ بزرگ ۔ اسلام کا خدمتگذار ۔ شریف النفس
خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کرتا
ہوں ۔ مجھے انکے مریدوں سے کسی قسم کی
مخالفت نہیں ہے بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ
چند ایک امورات کی وجہ سے انکی زندگی
میں ان کا شرف حاصل نہ کر سکا
نیاز مند سلطان محمد از انبالہ
رسالہ نمبر ۹

اس خط سے ظاہر ہے کہ مرزا سلطان محمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کو خادمِ اسلام سمجھتے رہے ہیں۔1888ء میں پیشگوئی کئے جانے کے وقت حضرت اقدس کو صرف اسلام کا خدمت گذار ہونے کا دعویٰ تھا۔مسیح موعود کا دعویٰ آپ نے 1890ء کے آخر میں کیا ہے۔پس اس وقت سلطان محمد صاحب کے عذاب سے بچنے کے لئے اتنی تصدیق کافی تھی جس کا ذکر اس خط میں موجود ہے۔

مرزا اسحاق بیگ صاحب پسر مرزا سلطان محمد صاحب کی شہادت

علاوہ ازیں مرزا اسحاق بیگ صاحب پسر مرزا سلطان محمد صاحب و محمدی بیگم صاحبہ خدا کے فضل سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں۔ وہ اپنے خط میں جو اخبار الفضل میں شائع ہوا لکھتے ہیں:۔

''اس پیشگوئی کے مطابق میرے نانا جان مرزا احمد بیگ صاحب ہلاک ہوگئے اور باقی خاندان ڈر کر اصلاح کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جس کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اکثر نے احمدیت قبول کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور و رحیم کے ماتحت قہر کو رحم میں بدل دیا''۔

(اخبار الفضل 26 فروری 1923ء صفحہ 9)

مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا کی حلفیہ شہادت

مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا سے جب خاکسار قاضی محمد نذیر نے اس پیشگوئی کے متعلق ذکر کیا تو انہوں نے ذیل کی شہادت بیان کی اور پھر میری درخواست پر یہ شہادت حلفاً لکھ کر دے دی۔ شہادت کا مضمون یہ ہے:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

حلفیہ شہادت

''پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے کافی عرصہ پہلے غالباً 34-33ء میں مجھ کو پٹّی میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں مرزا سلطان محمد صاحب داماد مرزا احمد بیگ صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے دورانِ گفتگو میں حضرت مسیح موعود علیہ وآلہ السلام سے

اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری میرے پاس پٹی آئے میں نے آتے ہی اُن کے لئے پانی وغیرہ پلانے کا انتظام کرنا شروع کیا۔ جس پر انہوں نے کہا کہ میں سب سے پہلے اپنا ایک مقصد آپ سے پورا کرانا چاہتا ہوں اس کے بعد میں پانی وغیرہ پیوں گا۔ اور وہ یہ کہ آپ مرزا غلام احمد صاحب کے خلاف ایک تحریر مجھ کو دے دیں اور وہ یہ کہ ان کی پیشگوئی دربارہ محمدی بیگم غلط ثابت ہوئی ہے۔ مرزا سلطان محمد صاحب کہنے لگے کہ میں نے ان کو کہا کہ آپ ابھی تو آئے ہیں یہ مہمان نوازی کے آداب میں ہے کہ آنے والے کو پہلے اچھی طرح بٹھا کر اور پانی وغیرہ پلا کر پھر کسی اور طرف متوجہ ہوں مگر مولوی ثناء اللہ صاحب یہی رٹ لگاتے رہے جس پر میں نے ایسی تحریر دینے سے صاف طور پر انکار کر دیا۔ اور وہ بے نیل مرام واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ سُنا کر انہوں نے کہا یہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق میری عقیدت ہی تھی جس کی وجہ سے میں نے ان کی ایک نہ مانی۔ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ عیسائی اور آریہ قوم کے بڑے بڑے لیڈروں نے بھی مجھ سے اس قسم کی تحریر لینے کی خواہش کی مگر میں نے کسی کی نہ مانی اور صاف ایسی تحریر دینے سے ان کو انکار کرتا رہا۔ بلکہ جہاں تک مجھ کو یاد پڑتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو عقیدت مجھ کو اُن سے ہے وہ آپ میں سے کئی احمدیوں کو بھی نہیں ہے''۔

گواہ شد: سیّد عبدالحی بقلم خود — خاکسار

گواہ شد: محمود احمد مختار (شاہد) — ظہور حسین سابق مبلغ روس

20/04/59 ربوہ — 20/04/59 ربوہ

(ماخوز از پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقات کی وضاحت صفحہ 187 تا 189)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''جب احمد بیگ فوت ہوگیا تو اس کی بیوہ عورت اور دیگر پسماندوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ دُعا اور تضرّع کی طرف بدل متوجہ ہوگئے''۔

(حُجّة اللّٰہ روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 159)

پیشگوئی کے مطابق مرزا احمد بیگ کی وفات ہوجانے پر اِس خاندان کے بعض افراد نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خط بھی لکھے اور دُعا کی درخواست کی ان خطوط کا ذکر حضرت مسیح موعود نے ''اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ'' وحقیقۃ الوحی صفحہ 187 پر کیا ہے۔

پیشگوئی کے پانچ حصے

اس پیشگوئی کے پانچ حصے ہیں جن میں سے پہلے تین حصے لفظاً پورے ہو چکے ہیں اور پچھلے دو حصّے مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ اور رجوع الی اللہ کی وجہ سے وعیدی پیشگوئیوں کی سنت کے مطابق جن کا پورا ہونا عدم توبہ کی شرط سے مشروط ہوتا ہے ٹل گئے ہیں۔ اس لئے پیشگوئیوں کے اصول اور ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی جو سُنّت ہے اُس کے رُو سے نفس پیشگوئی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

پیشگوئی کے یہ پانچ حصے جو حضرت اقدس کی کتاب ''آئینہ کمالات اسلام'' و ''شہادۃ القرآن'' صفحہ 81 سے ماخوذ ہیں۔ درج ذیل ہیں:۔

حصہ اوّل:۔ اگر مرزا احمد بیگ صاحب اپنی بڑی لڑکی کا نکاح حضرت اقدس سے نہیں کریں گے تو پھر وہ اس وقت تک زندہ رہیں گے کہ اپنی اس لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کریں۔

حصہ دوم:۔ نکاح تک وہ لڑکی بھی زندہ رہے گی۔

حصہ سوم:۔ دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد مرزا احمد بیگ صاحب تین سال

کے اندر بلکہ بہت جلد ہلاک ہو جائیں گے۔

حصہ چہارم:۔ دوسری جگہ نکاح کے بعد اس لڑکی کا خاوند اڑھائی سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جائے گا (بشرطیکہ توبہ وقوع میں نہ آئے۔ کیونکہ وعیدی پیشگوئی مشروط بعدم توبہ ہوتی ہے)۔

حصہ پنجم:۔ خاوند کی ہلاکت کے بعد وہ لڑکی بیوہ ہوگی۔ اور پھر حضرت اقدس کے نکاح میں آئے گی۔ گویا یہ آخری حصہ پیشگوئی کا اس لڑکی کے خاوند کی موت سے مشروط تھا۔

نشان اوّل:۔ پیشگوئی کا پہلا حصہ بطور نشان اوّل پورا ہو گیا۔ اگر محمدی بیگم صاحبہ کا باپ محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح کرنے سے پہلے وفات پا جاتا تو پیشگوئی کا حصہ اوّل پورا نہ ہوتا۔ مگر یہ صفائی سے پورا ہوا۔

نشانِ دوم:۔ پیشگوئی کے دوسرے حصہ کے مطابق لڑکی نکاح تک زندہ رہ کر نشان بنی۔ اگر یہ لڑکی نکاح سے پہلے مر جاتی تو پیشگوئی کا دوسرا حصہ بھی پورا نہ ہوتا۔ مگر یہ حصہ بھی نہایت صفائی سے پورا ہو کر نشان بنا۔

نشان سوم:۔ دوسری جگہ نکاح کے بعد لڑکی کا باپ چھ ماہ کے عرصہ میں ہلاک ہو گیا۔ اگر اس کی موت تین سال سے تجاوز کر جاتی تو یہ پیشگوئی کا حصہ بھی پورا نہ ہوتا مگر یہ حصہ بھی نہایت صفائی سے پورا ہو گیا۔ اس طرح یہ تینوں حصے پورے ہو کر عظیم الشان نشان بن گئے۔

پچھلے دو حصوں کے ظہور کا طریق

پچھلے دو حصے اِس طرح ظہور پذیر ہوئے کہ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند پر اپنے خُسر کی موت سے سخت ہیبت طاری ہوئی اور اُس نے توبہ اور استغفار کی طرف رجوع کیا اور وعیدی پیشگوئی کی شرط توبہ کے مطابق توبہ سے فائدہ اُٹھا کر موت سے

بچ گیا اور پیشگوئی کا یہ حصہ شرط توبہ سے فائدہ اُٹھانے کی وجہ سے ٹل گیا۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے توبہ کرنے پر وہ عذاب ٹل گیا تھا جس کے چالیس دن میں پورے ہونے کی پیشگوئی حضرت یونس علیہ السلام نے فرمائی تھی۔

چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ اور رجوع سے ان کی موت کی پیشگوئی ٹل گئی اور حضرت اقدس سے نکاح محمدی بیگم صاحبہ کے بیوہ ہونے سے مشروط تھا۔ اِس لئے اب اس کا وقوع میں آنا ضروری نہ رہا اور پیشگوئی کے یہ آخری دو حصے شرطِ توبہ سے فائدہ اُٹھانے کی وجہ سے دوسرا رنگ پکڑ گئے۔

اب نکاح کا وقوع صرف اس بات سے معلّق ہوکر رہ گیا کہ سلطان محمد صاحب ازخود حضرت اقدس کی زندگی میں کسی وقت بیبا کی اور شوخی دکھائیں اور پیشگوئی کی تکذیب کریں اس تکذیب کا صرف امکان ہی تھا یہ ضروری الوقوع نہ تھی اور نکاح کے اس طرح معلّق ہونے کی حد حضرت اقدس کی زندگی تک تھی مگر محمدی بیگم کا خاونداس کے بعد حضرت اقدس کی زندگی میں توبہ پر قائم رہا اور خاندان کے دوسرے افراد نے بھی اصلاح کر لی تو اس وعیدی پیشگوئی کی اصل غرض جو اس خاندان کی اصلاح تھی پوری ہوگئی۔ کیونکہ اس خاندان کے افراد نے الحاد اور دہریت کے خیالات کو ترک کر دیا اور اسلام کی عظمت کے قائل ہوگئے اور اُن میں سے اکثر نے احمدیت قبول کر لی۔ وعیدی پیشگوئی کی اصل غرض چونکہ توبہ اور استغفار کی طرف رجوع دلانا اور خدا تعالیٰ کی عظمت کا سکہ دلوں پر بٹھانا ہوتی ہے اِس لئے جب یہ شرط پوری ہوجائے تو پھر سُنّت اللہ کے مطابق عذاب بالکل ٹل جایا کرتا ہے بشرطیکہ متعلّقین پیشگوئی اپنی توبہ پر قائم رہیں۔ اور اگر انہوں نے توبہ پر قائم نہ رہنا ہوتو پھر سنت اللہ یوں ہے کہ عذاب میں اس وقت تک تاخیر ہوجاتی ہے کہ وعیدی پیشگوئی کے متعلّقین پھر بے باکی دکھائیں اور اپنی توبہ توڑ دیں۔

یونس علیہ السلام کی پیشگوئی کا ٹلنا

تفاسیر میں قومِ یونسؑ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ:۔

اِنَّ اَجَلَکُمْ اَرْبَعُوْنَ لَیْلَۃً ۔

لیکن قوم نے توبہ کر لی اور عذاب ٹل گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

تَضَرَّعُوْا اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی فَرَحِمَھُمْ وَکَشَفَ عَنْھُمْ

(تفسیر کبیر امام رازی جلد 5 صفحہ 42 و تفسیر فتح البیان جلد 8 صفحہ 89)

یعنی وہ لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے تو اُس نے اُن پر رحم کیا اور اُن سے عذاب دُور کر دیا۔

چونکہ یہ لوگ توبہ پر قائم رہے اس لئے عذاب بھی اُن سے ٹلا رہا اور خدا تعالیٰ نے اس قوم سے اپنی پہلی سُنت کے مطابق معاملہ کیا۔ لیکن آلِ فرعون جب عذاب آنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دُعا کی درخواست کرتی تھی اور ایمان لانے کا وعدہ کرتی تھی تو خدا تعالیٰ اُن سے عذاب ٹال دیتا تھا۔ مگر چونکہ وہ اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتی تھی اس لئے عذاب میں پکڑی جاتی تھی۔ بالآخر آلِ فرعون مع فرعون توبہ پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرئیل کا تعاقب کرنے پر سمندر میں غرق ہوگئی۔ اس قوم سے خدا تعالیٰ نے اپنی دوسری سنت تاخیر عذاب کے مطابق سلوک کیا۔

پیشگوئی زیر بحث میں خدا کی سُنت کا ظہور

اس پیشگوئی میں مرزا احمد بیگ صاحب حضرت اقدسؑ سے اپنی لڑکی کا نکاح نہ کرنے کی وجہ سے پیشگوئی کی میعاد میں پکڑے گئے اور ہلاک ہوئے۔ اس سے

کنبہ پر ہیبت طاری ہوگئی۔اور سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کی توبہ اور استغفار پر ان کی وعیدی موت ٹل گئی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔

(الانفال: 34)

"یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دینے والا نہیں ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔"

سلطان محمد صاحب کی موت کی پیشگوئی توبہ کی وجہ سے ٹل جانے پر اب حضرت اقدسؑ سے نکاح ضروری نہ رہا۔اب سلطان محمد صاحب پر عذاب صرف اسی صورت میں نازل ہوسکتا تھا کہ وہ توبہ کو توڑ دیتے اور پیشگوئی کی تکذیب کر دیتے اور پھر ان کی موت کے لئے نئی میعاد خدا کی طرف سے مقرر ہوتی۔اس لئے انجام آتھم کے صفحہ 32 پر حضرت اقدسؑ نے نکاح کی پیشگوئی کو سلطان محمد صاحب کے آئندہ اس پیشگوئی کی تکذیب کرنے اور بے باکی اور شوخی دکھانے سے اور اس کے لئے نئی میعاد مقرر ہونے سے معلّق قرار دے دیا اور ایسا ہی ہونا ضروری تھا۔کیونکہ امکان تھا کہ مرزا سلطان محمد کسی وقت تکذیب کر دیتے تو پیشگوئی میں لوگوں کے لئے اشتباہ پیدا ہو جاتا۔

پیشگوئی میں اجتہادی خطا

پیشگوئیوں میں بعض دفعہ اجتہادی خطا بھی شرط کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے یا شرط کی طرف سے بھول ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوسکتی ہے۔اور یہ امر قابل اعتراض نہیں۔حضرت نوح علیہ السلام سے وحی الٰہی کے سمجھنے میں اجتہادی غلطی ہوگئی تھی۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَھْلَکَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ .

(ھود:41)

’’یعنی یہاں تک کہ جب ہمارا عذاب کا حکم آجائے اور چشمے پھوٹ کر بہ پڑیں تو ہم کہیں گے کہ ہر ایک قسم کے جانوروں میں سے ایک جوڑا (یعنی دو ہم جنس فردوں کو) اور اپنے اہل و عیال کو بھی سوائے اس فرد کے جس کی ہلاکت کے متعلق اس عذاب کے آنے سے پہلے ہی ہمارا فرمان جاری ہو چکا ہے۔اور نیز ان کو سوار کر لے جو تجھ پر ایمان لائے ہیں‘‘۔

اس سے قبل نوح علیہ السلام کو یہ حکم دیا جا چکا تھا:۔

وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ۔

(ھود:38)

کہ مجھے ظالموں کے بارے میں خطاب نہ کرنا بے شک وہ غرق ہونے والے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جب غرق ہونے لگا۔تو انہوں نے خدا تعالیٰ کو اس کا وعدہ یاد دلایا اور کہا:۔

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ۔

(ھود:46)

اے میرے رب بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے۔(یعنی اسے وعدہ کے مطابق بچنا چاہیے)۔

یہ وعدہ یاد دلانے میں حضرت نوح علیہ السلام کو پیشگوئی کی اس شرط سے ذہول ہوگیا جو:۔

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ اور وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ

ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ. (ھود: 41 و 38)

کے الفاظ میں بیان ہوئی تھی۔ اور وہ غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ خدائی وعدہ کے مطابق میرا یہ بیٹا بھی غرق ہونے سے بچنا چاہیے۔ لیکن ان کا یہ اجتہاد درست نہ تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کے وعدہ یاد دلانے پر انہیں یہ جواب دیا کہ:۔

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔

(ھود: 47)

کہ یہ بیٹا تیرے اہل سے نہیں ہے یہ تو مجسم غیر صالح ہے۔ اس لئے مجھ سے ایسی درخواست مت کرو جو تم لاعلمی سے کر رہے ہو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ نادانوں کی طرح کوئی کام نہ کیجیو۔

پس شرط کا نظر انداز ہو جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ پیشگوئی کرنے والا اپنے دعاوی میں منجانب اللہ نہیں۔

حضرت اقدسؑ نے اس پیشگوئی کی مرزا سلطان محمد صاحب کے متعلق اڑھائی سالہ میعاد گزر جانے کے بعد پیشگوئی کی شرط توبہ والے الہام ذیل:۔

اَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِىْ تُوْبِىْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ يَمُوْتُ وَ يَبْقٰى مِنْهُ كِلَابٌ مُّتَعَدِّدَةٌ

کے نظر انداز ہو جانے کی وجہ سے اصل پیشگوئی کے الہامی الفاظ

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ

کے پیش نظر اجتہاد کیا کہ پیشگوئی میں تاخیر ڈالی گئی ہے یہ ٹلی نہیں۔ اس لئے آپ نے اس قسم کی عبارتیں یقین اور وثوق پر مشتمل تحریر فرمائیں کہ محمدی بیگم کا خاوند ضرور مرے گا اور وہ بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آئے گی۔

یہ عبارتیں کسی جدید الہام کا نتیجہ نہ تھیں کیونکہ پیشگوئی کی اڑھائی سالہ میعاد گزر جانے کے بعد 1906ء تک آپ کو اِس بارہ میں کوئی جدید الہام نہیں ہوا اور الہام:۔

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ

جس اشتہار میں درج تھا اسی تتمہ میں پیشگوئی کی الہامی شرط توبہ بھی

اَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِيْ تُوْبِيْ

والے الہام میں درج تھی۔ مگر اس شرط کی طرف عدم توجہ کی وجہ سے حضرت اقدسؑ نے یہی اجتہاد کیا کہ سلطان محمد صاحب کسی وقت ضرور توبہ توڑ دیں گے اور پھر اس کے بعد وہ ہلاک ہوں گے اور اس کے بعد محمدی بیگم صاحبہ ضرور نکاح میں آئیں گی۔ یہ اجتہاد کرنے کا آپ کو بہر حال حق تھا کہ اگر سلطان محمد نے کسی وقت توبہ توڑ دی تو وہ ہلاک ہوں گے اور اس کے بعد محمدی بیگم کا نکاح میں آنا ضروری ہوگا۔ مگر حضرت اقدسؑ نے اس سے بڑھ کر یہ اجتہاد فرمایا کہ توبہ کا توڑنا ضروری ہے اور سلطان محمد کی موت میں صرف تاخیر ہوگئی ہے۔ یہ پیشگوئی ٹلی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنی سُنّت مستمرّہ کے مطابق آپ کو اس اجتہاد پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور 16 فروری 1906ء کو آپ پر ان الفاظ میں الہام نازل فرمایا:۔

تَكْفِيْكَ هٰذِهِ الْاِمْرَأَةُ (تذکرہ صفحہ 509 مطبوعہ 2004ء)

کہ تمہارے لئے یہ عورت (جو تمہارے نکاح میں ہے) کافی ہے۔

اِس الہام کے نازل ہونے پر آپ نے اپنے پہلے اجتہاد میں اصلاح فرمالی اور تتمہ حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 570 میں صاف لکھ دیا کہ:۔

”جب ان لوگوں نے اس شرط (توبہ۔ ناقل) کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہوگیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔“

اس جدید اجتہاد سے جو الہام جدید کی روشنی میں کیا گیا۔اب حضرت اقدس کا درمیانی زمانہ کا اجتہاد جس میں آپ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کے توبہ توڑنے کو اوراس کے بعد نکاح کو ضروری قرار دیتے تھے۔قابلِ حجت نہ رہا۔

پس یہ پیشگوئی اپنی الہامی شرط کے مطابق ظہور پذیر ہوچکی ہے اور اس پیشگوئی کے الہامات پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔اسی طرح حضرت اقدسؑ کا آخری اجتہاد بھی سنت اللہ کے مطابق درست تھا۔اس پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔اس جدید الہام کی وجہ سے درمیانی زمانہ کی عبارتیں جو سلطان محمد صاحب کی موت کو ضروری اوراس کے بعد نکاح کو مبرم قرار دیتی تھیں۔اس شرط سے مشروط سمجھی جائیں گی کہ اگر سلطان محمد از خود توبہ توڑ دیں تو ان کی ہلاکت اورا کے بعد حضرت اقدسؑ سے نکاح کا وقوع ضرور ہوگا ورنہ نہیں۔پس جدید اجتہاد کی بنا پر پیش کردہ عبارتیں اوپر کی شرط سے مشروط ہوگئی ہیں۔

عبارتیں یوں پڑھی جائیں

لہذا اب یہ عبارتیں یوں پڑھی جانی چاہئیں :۔

(1) (اگر مرزا سلطان محمد کسی وقت توبہ توڑ کر پیشگوئی کی تکذیب کرے تو) اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے کہ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔پس اگر ٹل جائے تو خداتعالیٰ کا کلام باطل ہوتا ہے۔

(اعلان ۶/ ستمبر 1894ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 115۔مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 399 بار دوم)

(2) ''ایک حصہ پیشگوئی کا یعنی احمد بیگ کا میعاد کے اندر فوت ہوجانا حسب منشاء پیشگوئی صفائی سے پورا ہوگیا اور دوسرے کی انتظار ہے۔(بشرطیکہ مرزا سلطان محمد

توبہ توڑ دے اور پیشگوئی کی تکذیب کرے)

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 64)

(3) (''اگر کسی وقت سلطان محمد توبہ توڑ کر میری زندگی میں پیشگوئی کی تکذیب کرے تو) یادرکھو کہ اس کی دوسری جزو پوری نہ ہوئی تو میں ہر یک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ اے احمقو! یہ انسان کا افتراء نہیں۔ یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار نہیں۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچّا وعدہ ہے۔ وُہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتیں''۔

(ضمیمہ انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 338)

(4) (''اگر کسی وقت میری زندگی میں سلطان محمد نے توبہ توڑ دی تو) ''جس وقت یہ سب باتیں پوری ہو جائیں گی......اُس دن......نہایت صفائی سے (مخالفین کی) ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ داغ اُن کے منحوس چہروں کو بندروں اور سؤروں کی طرح کر دیں گے۔''

(ضمیمہ انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 337)

(5) ''وحی الٰہی میں یہ نہیں تھا کہ دوسری جگہ بیاہی نہیں جائے گی بلکہ یہ تھا کہ ضرور ہے کہ اوّل دوسری جگہ بیاہی جائے......خدا پھر اُس کو تیری طرف لائے گا'' (بشرطیکہ اُس کا خاوند توبہ نہ کرے یا توبہ کرکے توڑ دے۔)

(الحکم 30 جون 1905ء صفحہ 2)

پیشگوئی پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض اوّل

ایک اعتراض جو اس پیشگوئی پر مخالفین کی طرف سے کیا جاتا ہے یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے ''ازالہ اوہام'' میں 1891ء میں لکھا کہ خدائے تعالیٰ ہر طرح سے اس کو (یعنی محمدی بیگم کو) تمہاری طرف لائے گا باکرہ ہونے کی حالت

میں یا بیوہ کر کے اور ہر یک روک کو درمیان سے اُٹھا دے گا۔ اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اُس کو روک سکے۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 305)

تو ایسا لکھنے کے باوجود کیوں درمیانی روکیں اٹھائی نہ گئیں۔

باکرہ ہونے کی حالت میں اس وجہ سے نکاح میں نہ آئی کہ اس کے باپ نے شوخی کی راہ اختیار کر کے اپنی بیٹی کا نکاح مرزا سلطان محمد ساکن پٹی سے کر دیا اور پیشگوئی کے مطابق یہ سزا پائی کہ چھ مہینے کے اندر ہلاک ہو گیا۔ اس سے محمدی بیگم کے خاوند پر پیشگوئی کی ہیبت طاری ہوگئی اور اس نے توبہ اور استغفار سے کام لیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں اپنی اس توبہ پر قائم رہا اس لئے اس کے شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے نکاح والا حصہ منسوخ ہو گیا۔ یہ حضرت مسیح موعود کا اجتہاد تھا کہ سب روکیں اٹھا دی جائیں گی نہ کہ الہام۔

اعتراض دوم

مرزا صاحبؑ اسی کتاب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

''اس کے بعد اِس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی۔ بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیّت بھی کر دی گئی۔ اس وقت گویا یہ پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آ گئی اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں سمجھ نہیں سکا۔ تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ.

یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تُو کیوں شک کرتا ہے۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 306)

اس سے ظاہر ہے کہ اس الہام نے تصدیق بھی کر دی تھی کہ نکاح ضرور ہوگا۔مگر پھر کیوں نکاح وقوع میں نہ آیا؟

الجواب۔ مقصود اس الہام سے صرف یہ ہے کہ پیشگوئی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا برحق امر ہے مشکوک نہیں۔لہٰذا آپ کو چاہیے کہ نفس پیشگوئی میں جو مشروط بھی تھی شک نہیں کرنا چاہیے۔اس الہام سے یہ ظاہر کرنا مقصود نہ تھا کہ پیشگوئی کا ظہور کس رنگ میں ہوگا۔کیونکہ ازالہ اوہام 1891ء کی کتاب ہے۔اس کے بعد احمد بیگ ہلاک ہوگیا۔ اور پیشگوئی کے اس حصہ کا برحق ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا۔دوسرا حصہ الہامی شرط کو پورا کیا جانے کی وجہ سے پیشگوئیوں کے اصول کے مطابق ٹل گیا۔

مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد کی موت کی میعاد میں اختلاف کی حکمت

آئینہ کمالاتِ اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 573 پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرزا احمد بیگ کو مخاطب کر کے لکھا ہے

" آخر المصائب موتک فتموت بعد النکاح الٰی ثلاث سنین بل موتک قریبٌ "۔

کہ آخری مصیبت تیری موت ہے اور تو نکاح کے بعد تین سال بلکہ اس سے قریب مدّت میں مر جائے گا۔اور اسی جگہ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کے لئے اڑھائی سال کی مدت بیان کی گئی ہے۔

واقعات کے لحاظ سے **موتک قریب** کا الہام یوں پورا ہوا کہ مرزا احمد بیگ اپنی لڑکی کا نکاح سلطان محمد سے کرنے کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں ہی ہلاک ہوگیا۔یہ نتیجہ تھا اس کی بیباکی اور شوخی میں بڑھ جانے کا۔ورنہ ممکن تھا کہ اس کا داماد پہلے مر جاتا نیز اس میں اشارہ تھا کہ اگر مرزا احمد بیگ کی موت اپنے داماد سے پہلے

واقع ہو جائے تو پھر مرزا سلطان محمد توبہ کر کے ضرور بچ جائے گا اوران کے بارہ میں پیشگوئی ٹل جائے گی اور میعاد گزر جانے کے بعد اس کی حضرت اقدس کی زندگی میں موت اب اس وقت واقعہ ہو سکے گی۔ اگر وہ کسی وقت توبہ توڑ دے، اگر وہ توبہ توڑے تو اس کے بعد اس کی موت کے متعلق نئی میعاد کا تقرر حسب بیان حضرت مسیح موعود علیہ السلام مندرجہ انجام آتھم صفحہ 32، 33 ضروری ہوگا۔ اور اس میعاد کے اندر مرنے کے بعد حضرت اقدسؑ کا نکاح محمدی بیگم سے ضروری قرار پائے گا۔

اعتراض سوم

''ازالہ اوہام'' میں لکھا تھا:۔

''خدائے تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا۔ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے۔ اور ہر یک روک کو درمیان سے اُٹھاوے گا۔ اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔''

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 305)

اعتراض یہ ہے کہ درمیانی روکیں کیوں نہیں اٹھیں اور کیوں نکاح وقوع میں نہیں آیا۔

الجواب:۔ یہ عبارت اجتہادی ہے نہ کہ الہامی۔ اصل پیشگوئی مندرجہ اشتہار دہم جولائی 1888ء شرطی تھی۔ تتمہ اشتہار میں تُوبِیْ تُوبِیْ والا الہام بھی درج تھا۔ لہٰذا توبہ کی شرط پورا کر لینے کے بعد روکوں کا اٹھانا خدا کے ذمہ نہ تھا۔ ہاں اگر سلطان محمد صاحب توبہ شکنی کرتے اور پیشگوئی کی تکذیب کا اعلان کرتے تو اس صورت میں روکوں کا اٹھایا جانا ضروری ہوتا۔ توبہ کی روک کا جبراً اٹھانا خدا کی شان کے منافی ہے۔ کیونکہ یہ ظلم ہے۔ وَاِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِیْدِ۔

اعتراض چہارم

حضرت مرزا صاحب ’’ازالہ اوہام‘‘ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 306 میں اپنی ایک بیماری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

’’اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی۔ یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی۔ بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اس وقت گویا یہ پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آگئی اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں سمجھ نہیں سکا۔ تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْن ۔ یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے‘‘۔

اس پر اعتراض یہ ہے کہ الہام نے تصدیق کر دی تھی کہ پہلے معنی درست نہیں تو پیشگوئی کیوں ٹل گئی۔

الجواب:۔ اس الہام میں اشارہ تھا کہ اس مرض سے آپ کی وفات نہیں ہوگی۔ اور نفس پیشگوئی کا برحق ہونا آپ دیکھیں گے لہٰذا پیشگوئی مشکوک نہیں۔

اِس الہام سے یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں تھا کہ پیشگوئی کس رنگ میں پوری ہوگی بلکہ صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ نفس پیشگوئی برحق ہے۔ اور چونکہ پیشگوئی شرطی تھی اس لئے شرط کے مطابق وقوع میں آئے گی۔ اس الہام کا یہ ظاہر کرنا مقصود نہ تھا کہ اس بارے میں آپ کا اجتہاد درست ہے یا نہیں؟

اس بیماری میں حضرت اقدسؑ کا یہ خیال کہ شاید اس کے کچھ اور معنی ہوں جو میں سمجھ نہیں سکا اس پر اس الہام کا نزول یہ ظاہر کرتا ہے کہ 1891ء میں جب کہ

ابھی پیشگوئی کا کوئی مرحلہ پیش نہیں آیا تھا۔آپ نے جو کچھ اس پیشگوئی کے متعلق سمجھا ہے وہ غلط نہیں۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت آپ کسی اجتہادی غلطی میں بھی مبتلا نہیں تھے۔ابھی تو پیشگوئی کا کوئی مرحلہ بھی سامنے نہیں آیا تھا۔اور اس بات کو تو آپ خوب سمجھتے تھے کہ پیشگوئی شرطی ہے۔لہٰذا آپ کو شرائط کے مطابق اس کا وقوع دیکھنا چاہیے۔سو خدا نے آپ کو اس بیماری سے بچا لیا۔اور اس کے بعد مرزا احمد بیگ کے اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنے پر پیشگوئی کے مطابق اسکی موت کا وقوع آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔اور اس کے بعد یہ بھی دیکھا کہ مرزا سلطان محمد توبہ کر کے موت سے بچ گیا اور شرط کے مطابق اس کے بچ جانے کی وجہ سے نکاح والا حصہ منسوخ ہو گیا۔کیونکہ پیشگوئیوں میں محو و اثبات حسب آیت یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ہوتا رہتا ہے۔

نوٹ:۔ بیماری کے ذکر سے قبل ازالہ اوہام میں یہ ذکر موجود ہے:۔

”جب یہ پیشگوئی معلوم ہوئی اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔جیسا کہ اب تک جو 16 اپریل 1891ء ہے پوری نہیں ہوئی تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی“۔

پروفیسر الیاس برنی نے اپنی کتاب ”قادیانی مذہب“ کے صفحہ 390 پر اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے 1891ء کی بجائے 1896ء لکھ دیا ہے۔تا وہ یہ دھوکہ دے سکیں کہ گویا محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند مرزا سلطان محمد کی توبہ کے بعد حضرت مرزا صاحبؑ کو یہ الہام ہوا تھا۔حالانکہ سلطان محمد کی توبہ کے بعد اس پیشگوئی کے بارہ میں 1906ء تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کوئی الہام نہیں ہوا۔ثبوت بر گردن منکر۔

اعتراض پنجم

نکاح آسمان پر پڑھا جا چکا تھا۔تو تاخیر میں کیسے پڑ گیا؟

الجواب:۔ حضرت اقدسؑ کے الفاظ ''نکاح آسمان پر پڑھا گیا'' الہام زوجنکھا کا یہ مفہوم ظاہر کرنے کے لئے کہے گئے تھے کہ نکاح اس وعیدی پیشگوئی کا ایک حصہ ہے۔اگر سلطان محمد توبہ کرنے کے بعد کسی وقت توبہ توڑ دے۔تو پھر یہ نکاح پیشگوئی کے لحاظ سے مقدر ہوگا۔اور جب تک توبہ نہ توڑے پیشگوئی معلق رہے گی۔سلطان محمد کی توبہ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام اجتہاداً اُسے مبرم سمجھتے رہے۔یعنی یہ امر کہ وہ توبہ توڑ دے گا۔حالانکہ اس بارہ میں آپؑ پر کوئی جدید الہام نہیں ہوا تھا۔آخری الہام جو ہوا وہ تَکْفِیْکَ ھٰذِہِ الْاِمْرَءَۃُ تھا۔کہ یہ عورت جو آپ کے نکاح میں ہے آپ کے لئے کافی ہے۔اس سے یہ قوی احساس پیدا ہوگیا۔کہ نکاح کا وقوع منسوخ ہوگیا ہے۔چونکہ پھر بھی تکذیب اور توبہ توڑنے کا عقلی امکان اب بھی باقی تھا۔اس لئے آپ نے تتمہ حقیقۃ الوحی میں یہ توجیہ کی کہ نکاح فسخ ہوگیا ہے یا تاخیر میں پڑ گیا۔واقعات نے یہ شہادت دی کہ عنداللہ یہ پیشگوئی ٹل چکی ہے۔چنانچہ بعد میں اخبار بدر 23اپریل 1908ء میں آپ نے خود بھی لکھ دیا۔کہ یہ پیشگوئی ٹل گئی ہے۔اور وعیدی پیشگوئی کا ٹل جانا آیت یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ مطابق ہوا ہے۔

ماسوا اس کے زوجنٰکھا کے الہام کا مفہوم گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ قرار دیا کہ بعد واپسی کے ہم نے اس سے تیرا نکاح کردیا (انجام آتھم صفحہ 60) اور یہ نکاح سلطان محمد کی توبہ کی وجہ سے وقوع میں نہ آیا۔تاہم ایک دوسری تعبیر سے بھی یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوچکی ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کو "مسیح موعود" کا منصب جلیل عطا کیا گیا۔نکاح کے تعبیری معنی منصب جلیل کا ملنا ہوتے ہیں تعطیر الانام میں لکھا ہے:۔

"اَلنِّکَاحُ فِی الْمَنَامِ یَدُلُّ عَلَی الْمَنْصَبِ الْجَلِیْلِ"

یعنی خواب میں نکاح کسی بڑے منصب کے ملنے پر دلالت کرتا ہے۔

ماسوااس کے طبرانی اورابن عسا کر نے ابوامامہ سے مرفوعاً روایت کی ہے:۔

اِنَّ رَسُولَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لخَدِیْجَة اماشعرتِ اَنَّ اللّٰہ زوّجنی مریمَ ابنةَ عمرانَ و کلثومَ اختَ موسٰی و امرأةَ فرعونَ قالتْ هنیئًا لَکَ یا رسولَ اللّٰہِ .

(تفسیر فتح البیان جلد 7 صفحہ 100 مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے میرا نکاح (حضرت عیسٰی علیہ السلام کی والدہ) مریم بنت عمران۔موسٰی علیہ السلام کی بہن کلثوم اورفرعون کی بیوی کے ساتھ کردیا ہے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تینوں نکاح آسمانی تھے۔جن کی تعبیر اس رنگ میں پوری ہوئی۔کہ ان عورتوں کے خاندانوں کے بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

اسی طرح مرزا احمد بیگ کے خاندان کے بہت سے افراد اس پیشگوئی پر ایمان لاچکے ہیں۔جن میں سے مندرجہ ذیل افراد خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں:۔

1۔محمد اسحاق پسر مرزا سلطان محمد

2۔والدہ محمدی بیگم صاحبہ یعنی اہلیہ مرزا احمد بیگ

3۔محمودہ بیگم ہمشیرہ محمدی بیگم

4۔عنایت بیگم ہمشیرہ محمدی بیگم

5۔مرزا احمد حسن داماد مرزا احمد بیگ

6۔مرزا محمد بیگ پسر مرزا احمد بیگ

اسی طرح اس خاندان کے دوسرے بہت سے افراد بھی ایمان لائے۔

محمدی بیگم صاحبہ کے پسر مرزا محمد اسحاق بیگ ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

''میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ (حضرت مرزا صاحب) وہی مسیح موعود ہیں جن کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی''۔

(ماخوذ از اعلان احمدیت مندرجہ الفضل 26 فروری 1931ء)

پس جس خاندان کے ساتھ اس پیشگوئی کا براہ راست تعلق تھا وہ تو اس پیشگوئی کے مصدق ہیں اور انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تو دوسروں کو اعتراض کا کیا حق ہے۔

اعتراض ششم

یہ پیشگوئی الہامی تھی۔نکاح کے لئے حضرت مرزا صاحب نے خطوط وغیرہ کے ذریعہ سے کوشش کیوں کی؟

الجواب:۔ پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے کوشش کرنا انبیاء کی سنت کے مطابق ہے۔

(الف) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ بدر کی فتح کا وعدہ تھا لیکن اس کے باوجود مقابلہ کی ہر ممکن کوشش کی۔اور حضورؐ نے اس کے لئے خضوع اور خشوع کے ساتھ جنگ سے ایک طرف ہو کر دعائیں بھی فرمائیں۔

(ب) موسیٰ علیہ السلام سے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ کنعان کی زمین انہیں دی جائے گی۔اس کے لئے قوم نے کوشش نہ کی جو ناپسندیدہ امر

تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زمین ان پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی۔
موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ (المائدۃ:22)

اے قوم! ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ۔ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ (یعنی ارض کنعان)

كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے الفاظ صریح پیشگوئی پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر قوم کے جواب فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدۃ:25) کہ اے موسیٰ تو اور تیرا خدا دونوں جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔
اس پر خدا تعالیٰ نے ان کے رویے کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۔ (المائدۃ:27) کہ بے شک یہ زمین ان کے لئے چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔ وہ زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے۔
کیا معترضین یہود کے اس جواب کو ”کہ تُو اور تیرا خدا جا کر لڑو“ اور خود کوشش نہ کرنے کو پسندیدہ امر سمجھتے ہیں؟
اس بارہ میں قرآن کریم مترجم مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کے صفحہ 177 فائدہ نمبر 2 کے تحت یہود کے اس جواب پر لکھا ہے:۔

”اسباب مشروعہ کا ترک کرنا توکّل نہیں۔ توکّل تو یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے اور پھر اس کے مثمر اور منتج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے اور اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکّل نہیں بلکہ تعطّل ہے“۔

اعتراض ہفتم

مرزا فضل احمد کو بیوی چھوڑنے اور محروم الارث ہونے کا نوٹس کیوں دیا گیا اُن کا کیا قصور تھا؟

الجواب :۔ چونکہ مرزا فضل احمد کی بیوی کا تعلق مخالفین سے تھا اور وہ خود بھی مخالفین میں شامل تھی۔ اور الہام الٰہی بتاتا تھا کہ جو لوگ ایسے مخالفین سے علیحدہ نہ ہوں اور ان سے تعلقات رکھیں اُن پر عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ لہٰذا حضرت اقدس کو اپنے بیٹے پر شفقت مجبور کرتی تھی کہ وہ بیٹے کو اپنی بیوی سے قطع تعلق کرنے کا مشورہ دیں تا وہ بھی عذاب کا مورد نہ بنیں۔

احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ اگر باپ اپنی بہو کو کسی خلاف شرع بات کی وجہ سے ناپسند کرتا ہو تو وہ بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کرسکتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن ابن عمر قال كَانَتْ تَحْتِي امرء ةٌ احبّها و كان اَبِيْ يَكْرَ هُهَا فَامَرَنِيْ اَنْ اُطَلِّقَهَا فَاَبَيْتُ فذكرتُ ذٰلك للنبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم فقال يا عبدَاللّٰه بن عمر طلق اِمْرَء تكَ۔

(ترمذی کتاب الطلاق باب ماجاء فی الرجل یسأله ابوه ان یطلّق زوجته)

ترجمہ :۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میری ایک بیوی تھی جس سے مجھے بہت محبت تھی لیکن میرے والد کو اس سے سخت نفرت تھی۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دوں۔ میں نے بات نہ مانی اور اس بات کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرؓ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر آئے تو ان کی بیوی کے ذریعہ اُن کو پیغام دے گئے۔ غَیِّرْ عَتَبَةَ بابِکَ کہ اپنے دروازے

کی دہلیز بدل دو۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو اُن کی بیوی نے اُن کو حضرت ابراہیم کا پیغام دیا تو آپ نے فرمایا:۔

ذَاکَ اَبِیُ وَقَدُ اَمَرَنِیُ اَنُ اُفَارِقَکِ اَلُحِقِیُ بِأَهُلِکِ فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنُهُمُ اُخُریٰ ۔

ترجمہ :۔ وہ میرے والد ابراہیم تھے۔ وہ مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے چھوڑ دوں۔ پس تو اپنے والدین کے پاس چلی جا۔ پس آپ نے اُسے طلاق دے کر بنو جرہم کی ایک اور عورت سے شادی کر لی۔

اموال آنے پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے ان اموال میں سے کچھ طلب کیا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا اور خدا نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ آیات نازل کیں جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

”اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وآرائش کا سامان چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں یہ سامان دے کر اچھی طرح رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا اور رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو خدا نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بڑا اجر مقرر کر رکھا ہے“۔ (الاحزاب:29،30)

پس ناپسندیدہ امر کے صدور پر طلاق دینا یا دلوانا اسلام کے نزدیک کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔

اعتراض ہشتم

پہلی بیوی کو طلاق کیوں دی اور اپنے لڑکے سلطان احمد کے متعلق کیوں اشتہار نکالا کہ وہ محروم الارث ہوگا۔

الجواب :۔ اشتہار میں اس کی وجہ مذکور ہے کہ مرزا سلطان احمد اور آپ کی اہلیہ کا مخالفین سے جوڑ تھا۔ اور وہ ایسے لوگوں کی مجالس ترک نہیں کر رہے تھے جو مورد

عذاب بننے والے تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اس اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''اِس کام (محمدی بیگم کے دوسری جگہ نکاح) کے مدارالمہام وہ ہو گئے جن پر اس عاجز کی اطاعت فرض تھی اور ہر چند سلطان احمد کو سمجھایا اور بہت تاکیدی خط لکھے کہ تُو اور تیری والدہ اس کام سے الگ ہو جائیں ورنہ مَیں تم سے جُدا ہو جاؤں گا اور تمہارا کوئی حق نہ رہے گا۔ مگر انہوں نے میرے خط کا جواب تک نہ دیا اور بکلی مجھ سے بیزاری ظاہر کی۔ اگر ان کی طرف سے تیز تلوار کا بھی مجھے زخم پہنچتا تو بخدا میں اس پر صبر کرتا۔ لیکن انہوں نے دینی مخالفت کر کے اور دینی مقابلہ سے آزار دے کر مجھے بہت ستایا اور اس حد تک میرے دل کو توڑ دیا۔ کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ اور عمداً چاہا کہ مَیں سخت ذلیل کیا جاؤں...... اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اب ان کا کسی قسم کا تعلق مجھ سے باقی رہے۔ اور ڈرتا ہوں کہ ایسے دینی دشمنوں سے پیوند رکھنے میں معصیت نہ ہو''۔

(اشتہار مورخہ 2 رمئی 1891ء تبلیغ رسالت جلد 2 صفحہ 9۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 186، 187 (بار دوم)

دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ازواج کا اموال طلب کرنا کوئی معصیت نہ تھا جب کہ دوسروں کو اموال میں سے حصہ مل رہا تھا۔ ہاں رسول اللہ اور اللہ تعالیٰ اُن کا کردار اس سے بلند دیکھنا چاہتے تھے۔ اور ان کے دلوں کو دنیا کی محبت سے خالی کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس مطالبہ پر قائم رہنے کی صورت میں طلاق دینے کی اجازت دیدی۔ اگر ازواج مطہرات اپنے اِس مطالبہ پر قائم رہتیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور طلاق دیتے۔ لیکن انہوں نے اپنا مطالبہ ترک کر دیا اور نہایت شاندار کردار کا مظاہرہ کیا۔ اس لئے حضورؐ کو طلاق نہ دینا پڑی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیوی اور بیٹے کا کردار اس وقت سنگین جرم کے

مترادف تھا اس صورت میں حضور کا ان سے تعلق رکھنا معصیت الٰہی میں داخل تھا۔

نوٹ:۔ اس پیشگوئی پر ہم نے اصولی بحث کردی ہے اور اہم اعتراضات کے جوابات بھی دے دئے ہیں لوگوں کے بعض ضمنی اور غیر معقول اعتراضات کے جوابات میں مَیں نے اپنی تین کتب ''پیشگوئی مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقات'' ''تحقیق عارفانہ'' اور ''احمدیہ تحریک پر تبصرہ'' میں دے دیئے ہیں۔

پیشگوئی متعلق عبداللہ آتھم

22 مئی 1893ء سے 5 جون 1893ء تک امرتسر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پادریوں سے 15 دن کے لئے ایک تحریری مباحثہ الوہیت مسیح کے موضوع پر ہوا۔ یہ مباحثہ تحریری تھا اور اس کے پرچے روزانہ مجلس میں سُنا دیئے جاتے تھے۔ پادریوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم مباحثہ کے لئے پیش ہوتے رہے۔ اس بحث میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عیسائیت پر کھلا کھلا غلبہ عطا فرمایا۔ چونکہ پادری عبداللہ آتھم نے اپنی کتاب ''اندرونہ بائیبل'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ''دجّال'' لکھا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا سے آپ پر ایک پیشگوئی کا انکشاف فرمایا۔ اس پیشگوئی کو آپ نے اپنے آخری پرچہ میں ان الفاظ میں تحریر فرمایا:۔

''آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دُعا کی کہ تُو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا

بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی 15- ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔ اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سُننے لگیں گے''۔

(جنگ مقدس آخری پرچہ روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 291-292)

الہامی الفاظ ''ہاویہ میں گرایا جائے گا'' کا مفہوم اسی وقت اجتہاد کی رُو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ عبداللہ آتھم بسزائے موت ہاویہ (دوزخ) میں گرایا جائے گا۔ چنانچہ آپ اسی پیشگوئی کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ آج کی تاریخ سے پندرہ ماہ میں بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا اُٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے ذلیل کیا جائے۔ رُوسیاہ کیا جائے۔ میرے گلے میں رسّہ ڈال دیا جائے۔ مجھ کو پھانسی دی جائے میں ہر سزا اُٹھانے کو تیار ہوں''۔

اس پیشگوئی سے ڈپٹی عبداللہ آتھم پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ:۔

''اُس نے فوراً زبان باہر نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھے۔ رنگ زرد ہوگیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور سر ہلا کر کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں لکھا۔ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دجال کا لفظ استعمال نہیں کیا)۔''

(رسالہ نور احمد صفحہ 32)

یہ اس کی طرف سے رجوع الی الحق کا آغاز تھا۔ اس کے بعد مرتے دم تک

اس نے ایک لفظ بھی اسلام یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ لکھا۔ ماسوا اسکے وہ دل سے عام عیسائیوں کے عقیدہ ''الوہیت مسیح'' کے ساتھ متفق نہ رہا اور اس اسلامی پیشگوئی کی ہیبت اس پندرہ ماہ کے عرصہ میں اسکے دل پر عجب طور سے طاری رہی۔ چنانچہ نہایت سراسیمگی کی حالت میں وہ جگہ بہ جگہ پھرتا رہا اور اسے ایک شہر میں قرار نہیں تھا۔ اسکے رجوع الی الحق کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان الفاظ میں اطلاع دی:۔

اِطَّلَعَ اللّٰہ عَلٰی ھَمِّہٖ وغَمِّہٖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا وَلَا تَعْجَبُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ وَ بِعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی وَنُمزِّقُ الْاَعْدَآءَ کُلَّ مُمَزَّقٍ وَمَکْرُ اُولٰٓئِکَ ھُوَ یَبُوْرُاِنَّا نَکْشِفُ السِّرَّ عَنْ سَاقِہٖ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُوْمِنُوْنَ۔ (انوارالاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 2)

کہ خدا تعالیٰ نے اُس (عبداللہ آتھم) کے ھمّ وغم پر اطلاع پائی اور اس کو مہلت دی جب تک کہ وہ بے باکی اور سخت گوئی اور تکذیب کی طرف میل کرے۔ اور خدا تعالیٰ کے احسان کو بھلا دے (یہ معنی فقرہ مذکورہ کے تفہیم الٰہی سے ہیں) اور پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی یہی سنت ہے اور تو ربّانی سنتوں میں تغیر اور تبدّل نہیں پائے گا۔ اس فقرہ کے متعلق یہ تفہیم ہوئی کہ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ کسی پر عذاب نازل نہیں کرتا جب تک ایسے کامل اسباب پیدا نہ ہو جائیں جو غضب الٰہی کو مشتعل کریں۔ اور اگر دل کے کسی گوشہ میں بھی کچھ خوفِ الٰہی مخفی ہو اور کچھ دھڑکہ شروع ہو جائے۔ تو عذاب نازل نہیں ہوتا اور دوسرے وقت پر جا پڑتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ کچھ تعجب مت کرو اور غمناک مت ہو اور غلبہ تمہیں کو

ہے اگر تم ایمان پر قائم رہو...... یہ اس عاجز کی جماعت کو خطاب ہے۔اور پھر فرمایا کہ ہم دشمنوں کو پارہ پارہ کر دیں گے یعنی اُن کو ذلت پہنچے گی اور انکا مکر ہلاک ہو جائے گا۔اس میں یہ تفہیم ہوئی۔کہ تم ہی فتح یاب ہو نہ دشمن۔اور خدا تعالیٰ بس نہیں کرے گا اور نہ باز آئے گا۔جب تک دشمنوں کے تمام مکروں کی پردہ دری نہ کرے اوران کے مکر کو ہلاک نہ کردے یعنی جو مکر بنایا گیا اور مجسم کیا گیا اس کو توڑ ڈالے گا۔اور اس کو مردہ کر کے پھینک دے گا۔اور اسکی لاش لوگوں کو دکھادے گا۔اور پھر فرمایا کہ ہم اصل بھید کو اس کی پنڈلیوں میں سے ننگا کر کے دکھا دیں گے یعنی حقیقت کو کھول دیں گے اور فتح کے دلائل بیّنہ ظاہر کریں گے اور اُس دن مومن خوش ہونگے۔پہلے مومن بھی اور پچھلے مومن بھی''۔ (انوارالاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 2-3)

پس اس الہام سے ظاہر ہے کہ عبداللہ آتھم نے پیشگوئی کے الہامی الفاظ ''بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے'' سے حق کی طرف رجوع کر لینے کی وجہ سے یہ فائدہ اٹھایا کہ وہ پندرہ ماہ کے اندر نہ مرا۔اوراس عرصہ میں انتہائی ہم وغم میں مبتلا رہا۔جس کے واقعات بھی گواہ ہیں کہ اسلامی پیشگوئی کا اس کے دل پر ہولناک اثر پڑا۔اور گھبراہٹ اور دیوانہ پن کی حالت اس پر طاری رہی۔حضور فرماتے ہیں:۔

''الہامی پیشگوئی کے رعب نے اس کے دل کو ایک کچلا ہوا دل بنادیا۔یہاں تک کہ وہ سخت بے تاب ہوا اور شہر بہ شہر اور ہر ایک جگہ ہراساں اور ترساں پھرتا رہا اور اس مصنوعی خدا پر اس کا توکل نہ رہا۔جس کو خیالات کی کجی اور ضلالت کی تاریکی نے الوہیت کی جگہ دے رکھی ہے۔وہ کتوں سے ڈرا اور سانپوں کا اس کو اندیشہ ہوا اور اندر کے مکانوں سے بھی اسکو خوف آیا اس پر خوف اور وہم اور دلی سوزش کا غلبہ ہوا۔اور پیشگوئی کی پوری ہیبت اس پر

طاری ہوئی اور وقوع سے پہلے ہی اس کا اثر اس کو محسوس ہوا۔ اور بغیر اسکے کہ کوئی امرتسر سے اس کو نکالے آپ ہی ہراساں اور ترساں اور پریشاں اور بے تاب ہو کر شہر بہ شہر بھاگتا پھرا۔ اور خدا نے اس کے دل کا آرام چھین لیا اور پیشگوئی سے سخت متاثر ہو کر سراسیموں اور خوفزدوں کی طرح جا بجا بھٹکتا پھرا۔ اور الہام الٰہی کا رعب اور اثر اس کے دل پر ایسا مستولی ہوا کہ اس کی راتیں ہولناک اور دن بے قراری سے بھر گئے......اس کے دل کے تصوروں نے عظمت اسلامی کو ردّ نہ کیا بلکہ قبول کیا اس لئے وہ خدا جو رحیم و کریم اور سزا دینے میں دھیما ہے اور انسان کے دل کے خیالات کو جانچتا اور اسکے تصورات کے موافق اس سے عمل کرتا ہے۔ اس نے اس کو اس صورت پر بنایا جس صورت میں فی الفور کامل ہاویہ کی سزا یعنی موت بلاتوقف اس پر نازل ہوتی۔ اور ضرور تھا کہ وہ کامل عذاب اس وقت تک تھما رہے۔ جب تک کہ وہ بے باکی اور شوخی سے اپنے ہاتھ سے اپنے لئے ہلاکت کے اسباب پیدا کرے اور الہام الٰہی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا تھا کیونکہ الہامی عبارت میں شرطی طور پر عذاب موت کے آنے کا وعدہ تھا نہ مطلق بلاشرط''۔

(انوارالاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 4-5)

''یہ غیر ممکن ہے کہ خدا اپنی قرار دادہ شرطوں کو بھول جائے۔ کیونکہ شرائط کا لحاظ رکھنا صادق کے لئے ضروری ہے۔ اور خدا اصدق الصادقین ہے۔ ہاں جس وقت مسٹر عبداللہ آتھم اس شرط کے نیچے سے اپنے تئیں باہر کرے اور اپنے لئے اپنی شوخی اور بے باکی سے ہلاکت کے سامان پیدا کرے تو وہ دن نزدیک آجائیں گے اور سزائے ہاویہ کامل طور پر نمودار

ہوگی۔اور پیشگوئی عجیب طور پر اپنا اثر دکھائے گی‘‘۔

(انوارالاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 5)

نوٹ:۔ یہ عبارت عبداللہ آتھم کے لئے رجوع کر لینے کے بعد بے با کی دکھانے کی صورت میں پیشگوئی کی معین اور آخری صورت ہے جو یہ ہے کہ بے با کی اور شوخی کے ظہور پر یعنی رجوع الی الحق کے ماننے سے انکار کرنے پر یا رجوع الی الحق کی صورت کو کسی تدبیر سے مشتبہ بنانے کی صورت میں اسکی ہلاکت کے دن نزدیک آجائیں گے۔اور پھر موت کے ذریعہ سزائے ہاویہ کا وہ جلد شکار ہوجائے گا۔اور پیشگوئی کا اثر غیر معمولی رنگ میں ظاہر ہوگا۔گویا اب یہ پیشگوئی ڈپٹی عبداللہ آتھم کی بے با کی اور شوخی سے معلق ہوگئی۔

مخالفین کا شور وشر

جب مسٹر عبداللہ آتھم رجوع الی الحق کی شرط سے فائدہ اُٹھا کر پندرہ ماہ کے اندر مرنے سے بچ گیا۔تو عیسائیوں نے اپنی جھوٹی فتح کا نقارہ بجایا۔جلوس نکالے اور خوب شور وشر اور ہنگامہ آرائی کی اور مسیح موعود کی شان میں گستاخانہ رویہ اختیار کیا بعض سادہ لوح مسلمان یا حضور سے تعصّب رکھنے والے مسلمان بھی اُن کے ہمنوا ہوگئے تو ان کی حالت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ سے الہام پا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عبداللہ آتھم کو مباہلہ کا چیلنج دیا۔اوراس دعوت مباہلہ کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کا انعام بھی رکھا۔دعوت مباہلہ والے اشتہار میں آپ نے لکھا:۔

’’اگر عیسائی صاحبان اب بھی جھگڑیں اور اپنی مکارانہ کارروائیوں کو کچھ چیز سمجھیں یا کوئی اور شخص اس میں شک کرے۔تو اس بات کے تصفیہ کے لئے کہ فتح کس کو ہوئی آیا اہل اسلام کو جیسا کہ درحقیقت ہے۔یا عیسائیوں کو جیسا کہ وہ ظلم کی راہ سے خیال کرتے ہیں۔تو میں ان کی پردہ دری کے لئے

مباہلہ کے لئے تیار ہوں۔ اگر وہ دروغ گوئی اور چالاکی سے باز نہ آئیں تو مباہلہ اس طور پر ہوگا کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر ہم فریقین ایک میدان میں حاضر ہوں۔ اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کھڑے ہو کر تین مرتبہ اِن الفاظ کا اقرار کریں کہ اِس پیشگوئی کے عرصہ میں اسلامی رُعب ایک طرفة العین کے لئے بھی میرے دل پر نہیں آیا اور میں اسلام اور نبیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ناحق پر سمجھتا رہا اور سمجھتا ہوں۔ اور صداقت کا خیال تک نہیں آیا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی ابنیت اور الوہیت پر یقین رکھتا رہا اور رکھتا ہوں۔ اور ایسا ہی یقین جو فرقہ پروٹسٹنٹ کے عیسائی رکھتے ہیں اور اگر میں نے خلاف واقعہ کہا ہے اور حقیقت کو چُھپایا ہے۔ تو اے خدائے قادر! مجھ پر ایک برس میں عذاب موت نازل کر"۔ اس دعا پر ہم آمین کہیں گے اور اگر دعا کا ایک سال تک اثر نہ ہوا اور وہ عذاب نازل نہ ہوا جو جھوٹوں پر نازل ہوتا ہے تو ہم ہزار روپیہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کو بطور تاوان کے دیں گے۔ چاہیں تو پہلے کسی جگہ جمع کرالیں اور اگر وہ ایسی درخواست نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ وہ کاذب ہیں اور غلو کے وقت اپنی سزا پائیں گے"۔

(انوار الاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 6)

بالآخر حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"پس یقیناً سمجھو کہ اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ بالا ہوا اور کلمہ اسلام اونچا ہوا اور عیسائیت نیچے گری"۔

مسٹر عبداللہ آتھم اس مؤکّد بعذاب قسم کھانے کیلئے آمادہ نہ ہوئے تو حضور نے دوسرا اشتہار دو ہزار روپے کے انعام کے ساتھ شائع کیا اور اس میں تحریر فرمایا:۔

"حضرت یہ تو دو خداؤں کی لڑائی ہے۔ اب وہی غالب ہوگا جو سچا خدا ہے۔

جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے خدا کی ضرور یہ قدرت ظاہر ہوگی کہ اس قسم والے برس میں ہم نہیں مریں گے۔لیکن اگر آتھم صاحب نے جھوٹی قسم کھالی تو ضرور فوت ہو جائیں گے۔تو جائے انصاف ہے کہ آتھم صاحب کے خدا پر کیا حادثہ نازل ہوگا کہ وہ ان کو بچا نہیں سکے گا اور منجی ہونے سے استعفیٰ دے دے گا۔غرض اب گریز کی کوئی وجہ نہیں۔یا تو مسیح کو قادر خدا کہنا چھوڑیں یا قسم کھالیں۔ہاں اگر عام مجلس میں یہ اقرار کر لیں کہ ان کے مسیح ابن اللہ کو برس تک زندہ رکھنے کی تو قدرت نہیں مگر برس کے تیسرے حصہ یا تین دن تک البتہ قدرت ہے۔اور اس مدت تک اپنے پرستار کو زندہ رکھ سکتا ہے۔تو ہم اس اقرار کے بعد چار مہینہ یا تین دن ہی تسلیم کرلیں گے‘‘۔

(اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ 20 ستمبر 1894ء۔مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 135، 136۔مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 414 بار دوم)

عبداللہ آتھم انعامی رقم ڈبل کیا جانے پر بھی اس رُوحانی مقابلہ پر آمادہ نہ ہوا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تین ہزار روپے کا انعامی اشتہار دیا۔اور اس میں اس سوال کا کہ ایک سال کی میعاد کی کیا ضرورت ہے خدا ایک دن میں بھی جھوٹے کو مار سکتا ہے۔یہ جواب دیا:۔

’’ہاں بے شک خدائے قادر ذوالجلال ایک دن میں کیا بلکہ ایک طرفۃ العین میں مار سکتا ہے۔مگر جب اس نے الہامی تفہیم سے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔تو اسکی پیروی کرنا لازم ہے۔کیونکہ وہ حاکم ہے......کیا ان کا (عیسائیوں کا) وہ مصنوعی خدا ایک سال تک آتھم صاحب کو بچا نہیں سکتا۔حالانکہ ان کی عمر بھی کچھ ایسی بڑی نہیں ہے بلکہ میری عمر سے صرف چند سال ہی زیادہ ہیں۔پھر اس مصنوعی خدا پر کونسی ناتوانی طاری ہو جائے گی کہ ایک

سال تک بھی ان کو بچا نہ سکے گا ایسے خدا پر نجات کا بھروسہ رکھنا بھی سخت خطرناک ہے جو ایک سال کی حفاظت سے بھی عاجز ہے۔کیا ہم نے عہد نہیں کیا کہ ہمارا خدا اس سال میں ضرور ہمیں مرنے سے بچائے گا۔اور آتھم صاحب کو اِس جہان سے رخصت کر دے گا۔کیونکہ وہی قادر اور سچا خدا ہے جس سے بدنصیب عیسائی منکر ہیں اور اپنے جیسے انسان کو خدا بنا بیٹھے ہیں''۔

(انعامی اشتہار تین ہزار روپیہ 5/ اکتوبر 1894ء۔مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 144، 145۔مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ 420)

اس اشتہار میں حضرت اقدس نے بطور چٹھی عبداللہ آتھم صاحب کو لکھا:۔

''از طرف عبداللہ الاحد احمد عافاہ اللہ وایّد۔آتھم صاحب کو معلوم ہو کہ میں نے آپ کا وہ خط پڑھا جو آپ نے ''نور افشاں'' 21/ستمبر 1894ء کے صفحہ 10 میں چھپوایا ہے مگر افسوس کہ آپ اس خط میں دونوں ہاتھ سے کوشش کر رہے ہیں کہ حق ظاہر نہ ہو۔

مَیں نے خدا تعالیٰ سے سچا اور پاک الہام پا کر یقینی اور قطعی طور پر جیسا کہ آفتاب نظر آجاتا ہے معلوم کر لیا ہے کہ آپ نے میعاد پیشگوئی کے اندر اسلامی عظمت اور صداقت کا سخت اثر اپنے دل پر ڈالا اور اسی بناء پر پیشگوئی کے وقوع کا ہمّ و غم کمال درجہ پر آپ کے دل پر غالب ہوا۔

میں اللہ جلّ شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بالکل صحیح ہے اور خدا تعالیٰ کے مکالمہ سے مجھ کو یہ اطلاع ملی ہے اور اس پاک ذات نے مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ جو انسان کے دل کے تصورات کو جانتا اور اس کے پوشیدہ خیالات کو دیکھتا ہے اور اگر میں اِس بیان میں حق پر نہیں تو خدا مجھ کو آپ سے پہلے موت دے۔

پس اسی وجہ سے مَیں نے چاہا کہ آپ مجلس عام میں قسم غلیظ مؤکّد

بعذاب موت کھاویں ایسے طریق سے جو میں بیان کر چکا ہوں تا میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے اور دنیا تاریکی میں نہ رہے۔ اور اگر آپ چاہیں گے تو مَیں بھی ایک برس یا دو برس یا تین برس کے لئے قسم کھالوں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ سچا ہرگز برباد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہی ہلاک ہوگا جس کو جھوٹ نے پہلے سے ہلاک کر دیا ہے اگر صدق الہام اور صدق اسلام پر مجھے قسم دی جائے تو میں آپ سے ایک پیسہ نہیں لیتا۔ لیکن آپ کے قسم کھانے کے وقت تین ہزار کے بدرے پہلے پیش کئے جائیں گے......جبکہ میں بھی قسم کھا چکا اور آپ بھی کھائیں گے۔ تو جو شخص ہم دونوں میں جھوٹا ہوگا۔ وہ دنیا پر اثر ہدایت ڈالنے کے لئے اس جہاں سے اُٹھالیا جائے گا۔ اگر آپ چونسٹھ برس کے ہیں تو میری عمر بھی قریباً ساٹھ کے ہو چکی۔ دو خداؤں کی لڑائی ہے۔ ایک اسلام کا اور ایک عیسائیوں کا۔ پس جو سچا اور قادر خدا ہوگا وہ ضرور اپنے بندہ کو بچالے گا۔ اگر آپ کی نظر میں کچھ عزت اس مسیح کی ہے جس نے مریم صدیقہ سے تولّد پایا تو اس عزت کی سفارش پیش کر کے پھر میں آپ کو خداوند قادر مطلق کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس اشتہار کے منشاء کے موافق عام مجلس میں قسم مؤکد بعذاب موت کھاویں۔ یعنی یہ کہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں نے پیشگوئی کی میعاد میں اسلامی عظمت اور صداقت کا کچھ اثر اپنے دل پر نہیں ڈالا اور نہ اسلامی پیشگوئی کی حقانی ہیبت میرے دل پر طاری ہوئی۔ اور نہ میرے دل نے اسلام کو حقانی مذہب خیال کیا بلکہ میں درحقیقت مسیح کی ابنیت اور الوہیت اور کفارہ پر یقین کامل کے ساتھ اعتقاد رکھتا رہا۔ اگر میں اِس بیان میں جھوٹا ہوں تو اے قادر خدا! جو دل کے تصورات کو جانتا ہے اِس بے باکی کے عوض میں سخت ذلّت اور دُکھ کے ساتھ عذاب موت ایک سال کے اندر میرے پر

نازل کر۔اور یہ تین مرتبہ کہنا ہوگا۔اور ہم تین مرتبہ آمین کہیں گے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کو مسیح کی عزت کا کچھ بھی پاس ہے یا نہیں‘‘۔

(اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ 5/اکتوبر 1894ء۔مندرجہ تبلیغ رسالت جلدسوم صفحہ 157 تا 161 مجموعہ اشتہارات جلداول صفحہ 430 تا 432)

ڈپٹی عبداللہ آتھم کے عُذرات

مسٹر عبداللہ آتھم نے دو۲ عذر کئے۔اوّل یہ کہ قسم کھانا اُن کے مذہب میں ممنوع ہے۔دوم یہ کہ پیشگوئی کے زمانہ میں وہ ڈرے تو ضرور ہیں مگر پیشگوئی کے اثر سے نہیں بلکہ اِس لئے کہ کہیں ان کو قتل نہ کروا دیا جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے دونوں عذرات اپنے آخری اشتہار میں جس میں چار ہزار انعام دینے کا وعدہ کیا تھا توڑ دیئے اور پادری عبداللہ آتھم اس اشتہار کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دلائل سے ثابت فرمایا کہ انجیل کی رُو سے صرف آسمان یا زمین یا یروشلم یا اپنے سر کی قسم کھانا ممنوع ہے۔(متی 5/35-34) ورنہ قسم پطرس حواری نے بھی کھائی۔(متی 26/72) پولوس رسول نے بھی کھائی (کرنتھیوں 11/10)۔بلکہ پولوس رسول نے تو لکھا کہ ہر ایک مقدمہ کی حد قسم ہے (عبرانیوں 6/16) بائبل میں خدا۔فرشتوں اور نبیوں کی قسمیں موجود ہیں۔اور انجیل میں عیسیٰ کی قسم۔پطرس کی قسم اور پولوس کی قسمیں درج ہیں۔اس جہت سے علماءعیسائیت نے جواز قسم پر فتویٰ دیا ہے۔

(دیکھئے تفسیر انجیل۔مصنّفہ پادری کلارک و پادری عمادالدین مطبوعہ 1875ء)

علاوہ ازیں عیسائی سلطنت میں پارلیمنٹ کے ممبروں اور تمام متعہد عیسائی

ملازموں حتیٰ کہ گورنر جنرل سے بھی قسم لی جاتی ہے۔ پھر آپ نے تحریر فرمایا:۔

’’پھر اب سوچنا چاہیے جب کہ پطرس نے قسم کھائی۔ پولس نے قسم۔ کھائی مسیحیوں کے خدا نے قسم کھائی۔ فرشتوں نے قسم کھائی۔ نبیوں نے قسمیں کھائیں اور تمام پادری ذرہ ذرہ مقدمہ پر قسمیں کھاتے ہیں پارلیمنٹ کے ممبر قسم کھاتے ہیں ہر ایک گورنر جنرل قسم کھا کر آتا ہے تو پھر آتھم صاحب ایسے ضروری وقت میں کیوں قسم نہیں کھاتے۔ حالانکہ وہ خود اپنے اس اقرار سے کہ میں پیشگوئی کے بعد ضرور موت سے ڈرتا رہا ہوں۔ ایسے الزام کے نیچے آگئے ہیں کہ وہ الزام بجز قسم کھانے کے کسی طرح ان کے سر پر سے اُٹھ نہیں سکتا۔ کیونکہ ڈرنا جو رجوع کی ایک قسم ہے اُن کے اقرار سے ثابت ہوا۔ پھر بعد اس کے وہ ثابت نہ کر سکے کہ وہ صرف قتل کیئے جانے سے ڈرتے تھے۔ نہ انہوں نے حملہ کرتے ہوئے کسی قاتل کو پکڑا۔ نہ انہوں نے یہ ثبوت دیا کہ ان سے پہلے کبھی اس عاجز نے چند آدمیوں کا خون کر دیا تھا جس کی وجہ سے اُن کے دل میں بھی دھڑ کا بیٹھ گیا کہ اسی طرح میں بھی مارا جاؤں گا۔ بلکہ اگر کوئی نمونہ ان کی نظر کے سامنے تھا تو بس یہی کہ ایک پیشگوئی موت کی یعنی مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی موت ان کے سامنے ظہور میں آئی تھی لہٰذا جیسا کہ الہام الٰہی نے بتلایا ضرور وہ پیشگوئی کی عظمت سے ڈرے اور یہ بات روئداد موجودہ سے بالکل برخلاف ہے کہ وہ پیشگوئی کی صداقت تجربہ شدہ سے نہیں ڈرے بلکہ ہمارا خونی ہونا جو ایک تجربہ کی رُو سے ایک تحقیقی امر تھا اس سے ڈر گئے۔ پس اِس الزام سے وہ بجز اس کے کیونکر بری ہو سکتے ہیں کہ بحیثیت شاہد کے قسم کھائیں اور بموجب قول پولس رسول کے جو ہر ایک مقدمہ کی حد قسم ہے۔ اس مشتبہ امر کا فیصلہ کر لیں۔ لیکن یہ نہایت درجہ کی مکاری اور بددیانتی

ہے کہ قسم کی طرف تو رجوع نہ کریں اور یونہی حق پوشی کے طور پر جابجا خط بھیجیں اوراخباروں میں چھپوائیں کہ میں عیسائی ہوں اورعیسائی تھا۔‘‘

(اشتہار انعامی چار ہزارروپیہ مورخہ 27/اکتوبر 1894ء۔مندرجہ تبلیغ رسالت جلدسوم صفحہ 172، 173۔مجموعہ اشتہارات جلداول صفحہ 441، 442)

پھر حضورتحریرفرماتے ہیں:

’’اب بتلاؤ کہ آتھم صاحب کا یکطرفہ بیان جوصرف دعویٰ کےطور پر اغراض نفسانیہ سے بھرا ہوا اور روئداد موجود ہ کے مخالف ہے کیونکر قبول کیا جائے۔اورکونسی عدالت اس پر اعتماد کرسکتی ہے یہ خدا تعالیٰ کافضل ہے کہ صرف ہمارے الہام پرمدارنہیں رہا بلکہ آتھم صاحب نے خودموت کےخوف کا اقرار اخباروں میں چھپوادیا اور جابجا خطوط میں اقرارکیا۔اب یہ بوجھ آتھم صاحب کی گردن پر ہے کہ اپنے اقرارکو بےثبوت نہ چھوڑیں بلکہ قسم کے طریق سے جو ایک سہل طریق ہے اور جو ہمارے نزدیک قطعی اور یقینی ہے ہمیں مطمئن کردیں کہ وہ پیشگوئی کی عظمت سے نہیں ڈرے بلکہ وہ فی الحقیقت ہمیں ایک خونی انسان یقین کرتے اور ہماری تلواروں کی چمک دیکھتے تھے۔اورہم انہیں کچھ بھی تکلیف نہیں دیتے بلکہ اس قسم پر چار ہزارروپیہ بشرائط اشتہار 9/ستمبر 1894ء و20 ستمبر 1894ء ان کی نذر کریں گے‘‘۔

اِس اشتہار میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے اپنا آخری الہام درج فرمایا:۔

’’خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ میں بس نہیں کرونگا جب تک اپنے قوی ہاتھ کو نہ دکھلاؤں اورشکست خوردہ گروہ کی سب پر ذلت ظاہر نہ کروں‘‘۔

اوراس الہام پر یہ تشریحی نوٹ لکھا:۔

’’اب اگرآتھم صاحب قسم کھالیں تو وعدہ ایک سال قطعی اوریقینی ہے جس

کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھاویں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے حق کا اخفاء کر کے دنیا کو دھوکہ دینا چاہا۔ لیکن ہم اس مؤخر الذکر شق کی نسبت ابھی صرف اتنا کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے نشان کو ایک عجیب طور پر دکھلانا ارادہ کیا ہے جس سے دنیا کی آنکھ کھلے اور تاریکی دُور ہو۔ اور وہ دن نزدیک ہیں دُور نہیں۔ مگر اس وقت اور گھڑی کا علم جب دیا جائے گا تب اس کو شائع کر دیا جائے گا''۔

(اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ 27 / اکتوبر 1894ء۔ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 174 تا 177 مجموعہ اشتہارات جلد اول 442 تا 445)

اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ کے بعد مسٹر عبداللہ آتھم قسم کھانے پر تو آمادہ نہ ہوئے مگر ان کا قسم سے انکار کمال کو پہنچ گیا۔ کیونکہ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے تین اور اشتہار دئے اور آخری اشتہار 30 / دسمبر 1895ء کو دیا گیا۔ جس میں حضور فرماتے ہیں:۔

''اگر پادری صاحبان ملامت کرتے کرتے اُن (آتھم) کو ذبح بھی کر ڈالیں۔ تب بھی وہ میرے مقابل پر قسم کھانے کے لئے ہرگز نہیں آئیں گے کیونکہ وہ دل میں جانتے ہیں کہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ میری سچائی کے لئے یہ نمایاں دلیل کافی ہے کہ آتھم صاحب میرے مقابلہ پر میرے مواجہ میں ہرگز قسم نہیں اُٹھائیں گے۔ اگرچہ عیسائی لوگ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اگر وہ قسم کھالیں تو یہ پیشگوئی بلاشبہ دُوسرے پہلو پر پُوری ہو جائے گی۔ خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتیں''۔

(اشتہار 30 / دسمبر 1895ء۔ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد چہارم صفحہ 70۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 539)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آتھم کو قسم کھانے کے علاوہ نالش کرنے کی بھی ترغیب دی تھی۔ لیکن آتھم نے نہ قسم کھائی اور نہ نالش کی اور اس طریق سے بتا دیا کہ ضرور اُس نے رجوع بحق کیا تھا۔ اور چونکہ اُس نے علانیہ طور پر زبان سے اس

رجوع کا اظہار نہیں کیا اس لئے خدا نے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑا۔ اور اخفائے حق کی سزا میں آخری اشتہار سے جو 30/دسمبر 1895ء کو شائع ہوا۔ سات ماہ کے اندر گرفت الٰہی میں آ گیا اور 26/جولائی 1896ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہلاک ہو کر عیسائیوں کی شکست کو ظاہر کر گیا۔

پیشگوئی پر اعتراضات کے جوابات

مولوی غلام جیلانی برق نے اعتراض کیا ہے کہ آتھم اور اسکے فریق نے پیشگوئی کی شرط رجوع الی الحق کو قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ اپنے طغیان اور تمرّد پر ڈٹے ہوئے تھے ...... عبداللہ آتھم اسلام اور مرزا صاحب کے خلاف مسلسل لکھتا رہا۔ اس کی ایک نہایت زہریلی کتاب ''خلاصہ مباحثہ'' جس میں تثلیث پر پُرزور دلائل ہیں اور توحید کا مضحکہ اُڑایا گیا ہے اور جناب مرزا صاحب پر بے پناہ پھبتیاں کسی گئی ہیں۔ اسی زمانے پندرہ ماہ کی تصنیف ہے۔

ہم نے جناب برق صاحب سے خط و کتاب کی جسکی تفصیل میری کتاب ''تحقیق عارفانہ صفحہ 465 تا صفحہ 467 تک میں درج ہے۔ جناب برق صاحب عبداللہ آتھم کی طرف سے ''خلاصہ مباحثہ'' لکھا جانے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے۔ وہ تو میعاد کے اندر سرگرداں و سراسیمہ تھا۔ اور دن رات روتا رہتا تھا۔ اسکی حالت نیم دیوانہ کے مشابہ تھی اور اسکی قوتِ متخیلہ میں اُسے ایسے حملہ آور دکھائی دیتے تھے جن کا ذکر کرنے پر عیسائیوں نے اُسے حضرت مرزا صاحب پر نالش کرنے کو کہا اور یہاں تک پیشکش کی کہ تم صرف کاغذ پر دستخط ہی کر دو مقدمہ ہم دائر کریں گے۔ مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ بھلا اس سراسیمگی کی حالت میں وہ خلاصہ مباحثہ کیسے لکھ سکتا تھا۔ ہماری نظر سے کوئی ایسا رسالہ نہیں گذرا۔ اگر عبداللہ آتھم نے ایسا کوئی رسالہ ان ایام میں لکھا ہوتا تو وہ اسے قسم کھانے کی دعوت کے مقابلہ میں بطور

وجہ شہادت پیش کرتے کہ دیکھو میں نے کوئی رجوع نہیں کیا اوران کوضرورت نہ تھی کہ کچے عذرات سے قسم کوٹال دیتے۔

''دبی زبان سے تو اُس نے رجوع کا اعتراف بھی کرلیا تھا۔ چنانچہ وہ ''نورافشاں'' 21ستمبر 1894ء میں حضرت اقدس کے ذکر میں لکھتا ہے:۔

''مَیں عام عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت اورالوہیت کے ساتھ متفق نہیں اور نہ مَیں ان عیسائیوں سے متفق ہوں جنہوں نے آپ کے ساتھ بیہودگی کی''۔

جب وہ عیسائیوں کے ساتھ ساتھ عقیدہ تثلیث میں متفق نہ رہے تو پیشگوئی کی میعاد میں وہ تثلیث پر پُرزور دلائل کیسے لکھ سکتے تھے۔اور جب وہ عیسائیوں کی بیہودگی کو ناپسند کرتا تھا تو وہ حضرت مرزا صاحبؑ پر پھبتیاں کیسے کس سکتے تھے۔

برق صاحب نے حرف محرمانہ صفحہ 271 پر تسلیم کیا ہے کہ رجوع الی الحق کا مفہوم ایک ہی ہوسکتا ہے یعنی تثلیث سے تائب ہوکر توحید قبول کرنا۔ جب آتھم صاحب نے عام عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث سے رجوع کرلیا جس کا خود انہوں نے اعتراف کیا ہے تو انکا ایسا کرنا توحید کے عقیدہ کو مستلزم ہے۔

اعتراض دوم

حضرت مرزا صاحبؑ نے کشتی نوح صفحہ 6 پر لکھا ہے:۔

''پیشگوئی میں یہ بیان تھا کہ فریقین میں سے جو جُھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا''۔

نیز تحفہ گولڑویہ میں لکھا ہے:

''مَیں نے ڈپٹی عبداللہ آتھم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمیوں کے رُوبرو یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔ سو آتھم اپنی

موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پیشگوئی میں پہلے اور پیچھے کا کوئی ذکر نہیں۔ وہاں صرف اِس قدر ذکر ہے کہ جھوٹا پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔
(حرف محرمانہ از ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ باراوّل صفحہ 283 علمی پرنٹنگ پریس لاہور)

الجواب

''پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے''۔

کا مفہوم یہی ہوسکتا ہے کہ دونوں فریق میں سے جو جھوٹا ہے وہ پندرہ ماہ تک مر کر دوزخ میں پڑے گا۔ کیونکہ ہاویہ کے معروف معنی دوزخ ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کی اِس پیشگوئی میں ساتھ ہی یہ الفاظ بھی موجود ہیں:۔

''اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی''۔ (تذکرہ صفحہ 192 مطبوعہ 2004ء)

جس کے یہ معنی ہیں کہ سچا فریق میعاد پیشگوئی میں زندہ رہے گا اور وہ فریق ثانی سے پہلے نہیں مرے گا۔ خود آگے چل کر حضرت اقدسؑ تشریحی الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

''مَیں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ آج کی تاریخ سے پندرہ ماہ میں بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو مَیں ہر ایک سزا اُٹھانے کے لئے تیار ہوں''۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اُسے پندرہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں پڑنا چاہیے اور سچے کو اس عرصہ میں نہیں مرنا چاہیے۔

جب عبداللہ آتھم رجوع کر لینے کی وجہ سے پندرہ ماہ کے اندر نہ مرا۔ کیونکہ

اُس نے بچ جانے کی شرط پوری کر لی تو اب یہ پیشگوئی مطلق صورت میں معلق ہوگئی۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا:۔

''جس وقت مسٹر عبداللہ آتھم اس شرط (رجوع۔ناقل) کے نیچے سے اپنے تئیں باہر کرے اور اپنے لئے اپنی شوخی اور بے باکی سے ہلاکت کے سامان پیدا کرے تو وہ دن نزدیک آجائیں گے۔اور سزائے ہاویہ کامل طور پر نمودار ہوگی اور پیشگوئی عجیب طور پر اپنا اثر دکھائے گی''۔

(انوارالاسلام روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 5)

اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ پندرہ ماہ گزر جانے کے بعد حضرت اقدسؑ کے نزدیک پیشگوئی مطلق صورت میں جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے پر قائم ہے۔ چنانچہ قسم والے اشتہار انعامی میں بھی حضور نے لکھا:۔

''ہمارے خدا کی ضرور یہ قدرت ظاہر ہوگی کہ اس قسم والے برس میں ہم نہیں مریں گے۔لیکن اگر آتھم صاحب نے جھوٹی قسم کھالی تو ضرور فوت ہوجائیں گے''۔

پھر تین ہزار روپیہ کے انعامی اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''کیا ہم نے نہیں کہا کہ ہمارا خدا اِس سال ہمیں ضرور مرنے سے بچائے گا۔اور آتھم صاحب کو اس جہاں سے رخصت کرے گا''۔

پھر فرماتے ہیں:۔

''جبکہ مَیں بھی قسم کھا چکا اور آپ بھی کھائیں گے تو جو شخص ہم دونوں میں جھوٹا ہوگا۔وُہ دُنیا پر اثر ہدایت ڈالنے کے لئے اس جہاں سے اُٹھالیا جائے گا''۔

(اشتہار انعامی 3 ہزار روپیہ۔5/اکتوبر 1894ء۔مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 160۔مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 432)

اِن حوالہ جات سے ثابت ہے کہ جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کا رُوحانی مقابلہ ایک لمبے عرصہ تک جاری رہا۔اور چونکہ عبداللہ آتھم نے رجوع کے بارے میں اخفائے حق سے کام لیا۔اس لئے حضرت اقدسؑ کے آخری اشتہار مورخہ 30/دسمبر 1895ء کے بعد سات ماہ کے عرصہ میں حضرت اقدس کی زندگی میں ہلاک ہوکر حضرت اقدس کی سچائی اور اپنے جھوٹے ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر گیا۔لہٰذا کشتی نوح اور تحفہ گولڑویہ کا بیان درست ہے کہ پیشگوئی جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کے متعلق پہلے الہام میں ہی موجود تھی جو آخر تک قائم رہی۔

پیشگوئی

اپنی وفات کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات

اور

ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی

دسمبر 1905ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی وفات سے اڑھائی سال قبل اپنی وفات کے قریب ہونے کے متعلق الہامات ہوئے جو آپ نے اپنے رسالہ الوصیت کے شروع میں درج کئے ہیں:۔

قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّرُ وَلَانُبْقِیْ لَکَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا. قَلَّ مِیْعَادُ رَبِّکَ وَلَانُبْقِیْ لَکَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ شَیْئًا۔

ترجمہ :۔ تیری اجل قریب آ گئی ہے اور ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام ونشان نہیں چھوڑیں گے جن کا ذکر تیری رسوائی کا موجب ہو۔ تیری نسبت خدا کی میعاد مقررہ تھوڑی رہ گئی ہے اور ہم ایسے تمام اعتراض دُور اور دفع کر دیں گے اور کچھ بھی ان میں سے باقی نہیں رکھیں گے جن کے بیان سے تیری رُسوائی مطلوب ہو۔

پھر آگے چل کر اُردو زبان میں یہ الہام ہوا:۔

''بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اُس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی۔ یہ ہوگا، یہ ہوگا، یہ ہوگا بعد اس کے تمھارا واقعہ ہوگا۔ تمام حوادث اور عجائباتِ قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا۔''

(تذکرہ صفحہ 496 ایڈیشن 2004ء)

پھر ریویو 12؍دسمبر 1905ء میں آپ کا ایک رؤیا درج ہوا:۔

’’ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے۔پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے لیکن بہت مصفّٰی اور مقطر پانی ہے۔اس کے ساتھ الہام تھا:۔ ’’آب زندگی‘‘ (تذکرہ صفحہ 486 مطبوعہ 2004ء)

اِن الہامات اور رؤیا سے ظاہر ہو رہا تھا کہ آپ کی زندگی کے صرف دو تین سال ہی باقی ہیں۔اِن الہامات کے اڑھائی سال بعد آپ کی وفات ہوگئی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی

ڈاکٹر عبدالحکیم جسے مسیح موعود علیہ السلام نے بعض وجوہ سے اپنی جماعت سے خارج کر دیا تھا اور اب وہ آپ کا دشمن ہو چکا تھا۔الوصیت کے شائع ہو جانے کے بعد 12؍جولائی 1906 کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین سال میں مرنے کی پیشگوئی کر دی۔اس پر 16؍اگست 1906 کو مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار بنام ’’خدا سچے کا حامی ہو‘‘ شائع فرمایا۔اور اس میں اپنا یہ الہام درج کیا:۔

’’خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تُو نے وقت کو نہ پہچانا۔نہ دیکھا نہ جانا۔‘‘
(تذکرہ صفحہ 531 مطبوعہ 2004ء)

رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّ کَاذِبٍ وَاَنْتَ تَرٰی کُلَّ مُصْلِحٍ وَصَادِقٍ۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کی نئی پیشگوئی

اس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی سہ سالہ پیشگوئی کو منسوخ کر کے یہ لکھ دیا:۔

’’سہ سالہ میعاد میں سے جو 11؍جولائی 1909ء کو پوری ہونی تھی۔دس

مہینے اور گیارہ دن کم کردئے اور مجھے یکم جولائی 1907 کو الہاماً فرمایا۔مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا''۔

(اعلان الحق واتمام الحجّة و تکمله)

اس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے 5 رنومبر 1907ء کو تبصرہ نامی اشتہار میں اپنا الہام شائع فرمایا:۔

''اپنے دشمن کو کہہ دے کہ خدا تجھ سے مواخذہ لے گا۔میں تیری عمر کو بھی بڑھاؤں گا''۔ (تذکرہ صفحہ 624 مطبوعہ 2004ء)

ڈاکٹر عبدالحکیم نے اس پر چودہ ماہ کی میعاد میں تبدیلی کر دی۔اور لکھا:۔

''الہام 16 رفروری 1908 مرزا 21 ساون سمت 1965 مطابق 4 راگست 1908 تک ہلاک ہو جائے گا''۔ (اعلان الحق)

اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام چشمہ معرفت تصنیف فرما رہے تھے۔ حضور نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی یہ پیشگوئی چشمہ معرفت میں نقل فرما کر تحریر فرمایا کہ:۔

''میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا''۔

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 337)

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کا یہ سامان کیا کہ عبدالحکیم نے 4 راگست 1908 والی پیشگوئی کو یہ لکھ کر منسوخ کر دیا:۔

''ایک موقع پر میری زبان سے یہ بددُعا نکلی اے خدا! اس ظالم کو جلد غارت کر......اس لئے 4 راگست 1908ء مطابق 21 رساون سمت 1965 کی میعاد بھی منسوخ کی گئی''۔ (اعلان الحق واتمام الحجة وتکمله)

پھر 8 رمئی 1908ء کے خط میں جو پیسہ اخبار اور اہلحدیث میں شائع ہوا۔ڈاکٹر صاحب نے لکھا:۔

''مرزا قادیانی کے متعلق میرے الہامات ذیل آپ شائع کر کے ممنون فرماویں''۔

(1) مرزا 21 ساون سمت 1965 (4/اگست 1908ء) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

(2) مرزا کے کنبہ میں سے ایک بڑی معرکۃ الآراء عورت مر جائے گی''۔ (اہلحدیث 15/مئی 1908ء)

اس پیشگوئی میں ڈاکٹر عبدالحکیم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت کا دن معین کیا۔ اور بتایا کہ آپ 4/اگست 1908ء کو وفات پائیں گے۔ اس پیشگوئی میں عبدالحکیم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اب اللہ تعالیٰ کو حضورؑ کی عمر بڑھانے کی ضرورت نہ رہی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے 26/مئی 1908ء کو وفات دے کر عبدالحکیم کو اِس پیشگوئی میں جھوٹا ثابت کر کے آپ کو اسکے شر سے محفوظ کر دیا۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا:۔

''ہم خدا لگتی کہنے سے رُک نہیں سکتے کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے یعنی چودہ ماہہ پیشگوئی کر کے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کر دیتے جیسا کہ انہوں نے کیا۔ چنانچہ 15/مئی 1908ء کے اہلحدیث میں اُن کے الہامات درج ہیں۔ کہ 21 ساون یعنی 4/اگست کو مرزا مرے گا۔ تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا۔ جو معزز ایڈیٹر پیسہ اخبار نے 27 کے روزانہ پیسہ اخبار میں ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چُبھتا ہوا کیا ہے کہ 21 ساون ''کو'' کی بجائے 21 ساون ''تک ہوتا تو خوب ہوتا''۔

(اہلحدیث 12/جون 1908ء صفحہ 7 کالم نمبر 1)

تبصرہ میں حضورؑ کا یہ تحریر فرمانا کہ میرا دشمن میرے سامنے اصحابِ فیل کی

طرح نیست و نابود ہو جائے گا۔حضرت اقدس کا ایک اجتہاد تھا جو آپ نے اپنے الہام **اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ** سے کیا حالانکہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب فیل کا واقعہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔اسی طرح یہ منشاء نہ تھا کہ وہ آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جائے گا۔

شرح نبراس صفحہ 392 میں لکھا ہے:۔

كان النّبىُّ صلّى الله عليه وسلّم قد يجتهد فيكون خطأً كما ذكره الاصوليون. (النبر اس شائع کردہ شاہ عبدالحق اکیڈمی دارالعلوم مظہر یہ امدادیہ بندیال سرگودھا)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اجتہاد فرماتے لیکن وہ واقعہ کے خلاف ہوتا۔جیسا کہ اصولیوں نے ذکر کیا ہے۔

اِس اصول کے ثبوت میں آگے یہ حدیث نبوی بھی درج ہے:۔

ما حدثتكم عَن اللّٰه سُبْحَانَهٗ فهو حقٌّ وما قلت فيه من قبل نَفْسِىْ فَانّما أنا بشرٌ اخطى واصيبُ ۔

کہ جو بات مَیں نے تمہیں خدا کی طرف سے سُنائی ہو وہ تو درست اور حق ہوگی۔مگر جو بات اس کی تشریح میں اپنی طرف سے کہی ہو تو مَیں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔میں خطا بھی کر جاتا ہوں اور دُرست بھی کہتا ہوں۔

پیشگوئی کی الہامی غرض یہ تھی کہ آپ عبدالحکیم کے شر سے محفوظ رہیں گے۔اور خدا سچے اور جھوٹے میں فرق دکھلائے گا۔

سو خدا نے آپ کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔اور اس کی پیشگوئی کو جھوٹا ثابت کر دیا۔اور حضورؑ کو خدا نے اپنے الہامات کے مطابق وفات دی۔

اپنی عمر کے متعلق پیشگوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

ثَمانین حولًا أو قریبًا من ذٰلک

کہ تیری عمر اسّی برس یا اس کے قریب ہوگی

اِس کے بارے میں حضورؑ نے فرمایا:۔

''جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی سال کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں''۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 259)

چنانچہ خود حضور کو ان الفاظ میں بھی الہام ہوا:۔

''اَسّی یا اِس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم''

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 100)

چنانچہ اس کے مطابق حضورؑ کی عمر 75 سال 6 ماہ دس دن ہوئی

(پیدائش 1250 ہجری۔ وفات 1326 ہجری)

حضورؑ کی تاریخ پیدائش کسی کتاب میں درج نہیں۔ کیونکہ حضورؑ کی پیدائش جس زمانہ میں ہوئی اسکی یادداشت نہیں رکھی گئی۔ سرکاری رجسٹروں کا بھی رواج نہ تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 365 پر لکھا ہے:۔

''عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اس وقت تک جو سن ہجری 1323 ہے میری عمر 70 برس کے قریب ہے۔ واللہ اعلم''

تحقیقات کرنے کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

قرائن سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضورؑ کی تاریخ پیدائش 13 فروری 1835 ء مطابق 14 رشوال 1250 ہجری بروز جمعہ ثابت ہوئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب میں اپنی عمر اندازاً لکھتے رہے ہیں۔کتاب البریہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

''میری پیدائش 1839ء یا 1840ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے اور میں 1857ء میں 16 برس کا یا سترھویں برس میں تھا''۔

(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 177 حاشیہ صفحہ 34)

حضورؑ کی وفات اپنے الہامات مندرجہ الوصیت و کشف مندرجہ ریویو دسمبر 1905ء کے مطابق مئی 1908ء میں ہوئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

''یہ عجیب امر ہے اور مَیں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک 1290 ھجری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ ومخاطبہ پا چکا تھا''۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 208)

پھر فرماتے ہیں:۔

''جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا''۔ (تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 283)

براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 135 میں فرماتے ہیں:۔

؎ تھا برس چالیس کا مَیں اس مسافر خانہ میں
جبکہ مَیں نے وحی ربانی سے پایا افتخار

اِن ہر دو بیانات سے ظاہر ہے کہ 1290ھ میں حضور کی عمر چالیس سال کی تھی۔گویا سن پیدائش 1250ھ بنا۔

24ربیع الثانی 1326ہجری مطابق 1908 ء میں آپؑ کا وصال ہوا۔گویا آپؑ کی عمر ساڑھے پچھتر سال ہوئی۔

حضورؑ نے فرمایا تھا:۔

''یہ عاجز بروز جمعہ چاند کی چودھویں تاریخ میں پیدا ہوا ہے''۔
(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 281 حاشیہ)

حضورؑ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:۔

''میری پیدائش کا مہینہ پھاگن تھا۔چاند کی چودھویں تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا''۔ (ذکر حبیبؑ صفحہ 238،239)

ماہ پھاگن میں جمعہ کو چاند کی چودھویں تاریخ صرف دو(2) سالوں میں آئی ہے۔17؍فروری 1832ء و 13فروری 1835ء مطابق 14 شوال 1250 ہجری۔

اِس لحاظ سے 13؍فروری 1835ء مطابق 14 شوال 1250ھ زیادہ صحیح تاریخ پیدائش ہے۔جو حقیقۃ الوحی اور تریاق القلوب کی مندرجہ بالاتحریروں کے عین مطابق ہے۔لہٰذا آپ کی عمر 75 سال 6 ماہ دس دن قرار پاتی ہے۔اور الہامی وعدہ کے مطابق پوری ہوگئی۔

مخالفین کا اعتراض

حضرت اقدسؑ کے اندازاً اپنا سن پیدائش بعض جگہ 1839ء یا 1840ء لکھنے سے بعض لوگوں نے یہ اعتراض اُٹھایا ہے کہ آپؑ کی عمر 68 یا 69 سال ہوئی ہے۔جو اَسّی سے 11۔12 سال کم ہے۔یعنی عمر کے متعلق آپ کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔

الجواب:۔ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے 40-39 سن پیدائش

محض اندازے سے لکھا ہے ورنہ آپ کی ہی بیان کردہ دوسری علامات کو مدِّ نظر رکھ کر 13 فروری 1835ء مطابق 14 شوال 1250ھ تاریخ پیدائش قرار پاتی ہے۔جس سے ظاہر ہے کہ آپ کی وفات آپ کی پیشگوئی کے مطابق ہوئی۔

دیگر اندازے

حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

(1) ''میری طرف سے 23 اگست 1903ء کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی میں یہ اشتہار شائع ہوا تھا جس میں یہ فقرہ ہے کہ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں۔اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے''۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 506 حاشیہ)

جب 23 اگست 1903ء کو حضورؑ کی عمر ستر برس کے قریب تھی تو اس کے پانچ سال بعد 1908ء میں جب حضورؑ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر پچھتر سال کی ثابت ہوتی ہے۔

(2) حضرت مسیح موعود علیہ السلام عبداللہ آتھم کی زندگی میں اُسے مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

''اگر آپ چونسٹھ برس کے ہیں تو میری عمر بھی قریباً ساٹھ کے ہو چکی''۔

(اشتہار 15 / اکتوبر 1894ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد 3 صفحہ 160)

اس اشتہار کے چودہ سال بعد حضورؑ کی وفات ہوئی۔گویا 60+14=74 سال شمسی اور 76 سال قمری آپ کی عمر ہوئی جو پیشگوئی کے مطابق ہے۔

مخالفین کی شہادت

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:۔

''مرزا صاحب ...... کہہ چکے ہیں کہ میری موت عنقریب اسی سال

سے کچھ نیچے اُوپر ہے۔جس کے سب زینے غالبًا آپ طے کر چکے ہیں‘‘۔
(اہلحدیث 3 مئی 1907ء صفحہ 6 کالم نمبر 2)

اِس کے ایک سال بعد حضورؑ کی وفات ہوئی۔

الہامات مسیح موعود علیہ السلام کی تشریح

(1) اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 47)

اِس الہام کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ’’تو مجھ سے ہے اور مَیں تجھ سے ہوں‘‘۔ معترضین کی طرف سے اِس الہام کا یہ ترجمہ کہ ’’تُو میرا بیٹا ہے اور میں تیرا بیٹا ہوں‘‘۔خود ملہم کے منشاء اور محاورات زبان عربی کے خلاف ہے۔

ملہم نے اس کی تشریح میں لکھا ہے:۔

’’اس (الہام) کا پہلا حصہ تو بالکل صاف ہے کہ تو جو ظاہر ہوا یہ میرے فضل اور کرم کا نتیجہ ہے۔اور جس انسان کو خدا تعالیٰ مامور کر کے دنیا میں بھیجتا ہے۔اُس کو اپنی مرضی اور حکم سے مامور کر کے بھیجتا ہے۔جیسے حکام کا بھی یہ دستور اور قائدہ ہے۔اب اس الہام میں جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے أنــا مـنـک اس کا یہ مطلب اور منشاء ہے کہ میری توحید، میرا اجلال اور میری عزت کا ظہور تیرے ذریعہ سے ہوگا‘‘۔

(اخبار الحکم جلد 6 نمبر 40 صفحہ 15 کالم نمبر 1،2)

ملہم کی اس تشریح سے ظاہر ہے کہ اس الہام میں مقام مظہریت بیان ہوا ہے جو اتحاد فی المقاصد پر دلالت کرتا ہے عربی محاورہ کے لحاظ سے یہاں ’’مـن‘‘ اتصالیہ ہے۔احادیث نبویہ میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی شان

میں فرمایا:۔

"اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَامِنْہُ".

(مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالبؓ)

کہ علی مجھ سے ہے اور میں اُس سے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ علیؓ میرا بیٹا ہے اور مَیں اُس کا بیٹا۔

اسی طرح حضرت حسینؓ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ"

(مشکوۃ کتاب المناقب باب مناقب اھل بیت النبیؐ)

کہ حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسین سے۔

اور قبیلہ اشعریہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"ھُمْ مِّنِّیْ وَاَنَامِنْھُمْ"

(بخاری کتاب المغازی باب قدوم الاشعریین واھل الیمن)

کہ وہ مجھ سے ہیں اور مَیں اُن سے ہوں"۔

ان تمام حدیثوں سے اتحاد فی المقاصد مراد ہے یعنی علیؓ اور میرا مقصد ایک ہے۔اسی طرح حسینؓ اور میرا مقصد ایک ہے۔اسی طرح میرے اور قبیلہ اشعریہ کے مقصد میں اتحاد ہے۔آخری حدیث کی تشریح میں صحیح بخاری کے حاشیہ میں درج ہے:۔

کَلِمَۃُ "مِنْ" ھِیَ الْاِ تِّصَالِیَّۃُ. اَیْ ھُمْ مُّتَّصِلُوْنَ بِیْ

(حاشیہ صحیح بخاری جلد2 صفحہ 629 مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ)

اس جگہ "مِنْ" اتصالیہ ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ مجھ سے اتصال رکھتے ہیں۔ مجھ سے کنارہ کش نہیں۔

عربی زبان کا ایک شاعر عمر بن شاس اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

اِنْ کُنْتِ مِنِّیْ اَوْتُرِیْدِیْنَ صُحْبَتِیْ
فَکُوْنِیْ لَہٗ کَالسَّمْنِ رُبَّتْ لَہُ الْاَدَمْ

(حماسه مجتبائی صفحه 77)

اِس جگہ اِنْ کُنْتِ مِنِّیْ کے یہ معنی ہیں۔ اگر تُو مجھ سے موافقت رکھتی ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ اگر تو مجھ سے موافقت رکھتی ہے اور میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو میرے پہلے بیٹے کے ساتھ اچھی طرح مِل جُل کر رہ۔

قرآن مجید میں ہے کہ طَالُوت نے اپنے لشکروں سے کہا کہ:۔

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهٗ مِنِّيْٓ ۔
(البقرة:250)

ترجمہ :۔ جو شخص اس نہر سے پیئے گا۔ وہ مجھ سے نہیں یعنی میرے مقاصد سے اتحاد نہیں رکھتا۔ اور جس نے اس سے نہ پیا تو بے شک وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ متحد ہے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے کہ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے فرمایا:۔

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۔(ابراهيم: 37)

یعنی جو شخص میری اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ مقاصد میں اتحاد رکھتا ہے۔ پس ''مِنْ'' اتصالیہ اتحاد کا مفہوم رکھتا ہے اور یہی مفہوم زیر بحث الہام میں مراد ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو تلقین فرماتے ہیں:۔

''وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا''۔
(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 10)

الہام نمبر 2:۔ اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 89)

کہ تُو مجھ سے میرے بیٹے کے بجا ہے۔

معترض کہتا ہے کہ اِس الہام میں بانئ سلسلہ احمدیہ خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ اِس الہام کا ترجمہ یہ ہے کہ تو میری طرف سے میرے بیٹے کے مرتبہ پر ہے۔اور مراد یہ ہے کہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرتبہ پر ہے اور ان کا مثیل ہے جنہیں عیسائی میرا بیٹا قرار دیتے ہیں۔اس الہام میں ولد کی اضافت یائے متکلم کی طرف اضافت باد نیٰ ملابست عیسائیوں کے زعم کے لحاظ سے ہے۔

قرآن مجید میں اس کی مثال ''اَیْنَ شُرَکَآءِیَ ''(النحل:28) آیت میں پائی جاتی ہے۔دیکھئے خدا کا درحقیقت کوئی شریک نہیں۔لیکن خدا مشرکوں سے قیامت کے دن کہے گا۔کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ مراد یہ ہے کہ جن کو تم میرا شریک بناتے ہو وہ کہاں ہیں؟ اس جگہ بھی اضافت شرکاء کی یاء متکلم کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے جو مشرکین کے زعم باطل کے لحاظ سے ہے۔اسی طرح ''وَلَدِیْ'' کی اضافت کا حال ہے۔خدا کی کوئی اولاد نہیں۔لیکن عیسائی انہیں خدا کا بیٹا ٹھہراتے ہیں۔

وُلد کا لفظ اس الہام میں بطور مجاز اور استعارہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔اس صورت میں یہ اضافت ولد مجاز کی یائے متکلم کی طرف ہوگی۔صوفیوں نے اولیاء اللہ کو مجازی طور پر ہی خدا کے بیٹے قرار دیا ہے نہ حقیقی طور پر۔چنانچہ مثنوی مولانا روم میں ہے:۔

''اولیاء اطفالِ حق اند اے پسر''

(مثنوی مولانا روم دفتر سوم قصہ خورندگان......صفحہ 386 ناشر انتشارات طلوع)

یعنی اے بیٹے اولیاء خدا کے اطفال ہیں۔

صوفیاء کا یہ اولیاء اللہ کو مجازاً خدا کے بیٹے قرار دینا حدیث نبوی ''اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ'' (**مشکوٰۃ باب الشفقت**) کے عین مطابق ہے۔ اس حدیث میں مجازاً مخلوق کو خدا کا کنبہ قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ خدا بیوی بچوں سے پاک ہے۔ پس مخلوق کو عیال اللہ قرار دینا بطور مجاز اور استعارہ کے ہے نہ بطور حقیقت کے۔

خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

(الف) ''خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے اور یہ کلمہ بطور استعارہ کے ہے چونکہ اس زمانہ میں ایسے ایسے الفاظ سے نادان عیسائیوں نے حضرت عیسٰی کو خدا ٹھہرا رکھا ہے اسلئے مصلحت الٰہی نے یہ چاہا کہ اس سے بڑھ کر الفاظ اس عاجز کے لئے استعمال کرے تا عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھیں کہ وہ الفاظ جن سے مسیح کو خدا بناتے ہیں اس اُمّت میں بھی ایک ہے جس کی نسبت اس سے بڑھ کر ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں''۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 89 حاشیہ)

(ب) ''یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے اور فرمایا:۔

''یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ'' ایسا ہی بجائے قُلْ یَاعِبَادَاللّٰہِ کے قُلْ یٰعِبَادِیَ...... پس اس خدا کے کلام کو ہوشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ۔ اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو۔ اور

حقیقت حوالہ بخدا کرو اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ ولد سے پاک ہے تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ پس اِس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہو جاؤ۔ اور میری نسبت بیّنات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحیٰ اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَ الْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ‘‘۔

(کہہ دو کہ مَیں تو صرف تمہاری طرف ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے اور ہر ایک بھلائی قرآن میں موجود ہے۔ ناقل) (دافع البلاء روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 287 حاشیہ)

الہام نمبر 3:۔ ’’اَنْتَ مِنْ مَّآءِ نَا وَھُمْ مِنْ فَشَلٍ‘‘

(اربعین نمبر 2 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 385)

تُو ہمارے پانی سے ہے اور دوسرے لوگ فشل سے۔

مخالف اس کا یہ ترجمہ کرتا ہے کہ تو ہمارے نُطفہ سے ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جنہیں یہ الہام ہوا اسکی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

’’یہ جو فرمایا کہ تو ہمارے پانی میں سے ہے اور وہ لوگ فشل سے۔ اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی، استقامت کا پانی، تقویٰ کا پانی، وفا کا پانی، صدق کا پانی، حُبّ اللہ کا پانی ہے جو خدا سے ملتا ہے۔ اور فشل بُزدلی کو کہتے ہیں جو شیطان سے آتی ہے اور ہر یک بے ایمانی اور بدکاری کی جڑ بُزدلی اور نامرادی ہے‘‘۔ (انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 حاشیہ صفحہ 56)

ماء اللہ کے اسی مفہوم میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

فَاِنْ شِئْتَ مَاءَ اللّٰہِ فَاقْصُدْ مَنَاھِلِیْ

فَیُعْطِیْکَ مِنْ عَیْنٍ وَ عَیْنٌ تُنَوَّرُ

(کرامات الصادقین روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 81)

کہ اگر تُو خدا کا پانی چاہتا ہے تو میرے گھاٹوں کا قصد کر۔ پس وہ خدا تمہیں ایک چشمہ سے دیے گا۔ اور آنکھ روشن ہو جائے گی۔

پس ماء الله سے مراد الہام میں مجازی طور پر ایمان و استقامت اور تقویٰ وغیرہ روحانی برکات ہیں۔ جو خدا سے ملتی ہیں۔

الہام نمبر 4:۔ ''أَسْمَعُ وَأَرَىٰ''

اِس الہام کا ترجمہ یہ ہے کہ مَیں خدا سنتا اور دیکھتا ہوں۔ اِس الہام کو غلطی سے کتاب ''البشریٰ'' جلد اوّل صفحہ 59 پر مرتب کتاب بابو منظور الٰہی صاحب نے أسمع ولدی کے الفاظ میں بدل کر لکھ دیا تھا اور اس کا ترجمہ لکھ دیا تھا:۔

''اے میرے بیٹے سُن''۔ اس کے لئے حوالہ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ 23 کا دیا تھا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مکتوبات احمدیہ جلد اوّل صفحہ 23 پر اسمع ولدی کی بجائے اَسْمَعُ وَاَرٰی کے الفاظ درج ہیں کہ مَیں جو خدا ہوں سُنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں۔ بابو منظور الٰہی صاحب کو جب اس غلط اندراج کی طرف توجہ دلائی گئی۔ تو انہوں نے معذرت کے ساتھ اِس کی تصحیح الفضل میں کرادی اور لکھا:۔

''اَلْبُشْرٰی جلد اوّل صفحہ 49 سطر 10 میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام غلطی سے اسمع واری کی بجائے اسمع ولدی چھپا ہے اور ترجمہ بھی اے میرے بیٹے سُن غلط کیا گیا ہے۔ افسوس کہ آج تک کسی دوست نے اس کی طرف توجہ نہ دلائی۔ میں اپنے ایک مہربان برادر کا بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کی طرف مجھے توجہ دلائی۔ حوالہ مندرجہ البشریٰ اصل کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ اصل الہام اسمع واریٰ ہے جن احباب کے پاس البشریٰ ہو۔ وہ اس غلطی کی اصلاح کر لیں''۔

(الفضل جلد 9 نمبر 96 مورخہ 8/ جون 1922ء صفحہ 2 کالم نمبر 3)

الہام نمبر5:۔ ’’ رَبُّنَا عَاجٌّ‘‘

تشریح:۔ اس الہام میں لفظ عَـــاجٌ نہیں جس کے معنی ہاتھی دانت کے ہوتے ہیں۔ بلکہ عَاجٌّ ہے۔ ج کی تشدید سے ہے۔ اور عَاجٌّ کے معنے پکارنے والا یا آواز دینے والا۔ مراد یہ ہے کہ ہمارا خدا دنیا کو اپنی طرف بآواز بلند دعوت دینے والا ہے۔ عَاجٌّ کے معنے دودھ کے ذریعہ غذا دینے والے کے بھی ہیں۔ اس صورت میں مراد یہ ہے کہ اللہ مخلوق کو ان کی بیکسی کی حالت میں رُوحانی دودھ یا غذا پہنچانے والا ہے۔ یہ دونوں معنے بلحاظ لغت درست ہیں۔ اگر یہ لفظ عجّ۔ عَجًّا وَعَجِیْجًا سے مشتق سمجھا جائے تو اس کے معنے بلند آواز سے پکارنے والا ہونگے۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ **افضل الحج العجّ** کہ حج میں افضل ترین آواز تلبیہ اور لبیک کہنا ہے۔ اگر عَاجٌ ناقص واوی عَجَا یَعْجُوْا سے اسم فاعل سمجھا جائے تو اِس کے معنے ہوں گے دودھ پلانے والا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

عَجَتِ الْاُمُّ الْوَلَدَ۔ اَیْ سَقَتْهُ اللبن یعنی ماں نے بچہ کو دُودھ پلایا۔ **اَلْعَجْوَۃُ** کے معنے قاموس میں لکھے ہیں۔ **لَبَنٌ یُعَالَجُ بِهِ الصَّبِیُّ الْیَتِیْمُ اَیْ یُغَذّٰی** یعنی وہ دودھ مراد ہے جس سے یتیم بچہ کی پرورش کی جاتی ہے۔ یعنی وہ اسے بطور غذا دیا جاتا ہے۔

الہام نمبر6:۔ اُفْطِرُ وَ اَصُوْمُ. یعنی خدا کہتا ہے کہ مَیں روزہ کھول بھی دیتا ہوں اور رکھ بھی لیتا ہوں۔

تشریح:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

’’ظاہر ہے کہ خدا روزہ رکھنے اور افطار کرنے سے پاک ہے۔ اور یہ الفاظ اپنے اصلی معنوں کی رُو سے اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ پس یہ صرف ایک استعارہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی مَیں اپنا قہر نازل کروں

گا،اور کبھی کچھ مہلت دُونگا۔اس شخص کی مانند جو کبھی کھاتا ہے اور کبھی روزہ رکھ لیتا ہے اور اپنے تئیں کھانے سے روکتا ہے اور اس قسم کے استعارات خدا کی کتابوں میں بہت ہیں۔جیسا کہ ایک حدیث میں لکھا ہے کہ قیامت کو خدا کہے گا۔مَیں بیمار تھا۔میں بھوکا تھا، میں ننگا تھا''۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد22 صفحہ 107)

رسالہ دافع البلاء میں اس کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''مَیں اپنے وقتوں کو تقسیم کر دوں گا کہ کچھ حصہ برس کا تو میں افطار کروں گا۔یعنی طاعون سے لوگوں کو ہلاک کروں گا اور کچھ حصہ برس کا میں روزہ رکھوں گا یعنی امن رہے گا اور طاعون کم ہو جائے گی یا بالکل نہیں رہے گی''۔

(دافع البلاء روحانی خزائن جلد18 صفحہ 227-228)

حقیقۃ الوحی کی عبارت میں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے صحیح مسلم میں ان الفاظ میں مندرج ہے:۔

''عن ابی هريرة قال قال رَسُولُ اللّٰهُ صلى الله عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ يَاابۡنَ آدَمَ مَرِضۡتُ فَلَمۡ تَعُدۡنِيۡ......يَاابۡنَ آدَمَ ......اِسۡتَطۡعَمۡتُکَ فَلَمۡ تُطۡعِمۡنِيۡ......يَاابۡنَ آدَمَ اِسۡتَسۡقَيۡتُکَ فَلَمۡ تَسۡقِنِيۡ۔

(مسلم كتاب البرّ و الصّلة باب فضل عيادة المريض)

ترجمہ:۔حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو کہے گا۔اے ابن آدم مَیں بیمار تھا تو نے میری تیمارداری نہ کی۔اے ابن آدم !مَیں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔اے ابن آدم مَیں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے نہ پلایا۔

اِس حدیث میں مریض کی عیادت نہ کرنے اور سائل کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے سے رُکنے کو استعارہ کے طور پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ گویا انسان کی بجائے خدا کی تیمارداری نہیں کی گئی اور اسے کھانا نہیں کھلایا گیا اور اُسے پانی نہیں پلایا گیا۔

الہام نمبر7:۔ اَسۡھَرُ وَاَنَامُ

''میں بیدار رہوتا ہوں اور سو بھی جاتا ہوں''۔

تشریح:۔ یہ الہام بھی بطور مجاز اور استعارہ کے ہے۔

خدا تعالیٰ درحقیقت سونے سے پاک ہے۔اس جگہ سونے سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ بعض گنہگاروں سے چشم پوشی کرتا ہے۔اور مراد جاگنے سے یہ ہے کہ بعض اوقات سزا بھی دیتا ہے۔

الہام نمبر8:۔ أُخۡطِئُ وَاُصِیۡبُ

تشریح:۔خدا تعالیٰ خطا کرنے سے پاک ہے۔اس جگہ اُخۡطِئُ کا لفظ مجازی استعمال ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

'' اپنے ارادہ کو کبھی چھوڑ بھی دُوں گا۔اور کبھی ارادہ پورا کروں گا......جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ مَیں مومن کے قبض رُوح کے وقت تردّد میں پڑتا ہوں۔حالانکہ خدا تردّد سے پاک ہے۔......اسکے یہ معنے ہیں کہ کبھی مَیں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں۔اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے''۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد22 صفحہ 106 وحاشیہ صفحہ 106)

اُوپر کے اقتباس میں جس حدیث کی طرف اشارہ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

''وَمَا تَرَدَّدۡتُ عَنۡ شَیۡءٍ اَنَا فَاعِلُہٗ تَرَدُّدِیۡ عَنۡ نَفۡسِ الۡمُؤۡمِنِ''۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں نے کسی شے متعلق کبھی اتنا تردّد نہیں کیا جتنا ایک مومن کی رُوح قبض کرنے کے وقت مجھے تردّد ہوتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ خدا تردّد سے پاک ہے اور مراد اس جگہ تردّد سے ملتی جلتی حالت ہچکچاہٹ ہے نہ کہ درحقیقت شک وشبہ۔قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے اپنی طرف نسیان کو بھی منسوب کیا ہے۔جیسے فرمایا:۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا۔ (الاعراف:52)

''کہ آج ہم انہیں بھلا دیں گے جیسا کہ انہوں نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا''۔

اللہ تعالیٰ خطاء اور نسیان سے پاک ہے۔اس جگہ مجازاً نسیان سے ملتی جلتی حالت مراد ہے۔یعنی بھولنے کا نتیجہ چھوڑ دینا مراد ہے۔یعنی بے تعلقی اور اپنے قرب سے محروم رکھنا۔پس جو الہامات از قسم متشابہات ہوں ان کا مفہوم محکمات کے مطابق لینا چاہیے اور مجاز کو حقیقت پر محمول کرنا بدذوقی کی علامت ہوگی۔

الہام نمبر9:۔ يَحْمَدُكَ اللّٰهُ مِنْ عَرْشِهٖ

تشریح:۔ معترض کہتا ہے کہ حمد کا لفظ خدا کے سوا کسی پر نہیں بولا جاتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ مرزا صاحب کی حمد کرتا ہے۔

الجواب:۔ یہ معترض کی ناواقفی ہے کہ حمد کا لفظ خدا کے سوا کسی کے لئے استعمال نہیں ہوتا ''حمد'' سچی تعریف کو کہتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد ہے۔صفاتی لحاظ سے اس کے معنے ہیں بہت حمد کیا گیا۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مقام کے بارہ میں فرمایا ہے:۔

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (بنی اسرائیل:80)

یعنی قریب ہے کہ تیرا رب تجھے ایک قابلِ حمد مقام پر کھڑا کرے۔

لغت کی کتاب مجمع البحار میں لکھا ہے:۔

" تَحْمِدُ الرَّجُلَ عَلٰی صِفَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ وَعَلٰی عَطَائِهٖ"

(مجمع البحار جلد 1 صفحہ 300 مطبوعہ مطبع نول کشور)

کہ ہر شخص کی صفات ذاتیہ پر اور بخشش پر لفظ حمد کا استعمال کر سکتے ہیں۔

امام بیضاوی زیر آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"حَمِدْتُّ زَیْدًا عَلٰی کَرَمِهٖ وَعِلْمِهٖ"۔

یعنی مَیں نے زید کی حمد کی اُسکے علم اور کرم پر۔

بخاری جلد 1 صفحہ 169 مصری میں ہے:۔

"کَاَنَّہٗ حَمَدَہٗ" گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل کی حمد کی۔

بالآخر یہ واضح رہے کہ حمد کا اصل مستحق تو خدا ہی ہے لہٰذا دوسرے لوگوں کی جو حمد ہو اس کا مرجع بھی دراصل خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "اعجاز المسیح" میں فرمایا ہے:۔

"وَلَهُ الْحَمْدُ فِیْ هٰذِهِ الدَّارِ وَتِلْکَ الدَّارِ وَاِلَیْهِ یَرْجِعُ کُلُّ حَمْدٍ یُنْسَبُ اِلَی الْاَغْیَارِ"

ترجمہ: اِس دنیا اور آخرت میں حقیقی حمد خدا تعالیٰ کی ہی ہے اور ہر حمد جو غیروں کی ہوتی ہے وہ بھی دراصل خدا کی طرف راجع ہے۔

پس کسی بندے یا مقام کی حمد کا مرجع بھی درحقیقت خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔

الہام نمبر 10 :۔اربعین نمبر 4 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 452 حاشیہ پر ایک الہام درج ہے:۔

"یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّرَوْا طَمَثَکَ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُرِیَکَ اَنْعَامَهٗ. اَلْاِنْعَامَاتُ الْمُتَوَاتِرَةُ۔"

ترجمہ:۔وہ تیرا حیض دیکھنا چاہتے ہیں اور اللہ چاہتا ہے کہ تجھے اپنا انعام دکھائے متواتر انعامات۔

اس الہام کی بناء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کو حیض آتا تھا۔ پس وہ عورت ہوئے نہ مرد؟

الجواب :۔اس جگہ طَمَث کا لفظ مجازاً ناپاکی یا پلیدی کیلئے استعمال ہوا ہے جب مرد کے لئے حیض کا لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد ناپاکی اور پلیدی ہوتا ہے اِس لحاظ سے اس الہام کے یہ معنی ہیں کہ مخالف آپؑ میں کسی ناپاکی اور پلیدی پر اطلاع پانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تجھے اپنا انعام دکھائے گا اور انعامات پے در پے ہوں گے۔تفسیر رُوح البیان میں لکھا ہے:۔

''کَمَا اَنَّ لِلنّساءِ محِیْضًافِی الظاھر وھو مُوْجِبُ نقصان ایمانِهِنّ لمنعهنَّ عن الصّلٰوة و الصَّوم فکذٰلک للرجال محیضٌ فِی الْبَاطِنِ وَھُوَمُوْجبُ نُقْصَانِ اِیْمَانِهِمْ لِمَنْعِهِمْ عَنْ حَقِیْقَةِ الصَّلٰوةِ''۔ (رُوح البیان جلد 1صفحه 236)

ترجمہ: جس طرح عورتوں کو ظاہر میں حیض آتا ہے جو ان کے ایمان میں نقصان کا موجب ہوتا ہے۔انہیں نماز اور روزہ سے روکنے کی وجہ سے۔اِسی طرح مَردوں کو بھی باطن میں حیض آتا ہے۔وہ ان کے ایمان میں ان کو نماز کی حقیقت سے ناواقف کرنے کے سبب اُن کے ایمان میں نقص پیدا کرتا ہے۔

دیلمی میں ایک حدیث ہے:۔

'' اَلْکَذِبُ حَیْضُ الرَّجُلِ وَالْاِسْتِغْفَارُطَھَارَتُہٗ ''۔

کہ جھوٹ بولنا مرد کا حیض ہے اور استغفار کرنا اس کی پاکیزگی ہے۔

اِس لحاظ سے الہام کا مطلب یہ ہے کہ دشمن تجھ کو جھوٹ یا کسی بدی میں مبتلا دیکھنا چاہتا ہے۔لیکن خدا کے فضل سے تجھ میں کوئی بدی نہیں۔خدا تو تجھ پر انعام پر انعام کرنا چاہتا ہے۔خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین میں الہام درج کرتے ہوئے ترجمہ میں لکھا ہے:۔

''یہ لوگ خونِ حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی ناپاکی، پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں''۔

پس یہ الہام آپؑ کے وجود میں حیض یعنی ناپاکی کی نفی کرتا ہے نہ کہ اثبات۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ابن مریم بننے کی حقیقت کو کشتی نوح میں یوں بیان کیا ہے:۔

''جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے۔دو برس تک صفتِ مریمیت میں مَیں نے پرورش پائی اور پردے میں نشوونما پاتا رہا۔اور پھر جب اس پر دو برس گزر گئے تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ 496 میں درج ہے مریم کی طرح عیسٰی کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخری کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصّہ چہارم صفحہ 556 میں درج ہے مجھے مریم سے عیسٰی بنایا گیا''۔

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 50)

اِس عبارت پر یعنی مخالفین ہنسی اُڑاتے ہیں کہ مرزا صاحب عورت بن گئے اور پھر حاملہ ہوئے۔حالانکہ کشتی نوح کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مریم بننا ایک استعارہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ شروع میں آپ مریمی صفات کے حامل تھے۔اور پھر نفخ رُوح سے استعارۃً آپ کو حاملہ ٹھہرایا گیا اور اِس

طرح دس ماہ کے بعد صفات مریمی سے صفاتِ عیسوی کی طرف انتقال ہوا۔

حضور نے کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 کے صفحہ 48 پر لکھا ہے:۔

''خداتعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں بشارت دی کہ اس اُمّت کے بعض افراد انبیائے گزشتہ کی نعمت بھی پائیں گے نہ یہ کہ نرے یہودی بنیں یا عیسائی بنیں اوران قوموں کی بدی تو لے لیں مگر نیکی نہ لے سکیں۔ اِسی کی طرف سورۃ تحریم میں بھی اشارہ کیا ہے کہ بعض افراد اُمّت کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکھیں گے۔جس نے پارسائی اختیار کی تب اس کے رحم میں عیسٰی کی رُوح پھونکی گئی اور عیسٰی اس سے پیدا ہوا۔اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اِس امت میں ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اُس کو ملے گا۔ پھر اُس میں عیسٰی کی رُوح پُھونکی جاوے گی۔تب مریم میں سے عیسٰی نکل آئے گا۔یعنی وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ گویا مریم ہونے کی صفت نے عیسٰی ہونے کا بچہ دیا اوراس طرح پر وُہ ابن مریم کہلائے گا''۔

اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس جگہ کوئی جسمانی حمل مُراد نہیں بلکہ ایک رُوحانی کیفیت کو حمل قرار دیا گیا ہے اور اِس ولادت سے جسمانی ولادت مراد نہیں بلکہ ولادت معنویہ مراد ہے۔ولادت معنوی کا محاورہ علماء اور صوفیاء میں استعمال ہوتا ہے۔امام الطائفہ شیخ سہروردی فرماتے ہیں:۔

''یصیر المریدُ جزءَ الشَّیخِ کَمَا انّ الوَلَدَجُزء الوالد فی الوِلادَۃالطبعیۃ وتصیر ھٰذِہِ الْوِلَادَۃُ اٰنِفًاوِلَادَۃً مَعْنَوِیَّۃً.''

ترجمہ:۔مرید شیخ کا حصہ بن جاتا ہے جیسا کہ بیٹا ولادت طبعیہ میں باپ کا جزء ہوتا ہے۔ یہ ولادت کبھی معنوی بھی ہوتا ہے۔

(عوارف المعارف الجزء الاوّل الباب العاشر فی شرح رتبۃ المشیخۃ جلد1 صفحہ 45)

حضرت مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں:۔

ہمچو مریم جاں زآسیب حبیب
حاملہ شد از مسیح دلفریب

''کہ مریم کی طرح جان حبیب کے سائے سے حاملہ ہوئی اور اُس نے دلفریب مسیح کو حمل میں لیا''۔

اِس جگہ بھی جان کے مریم بننے اور پھر ترقی کر کے مسیح کے مقام تک پہنچنے کو رُوحانی حمل کے ذریعہ مریمی مقام سے عیسوی مقام کی طرف انتقال قرار دیا ہے۔ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:۔

جان ہا دراصل خود عیسیٰ دم اند
یک زماں زخم اند دیگر مرہم اند
گر حجاب از جان ہا برخواستے
گفت ہر جانے مسیح آسا استے

یعنی جانیں اپنے اصل کے لحاظ سے عیسیٰ دم ہی ہیں کبھی وہ زخم ہوتی ہیں اور کبھی مرہم۔اگر جانوں سے حجاب اُٹھ جائے تو ہر جان ہی کہنے لگے کہ مَیں مثیل مسیح ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ تمام انسانوں کی ارواح کا سرچشمہ خدا ہے اور اُن پر کچھ حجاب ہوتا ہے۔اگر وہ حجاب اُٹھ جائے تو سب یہی کہنے لگیں گے کہ ہم مسیح ہیں۔کیونکہ اصل میں ساری جانیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفخ رُوح کے ذریعہ داخل ہوتی ہیں۔اور جسم کی زندگی کا موجب ہوتی ہیں۔نفخ رُوح کا معاملہ سب انسانوں سے متعلق ہے۔چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو استعارہ کے طور پر حاملہ قرار دیا گیا اور مسیح کی ولادت کے وقت مریم کو دردزہ بھی ہوا تھا اس لئے الہامی طور پر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ’’فَاَجَآءَھَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ ‘‘(مریم:24) کی آیت بھی نازل ہوئی۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ مریم سے مسیح بننے پر آپؑ کو بہت سی تکالیف سے گزرنا پڑے گا۔ کشتی نوح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں:۔

’’جب کہ خدا نے مجھے پہلے مریم کا خطاب دیا اور پھر نفخ رُوح کا الہام کیا پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا تھا۔ **فأ جاء ھا المخاض الیٰ جذع النخلة قالت یالیتنی مِتُّ قبل ھٰذا و کنت نسیًا منسیا۔** یعنی پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے دردزہ تنہ کھجور کی طرف لے آئی یعنی عوام الناس اور جاہلوں اور بے سمجھ علماء سے واسطہ پڑا جن کے پاس ایمان کا پھل نہ تھا جنہوں نے تکفیر و توہین کی اور گالیاں دیں اور ایک طوفان برپا کیا۔ تب مریم نے کہا کہ کاش مَیں اس سے پہلے مرجاتی اور میرا نام و نشان باقی نہ رہتا۔ یہ اس شور کی طرف اشارہ ہے جو ابتداء میں مولویوں کی طرف سے بہ ہیئت مجموعی پڑا اور وہ اِس دعویٰ کی برداشت نہ کر سکے اور مجھے ہر ایک حیلہ سے انہوں نے فنا کرنا چاہا۔ تب اس وقت جو کرب اور قلق نا سمجھوں کا شور و غوغا دیکھ کر میرے دل پر گزرا اس کا اس جگہ خدا تعالیٰ نے نقشہ کھینچ دیا ہے‘‘۔

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 51)

صفاتی رنگ میں مریم اور ابن مریم بننے کا ذکر ایک حدیث نبویؐ میں بھی آیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

’’مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا والشّیطان یمسّہٗ حِیْنَ یُوْلَدُ فَیَسْتَھِلُّ صارخًا من مسّ الشیطان ایّاہ اِلَّا مریم و ابنھا‘‘

(بخاری کتاب التفسیر سُورہ آل عمران باب وانی اعیذھا بک......)

ترجمہ:۔ ’’ہر پیدا ہونے والے بچہ کو بوقت ولادت شیطان مسّ کرتا ہے۔پس وہ بچہ مسِّ شیطان سے چیختا چلاّ تا ہے مگر مریم اور ابنِ مریم کو مسّ شیطان نہیں ہوتا‘‘۔

علاّمہ زمخشری نے تفسیر کشّاف میں لکھا ہے:۔

’’مَعْنَاہ انّ کلَّ مولُودٍ یطمع الشیطانُ فی اغوائہٖ الّامریمَ وابنھا فَاِنّھما کانا معصومین و کذٰلک کل من کان فی صفتھما۔‘‘ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ:۔

’’شیطان ہر بچہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے سوائے مریم اور ابن مریم کے۔کیونکہ وہ دونوں پاک تھے اِسی طرح ہر بچہ مسِّ شیطان سے محفوظ رہتا ہے جو مریم یا ابن مریم کا ہم صفت ہو‘‘۔

اِن معنی سے ظاہر ہے کہ علاّمہ زمخشری کے نزدیک مریم اور ابن مریم کے الفاظ سے صرف اصلی مریم اور ابن مریم ہی مراد نہیں بلکہ بطور کنایہ ان کے ہم صفات لوگ بھی مراد ہیں جو معنوی طور پر مریم اور ابن مریم ہوتے ہیں۔اگر اس حدیث کے یہ معنی نہ لئے جائیں تو تمام انبیاء کو مس شیطان سے غیر محفوظ ماننا پڑے گا۔حالانکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔یہ بھی واضح رہے کہ حدیث میں جس ولادت کا ذکر ہے اس سے مراد ولادت معنوی ہی ہے۔جب کہ انسان دین کی باتوں کو سمجھنے لگ جائے۔اسی موقع پر شیطان اس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔اور مریم وابن مریم کی صفات رکھنے والے اولیاء اور انبیاء شیطان کی گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں۔ورنہ جسمانی ولادت کے وقت تو ہر بچہ روتا ہے اور چیختا چلاتا ہے اور یہ چیخنا اور چلانا تو زندگی کی علامت ہوتا ہے اور یہ چیخنا چلانا مسِ شیطان سے نہیں ہوتا بلکہ ایک طبعی امر ہے۔

مختلف اعتراضات کے جوابات

حضرت موسیٰؑ کی حیات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب نورالحق میں لکھا ہے:۔

''هٰذَاهُوَمُوْسٰى فَتَى اللّٰهِ الَّذِىْ اَشَارَاللّٰهُ فِىْ كِتَابِهٖ اِلٰى حَيَاتِهٖ وَفَرَضَ عَلَيْنَااَنْ نُؤْمِنَ بِأَنَّهٗ حَىٌّ فِى السَّمَاءِ وَلَمْ يَمُتْ وَلَيْسَ مِنَ الْمَيِّتِيْنَ'' (نور الحق حصه اول .روحانی خزائن جلد8صفحه68-69)

ترجمہ:۔''یہی موسیٰ اللہ کا جوان ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں اس کی زندگی کا اشارہ کیا ہے اور ہم پر فرض کیا ہے کہ ہم ایمان لائیں کہ وہ آسمان میں زندہ ہے وہ مرا ہوا نہیں اور مرنے والوں میں سے نہیں۔''

اِس عبارت کی بناء پر معترضین کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بانیء سلسلہ احمدیہ نے مُردہ نہیں بلکہ آسمان میں زندہ مانا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ ماننا کس طرح ناممکن ہے؟

الجواب:۔حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک تمام انبیاء اپنی رُوحانی زندگی کے ساتھ بعد از وفات آسمان میں زندہ موجود ہیں۔اور ان میں سے آپؑ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سب سے زیادہ فوقیت رکھتی ہے اور بے مثال ہے۔

آپؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس عبارت میں رُوحانی موت کی نفی کررہے ہیں نہ جسمانی موت کی نفی۔اُن کی جسمانی موت کا ذکر نورالحق کے اگلے

پیراگراف میں موجود ہے۔جس میں آپؑ فرماتے ہیں:۔

''مَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا تُوُفِّیَ وَقَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِ عِیْسٰی الرُّسُلُ ''
(نورالحق حصہ اوّل۔روحانی خزائن جلد8 صفحہ 70)

ترجمہ:۔ ہر ایک رسول نے وفات پائی ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔

اس عبارت میں تمام انبیاء کے وفات پانے کا ذکر موجود ہے جس میں حضرت موسٰی علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

نورالحق کے اقتباس میں لَیْسَ مِنَ المیّتِیْنَ (کہ وہ آئندہ مرنے والوں میں سے نہیں ہیں) کے الفاظ بھی اِس بات کے لئے قوی قرینہ ہیں کہ اِس جگہ حضرت موسٰی علیہ السلام کی خاکی جسم کے ساتھ زندگی زیر بحث نہیں۔ بلکہ بعد از وفات رُوحانی زندگی کا ہی ذکر ہے۔کیونکہ مادی جسم پر موت کا وارد ہونا بموجب آیت قرآنی ''کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ''ازبس ضروری ہے۔

دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام واضح طور پر حضرت موسٰی علیہ السلام کے وفات پانے کا ذکر ان الفاظ میں فرما چکے ہیں:۔

''ایسا ہی حضرت موسٰی علیہ السلام کے وقت میں ہوا جبکہ حضرت موسٰی مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے موافق منزلِ مقصود تک پہنچا دیں فوت ہوگئے اور بنی اسرائیل میں اُن کے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا جیسا کہ توراۃ میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بے وقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسٰی کی ناگہانی جُدائی سے چالیس دن تک روتے رہے''۔ (الوصیت روحانی خزائن جلد20 صفحہ 305)

اِس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی۔

نورالحق میں جو مضمون مجمل بیان ہوا ہے۔اِس مضمون کو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے حمامۃ البشریٰ کے صفحہ 34، 35 پر مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔نورالحق میں تو حضورؑ نے یہ لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور حمامۃ البشریٰ میں ازرُوئے حدیث نبوی معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء علیہم السلام سے ملنا بیان فرماتے ہیں۔ آدمؑ کو پہلے آسمان میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُس کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دوسرے آسمان میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پانچویں آسمان میں اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تمام انبیاء کا رفع ہوا۔اور فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رفع کے قائل ہیں وُہ معراج کی حدیث پڑھتے ہیں اور پھر اُس کو بھول جاتے ہیں۔پھر آگے لکھتے ہیں:۔

”أعِیسٰی حَیٌّ وَمَاتَ الْمُصْطَفٰی تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی إعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاِذَا ثَبَتَ اَنَّ الْاَنْبِیَآءَ کُلَّھُم اَحْیَاءٌ فِی السَّمٰوٰتِ فَاَیُّ خُصُوْصِیَّۃٍ ثَابِتَۃٌ لِحَیَاتِ الْمَسِیْحِ اَھُوَ یَأْکُلُ وَیَشْرَبُ وَھُمْ لَا یَأْکُلُوْنَ وَلَا یَشْرَبُوْنَ بَلْ حَیَاۃُ کَلِیْمِ اللّٰہِ ثَابِتٌ بِنَصِّ الْقُرْاٰنِ الْکَرِیْمِ اَلَا تَقْرأُ فِی الْقُرْاٰنِ مَاقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّوَجلَّ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَآئِهِ . وَاَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ نَزَلَتْ فِیْ مُوْسٰی فَھِیَ دَلِیْلٌ صَرِیْحٌ عَلٰی حَیَاۃِ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ لِاَنَّہٗ لَقِیَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْوَاتُ لَا یُــلَاقُوْنَ الْاَحْیَاءَ وَلَا تَجِدُ مِثْلَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتِ فِیْ شَاْنِ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام ۔ نَعَمْ جَاءَ ذِکْرُ وَفَاتِہٖ فِیْ مَقَامَاتٍ شَتّٰی

فَتَدَبَّرْ فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَدَبِّرِیْنَ‘‘۔

(حمامة البشریٰ روحانی خزائن جلد7صفحہ221-222)

ترجمہ :۔ ’’کیا عیسیٰؑ زندہ ہے اور مصطفیٰؐ وفات پا گئے ہیں۔ یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔انصاف سے کام لو کہ انصاف تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ جب ثابت ہو گیا کہ انبیاء سارے کے سارے آسمانوں میں زندہ ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کو کیا خصوصیت حاصل ہے۔کیا وہ کھاتے اور پیتے ہیں؟اور دوسرے سب نبی نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔اس سے بڑھ کر کلیم اللہ کی زندگی تو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے۔کیا تم قرآن میں نہیں پڑھتے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے ملاقات کے بارہ میں شک نہ کرنا) اور تم جانتے ہو کہ یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں نازل ہوئی۔پس یہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر صریح دلیل ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور مُردے زندوں سے ملاقات نہیں کرتے۔اور تم اِس جیسی آیات عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں نہیں پاؤ گے۔ہاں اُن کی وفات کا ذکر مختلف مقامات میں آیا ہے۔پس تدبر سے کام لو۔بے شک اللہ تعالیٰ تدبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے‘‘۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام آسمانوں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث معراج سے ثابت ہوا۔اور موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر نص قرآنی بھی موجود ہے جو بتاتی ہے کہ معراج کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات

ہوئی۔شکی امر نہ تھا بلکہ یہ ملاقات یقینی تھی۔انبیاء کی اس زندگی کو جو آسمانوں میں پائی جاتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی سے مختلف قسم کی قرار نہیں دیا۔بلکہ اس زندگی کو رُوحانی زندگی ہی تسلیم کیا ہے جو انبیاء کو بعد از وفات ملتی ہے۔

پھر آپؑ آئینہ کمالات اسلام کے اشتہار ''قیامت کی نشانی'' میں جسے صفحہ 604 کے آگے شائع کیا ہے صفحہ ''د''اور''ذ''پر تحریر فرماتے ہیں:۔

''انبیاء تو سب زندہ ہیں۔مُردہ تو اُن میں سے کوئی بھی نہیں۔معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی لاش نظر نہ آئی۔سب زندہ تھے۔دیکھئے اللہ جلّ شانہ اپنے نبی کریمؐ کو حضرت موسٰی علیہ السلام کی زندگی کی قرآن کریم میں خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے۔

فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (السجدة:24)

اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہونے کے بعد اپنا زندہ ہوجانا اور آسمان پر اُٹھائے جانا اور رفیق اعلیٰ کو جاملنا بیان فرماتے ہیں۔پھر حضرت مسیح کی زندگی میں کونسی انوکھی بات ہے جو دوسروں میں نہیں۔معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کو برابر زندہ پایا اور حضرت عیسٰی کو حضرت یحیٰی کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔خدا تعالیٰ مولوی عبدالحق محدث دہلوی پر رحم کرے وہ ایک محدث وقت کا قول لکھتے ہیں کہ اُن کا یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہوکر کسی دوسرے نبی کی حیات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے قوی تر سمجھے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا شاید یہ لکھا ہے کہ قریب ہے کہ وہ کافر ہوجائے''۔

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 610-611)

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آسمانی

زندگی اور دوسرے انبیاء علیہ السلام کی آسمانی زندگی میں کوئی فرق نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانی زندگی کو دوسرے انبیاء کی آسمانی زندگی سے قوی تر جانتے ہیں اور آیت فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان میں اسی طرح زندہ مانتے ہیں جس طرح دیگر انبیاء کو۔

اِن سب حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ یہ سراسر معترض کا مغالطہ ہے کہ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی وجود کے ساتھ آسمان میں زندہ موجود ہیں۔

خدائی کے دعویٰ کا الزام

اعتراض:۔مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام میں اپنے آپ کو عَیْنُ اللّٰہ قرار دے کر الوہیت کا دعویٰ کیا ہے۔اور نئی زمین اور نیا آسمان بنانے کا ذکر کیا ہے۔

الجواب:۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ’’آئینہ کمالات اسلام‘‘ میں محض اپنی ایک رؤیا لکھی ہے جو یوں ہے:۔

’’رائیتُنی فی المنام عَیْنَ اللّٰہِ وَتَیَقَّنْتُ اَنَّنِیْ ھُوَ وَلَمْ یَبْقَ لِیْ اِرَادَۃٌ وَلَاخَطْرَۃٌ وَلَا عَمَلٌ مِنْ جِھَۃِ نَفْسِیْ ......وَاَعْنِیْ بعینِ اللّٰہ رَجُوْعَ الظِّلِّ اِلٰی اَصْلِہٖ وغَیْبُوْبَتُہٗ فِیْہِ کَمَا یَجْرِیْ مثل ھٰذہ الحالات فی بعض الاوقات علی المحبّین ۔ و تفصیل ذلک انّ اللّٰہ اذا ارادَ شیئًا من نظام الخیر جعلنی من تجلّیاته الذاتیۃِ بمنزلة مشیّته وعلمه وجوارحه و توحیده و تفریده لِاِ تمام مراده و تکمیل مواعیده کما جرت عادته بالابدال والاقطاب والصدیقین. فرئیتُ اَنَّ رُوحَه احاط عَلَیَّ واستویٰ علٰی جسمی وَلَفَّنِیْ فی ضمن وجوده حتی مابَقِیَ مِنِّیْ ذرةٌ وکنتُ من الغائبین......وبینما انا فی هذه الحالةِ کنتُ اقول انا نریدُ نظامًا جدیدًا. وسماءً جدیدةً وأَرْضًا جدیدةً فخلقت السّمٰوات والارض اَوَّلًا بصورةٍ اِجمالیة لا تفریق فیها ولا ترتیب ثُمَّ فرقتها ورتّبتها بوضع هومراد الحقِ وکنتُ اجدُ نفسی علی خلقها کالقادرین......وَاُلْقِیَ فی قلبی اَنَّ ھٰذاالخلقَ الذی رئیتُه

اشارۃٌ الٰی تائیداتٍ سماویّۃ و ارضِیَّۃٍ ......ولا نَعْنِی بھذہ الواقعۃِ کما یُعْنٰی فی کُتُبِ اَصْحَابِ وحدۃِ الوجودِ وما نَعْنِی بذالک ماھومذھب الحلولیّین بل ھذہ الواقعۃ تُوافِقُ حدیثَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَعْنِی بذالک حدیثَ البخارِیّ فی بیان مرتبۃِ قرب النوافل لعباداللّٰہ الصّالحین‘‘

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد۵ صفحہ 564 تا 566)

ترجمہ:۔مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا......عین اللہ سے مراد میری ظل کا اپنے اصل کی طرف رجوع کرنا اور اس کی طرف غائب ہوجانا ہے۔جیسا کہ اس قسم کے حالات خدا کے پیاروں پر بعض اوقات جاری ہوتے ہیں۔اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایک اچھے نظام کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے مجھے اپنی ذاتی تجلّی سے بمنزلہ اپنی مشیّت اپنے علم اور اپنے جوارح اور بمنزلہ اپنی توحید وتفرید کے بنالیا۔اپنی مراد کو پورا کرنے اور اپنے وعدوں کی تکمیل کے لئے جیسا کہ اس کی عادت ابدال اور اقطاب اور صدیقوں کے لئے جاری ہے۔

پس مَیں نے دیکھا کہ اس کی رُوح نے میرا احاطہ کرلیا ہے اور اس نے میرے جسم پر مستولی ہوکر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کرلیا ہے۔یہاں تک کہ میرا کوئی ذرہ بھی باقی نہیں رہا اور مَیں غائبین میں سے ہوگیا......اس اثناء میں کہ مَیں اس حالت میں تھا مَیں کہتا تھا کہ ہم ایک نیا نظام،نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔پس مَیں نے آسمانوں اور زمین کو پہلے اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی تفریق اور ترتیب موجود نہ تھی۔پھر مَیں نے منشاءِ حق کے موافق اس

کی ترتیب اور تفریق کی اور مَیں دیکھتا تھا کہ مَیں اس کے خلق پر قادر ہوں۔

میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ پیدائش جسے میں نے دیکھا ہے۔آسمانی اور ارضی تائیدات کی طرف اشارہ ہے......اور ہم اس واقعہ سے وہ مراد نہیں لیتے جو وحدت الوجود ماننے والوں کی کتابوں میں مراد لیا جاتا ہے۔اور نہ اس واقعہ کو حلول کے قائل لوگوں کے مذہب کے مطابق مانتے ہیں۔بلکہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ہے۔میری مراد اس سے بخاری کی وہ حدیث ہے جو کہ خدا کے نیک بندوں کے لئے قرب نوافل کے مرتبہ کے بیان پر مشتمل ہے۔

اِس رؤیا کی تشریح جو خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کردی ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک کشفی واقعہ تھا جو آپ کے اس طرح فانی فی اللہ ہونے کو ظاہر کرنے والا تھا جس طرح اولیاء۔ابدال اور اقطاب خدا تعالیٰ کی ذات میں فانی ہوتے ہیں۔اور ان پر بعض اوقات ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ اُن کا اپنا وجود مخفی ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات ذاتیہ وارد ہو کر اسے اپنی ذات عین خدا نظر آتی ہے مگر وہ درحقیقت خدا نہیں بن جاتا بلکہ مراد اِس سے صرف یہ ہوتا ہے کہ ظل نے اپنے اصل کی طرف رجوع کیا ہے۔اور ظل پر اصل مستولی ہو گیا ہے اور ظل اصل میں غائب ہو گیا ہے۔جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:۔

"ما زَال عبدی یتقرب الیَّ بالنّوافل حتّی اَحُبَبْتُہٗ فکنتُ سمعَہ الذی یسمع بہ وبصَرہ الذی یبصربہ ویدَہ التی یبطش بھا ورجلَہ التی یمشی بھا"۔

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع حدیث نمبر 6137)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔
کہ نفل گزار بندہ میرے قرب میں ترقی کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس

سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو مَیں اُس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔اُسکی آنکھ بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ رُؤیا بخاری شریف کی مذکورہ حدیث سے موافق ہے جس میں خدا کے اپنے محبوب بندے کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جانے کا ذکر ہے اور یہ دراصل وحدت شہودی کا مقام ہوتا ہے نہ کہ وحدت الوجود کا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف فرمادیا ہے کہ اس واقعہ سے نہ وحدت الوجود مراد ہے اور نہ خدا کا بندے میں حلول کر جانا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اِس مرتبہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

''وآں مرتبہ قرب نوافل کہ مقام فناء صفات است ونزدِ محققین اَنَاالحَقُ ناشی ازیں شہود''۔　　(فتوح الغیب فارسی مقالہ نمبر 3 صفحہ 17)

ترجمہ:۔قرب نوافل کا وہ مرتبہ جو اپنی صفات کو فناء کرنے کا مقام ہے اور اس سے محققین کے نزدیک اَنَاالحَقُ کا شہود پیدا ہوتا ہے''۔

کئی بزرگان اُمّت کو وحدت کا یہ مقام حاصل ہوا۔ چنانچہ حضرت شیخ فریدالدین عطّار فرماتے ہیں:۔

من خدایم من خدایم من خدا
فارغ از کینہ و از کبر و ہَوا

کہ کینہ اور کبر اور حرص سے فارغ ہو کر میں خدا ہوں میں خدا ہوں میں خدا ہوں۔

(فوائد فریدیہ مترجم بار اوّل صفحہ 85 مکتبہ معین الادب جامع مسجد شریف ڈیرہ غازی خان)

(2) حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:۔

''میں کہتا ہوں اور میں ہی سُنتا ہوں۔دونوں جہاں میں میرے سوا کوئی اور نہیں''۔

(فوائد فریدیہ مترجم صفحہ 77 مکتبہ معین الادب جامع مسجد شریف مطبوعہ ڈیرہ غازیخاں)

(3) حضرت معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ اسی فنا فی اللہ کے ذکر کی حالت کے متعلق فرماتے ہیں:۔ ؎

نہ عصیاں ماند نے طاعت
شدم محو اندر آں ساعت
چناں گشتم در آں حالت
کہ وے من گشت و منم وے

(دیوان معین الدینؒ)

''یعنی حالت فناء میں نہ نافرمانی رہی نہ فرمانبرداری۔مَیں اس گھڑی اُس ذات باری میں ایسا محو ہوگیا کہ وہ مَیں ہوگیا اور مَیں وہ''۔

بعض صوفیاء نے تو یہاں تک فرمایا ہے:۔

سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ

(قول ابویزید۔کشف المحجوب صفحہ 287 اُردو)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِس کشف پر جب آپؑ کی زندگی میں مخالفین نے اعتراض کیا۔تو آپ نے اسکے جواب میں لکھا:۔

''ایک دفعہ کشفی رنگ میں مَیں نے دیکھا۔کہ مَیں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا ہے اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔اِس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو،اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا

حالانکہ اس کشف سے یہ مطلب تھا۔ کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے گا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے۔ اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے''۔ (چشمہ مسیحی روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 375-376 حاشیہ)

پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

''وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہیں۔ جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے۔ جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا اُن سے ظاہر ہوگا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اُس کے بندے کے ہاتھ سے اُسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ دُنیا نے خدا کی اِس نئی تجلّی سے دشمنی کی''۔ (کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 7)

پھر اصولی طور پر لکھتے ہیں:۔

''ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت میں رُوحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے''۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 102 حاشیہ)

نئی زمین اور نیا آسمان بنانے کا محاورہ اہلِ علم میں مشہور ہے۔ شاعرِ مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال لکھتے ہیں:۔

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر
اور جب بانگ اذاں کرتی ہے بیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دُنیا تعمیر

(ضربِ کلیم زیرِ عنوان ''عالمِ نو''، صفحہ 130 طبع ہفتم 1947ء)

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:۔

''شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے لیڈر اپنے خیالات کے

مطابق خود کوئی عملی تحریک اُٹھاتے ہیں اور بگڑی ہوئی دُنیا کو توڑ موڑ کر اپنے ہاتھوں سے نئی دُنیا بنانے کے لئے میدان میں نکل آتے ہیں''۔

(تجدید واحیائے دین بحوالہ آفتاب صفحہ 71 مرتبہ خورشید الاسلام علی گڑھ)

ہم اِس بحث کو تعطیر الانام کے اس حوالہ پر ختم کرتے ہیں۔اس میں لکھا ہے:۔

''مَنْ رَأَى كَانَّهٗ صَارَ الْحَقَّ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰى اهْتَدٰى اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ'' (تعطير الانام الجزء الاوّل صفحه10)

''کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ خدا بن گیا ہے۔تو اِس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس شخص کو سیدھی راہ کی ہدایت مل گئی۔''

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اس کشف کی تعبیر یہی ہے کہ آپؑ صراطِ مستقیم پر ہیں اور معترضین حق پر نہیں۔

واضح رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے رؤیا میں دیکھا تھا۔جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:۔

''اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ'' (یوسف:9)

حضرت یوسفؑ باپ کو خواب بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ مَیں نے دیکھا کہ چانداور سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

دوسری طرف سورۃ حج میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ (الحج:19)

''یعنی کیا تو نے دیکھا نہیں کہ جو کوئی بھی آسمان میں ہے وہ اللہ تعالیٰ

کے حضور سجدہ کررہا ہے اور جو کوئی زمین میں ہے وہ بھی اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور چار پائے بھی اور لوگوں میں سے بھی بہت سے‘‘۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ سجدہ صرف خدا کو کیا جاتا ہے۔ اُدھر حضرت یوسف علیہ السلام کی رؤیا ہے کہ سُورج چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ تو کیا اس سے ان کی خدائی کا دعویٰ لازم آئے گا۔ کوئی بے وقوف ہی ایسا خیال کرسکتا ہے۔ کیونکہ خواب ہمیشہ تعبیر ہوتے ہیں چنانچہ جب مصر میں حضرت یوسفؑ کے والدین اور گیارہ بھائی آئے اور انہوں نے یوسفؑ کی عظمت کا اظہار کیا تو اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:۔

هٰذَا تَأْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا۔

(یوسف:101)

کہ یہ میری اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کردکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ہے:۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

(الانفال:18)

کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جنگ بدر میں کنکروں کی جو مٹھی تو نے دشمنوں کی طرف پھینکی تھی وہ تو نے نہیں پھینکی تھی اللہ نے پھینکی تھی۔

یہ آیت قرآنیہ تصوف کی جان ہے اور اس میں بظاہر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل کو اللہ کا فعل قرار دیا ہے اور بڑا ہی بے وقوف وہ شخص ہوگا جو اس سے یہ نتیجہ نکالے۔ کہ اس آیت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی کا دعویٰ کردیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو

اس جگہ منفی قرار دے کر جو کام آپؐ نے کیا اس کی اپنی طرف نسبت دی ہے۔اس لئے کہ آپؐ فنا فی اللہ کے اتم درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔اور سر سے پاؤں تک اللہ تعالیٰ آپؐ میں مخفی تھا۔اسی قسم کی کیفیت بعض اوقات خدا کے برگزیدہ پر طاری ہوجاتی ہے۔اور وہ یہ کہہ اُٹھتا ہے:۔

سر سے لے کر پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے مرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

جنگ بدر میں اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ایک الٰہی فعل تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت اس طرح شامل حال ہوئی کہ کنکروں کی مٹھی ایک تیز آندھی میں مبدّل ہوگئی جس کا رُخ دشمنانِ اسلام کی طرف تھا اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے تیر نہایت تیزی سے کافروں کو نشانہ بنارہے تھے اور کافروں کا کوئی تیر مسلمانوں تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔لہٰذا اِس معجزانہ الٰہی قوت نے جنگ بدر میں ایسا نشان دکھایا کہ دشمن اسلام مسلمانوں سے تین گنا زیادہ جمعیت اور ساز و سامان رکھنے کے باوجود ذِلت آمیز شکست کھا گیا۔

اولیاء پر بھی کبھی ایسی حالت طاری ہوتی ہے اور وہ کہہ اُٹھتے ہیں۔جیسا کہ سید عبدالقادر جیلانی پیر پیران نے کہا۔ ’’لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ۔‘‘

(مکتوب امام ربّانی مجدد الف ثانی دفتر اوّل حصہ پنجم مکتوب نمبر 272 رؤف اکیڈیمی لاہور)

ترجمہ:۔کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سِوا اور کُچھ نہیں‘‘۔

اسی فنا فی اللہ کی حالت میں دراصل اولیاء اللہ سے ایسی کرامات صادر ہوتی ہیں جن میں الٰہی تصرّف نظر آتا ہے۔

تشریعی اور مستقلہ نبوت کے ادّعا کا الزام

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الزام دیا ہے کہ:۔

''مرزا صاحب کی تصنیفات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی مستقل صاحب شریعت ہونے کے بھی قائل تھے۔اُنہوں نے ''اربعین'' میں تشریعی یا صاحب شریعت نبی کی تعریف کی ہے کہ جس کی وحی میں امرونہی ہو۔اور وہ کوئی قانون مقرر کرے۔اگر چہ یہ امرونہی کسی نبی سابق کی کتاب میں پہلے آچکے ہوں۔اُن کے نزدیک صاحب شریعت نبی کے لئے اس کی شرط نہیں کہ وہ بالکل جدید احکام لائے۔پھر وہ صاف صاف دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس تعریف کے مطابق صاحبِ شریعت اور مستقل نبی ہیں''۔

(قادیانیت صفحہ 94،95 بار اوّل مکتبہ دینیات لاہور)

الجواب:۔ مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ الزام درست نہیں۔ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی تحریر میں یہ دعویٰ موجود نہیں کہ وہ مستقل نبی ہیں۔ آپ کا دعویٰ صرف یہ ہے کہ آپ ایک پہلو سے اُمتی ہیں اور ایک پہلو سے نبی ہیں۔ اور یہ مقام آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضئہ روحانی سے حاصل کیا ہے۔اربعین کا جو حوالہ مولوی ابوالحسن صاحب نے پیش کیا ہے۔اس میں ہرگز ایسے الفاظ موجود نہیں کہ آپ مستقل نبی ہیں یا صاحبِ شریعت جدیدہ نبی ہیں۔اربعین سے ایک سال بعد کی تصنیف اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں فرماتے ہیں:۔

''جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان

معنوں سے کیا ہے کہ مَیں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں۔ اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اُس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علمِ غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ (ایک غلطی کا ازالہ۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210-211)

تشریعی نبی آپؑ کے نزدیک وہ ہوتا ہے جو شریعتِ جدیدہ لائے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

''یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اسکی پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے''۔

(الوصیت۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 311 حاشیہ)

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

''ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید ومولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجنابؐ کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے۔ اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 340 حاشیہ)

یہ سب عبارتیں اربعین سے بعد کی ہیں ان سے ظاہر ہے کہ آپؑ پر تشریعی نبوت اور مستقلہ نبوت کے دعویٰ کا الزام سراسر مردود ہے۔ اربعین کی عبارت کو ان حوالہ جات کی روشنی میں پڑھنا چاہیے حضرت مسیح موعود پر شریعت اسلامیہ کے بعض

اوامر اور نواہی کا نزول بطور تجدید شریعت ہے نہ بطور شریعت جدیدہ اور تشریعی نبی آپ اسے ہی قرار دیتے ہیں جو شریعت جدیدہ لائے اور شریعت سابقہ کے کسی حکم کو منسوخ یا معطل کرے پس بالواسطہ صاحبِ شریعت ہونا اور بات ہے اور مستقل طور پر تشریعی نبی ہونا اور بات ہے۔ صاحبِ شریعت تو ایک معنی میں ہر مومن ہوتا ہے۔ لہٰذا مجدِدین بدرجہ اولیٰ صاحبِ شریعت ہوتا ہے۔ اگر مجدِدین پر اس کی مسلّمہ شریعت کے بعض اوامر اور نواہی بذریعہ الہام نازل ہوں تو وہ اوامر اور نواہی تو شریعت ہی ہوں گے۔ لیکن جس پر نازل ہوں ان سے وہ مستقل صاحب شریعت نہیں بن جاتا۔ ان اوامر ونواہی کے نزول کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مجدّد کے لئے ان باتوں پر زور دینا ضروری ہے۔ علماءِ امت کو یہ مسلّم ہے کہ مسیح موعود پر شریعتِ محمدیہ کا نزول ہوگا۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانیؒ حضرت محی الدین ابن العربیؒ کا مذہب یوں لکھتے ہیں:۔

”یُرْسَلُ وَلِیًّا ذَا نُبُوَّۃٍ مُطْلَقَۃٍ وَیُلْھَمُ بِشَرْعِ مُحَمَّدٍ“

”یعنی مسیح موعود ایسے ولی کی صورت میں بھیجا جائے گا۔ جو نبوت مطلقہ کا حامل ہوگا اور اس پر شریعتِ محمدیہ الہاماً نازل ہوگی“۔

(الیواقیت والجواہر جلد 2 صفحہ 89 بحث 47 طبع اولیٰ مطبوعہ مصر)

فتوحاتِ مکّیہ جلد 2 صفحہ 287 پر لکھا ہے:۔

”تَنَزُّلُ الْقُرْاٰنِ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَوْلِیَاءِ مَاانْقَطَعَ مَعْ کَوْنِهٖ مَحْفُوْظًا لَھُمْ وَلٰکِنْ لَھُمْ ذَوْقُ الْاِنْزَالِ وَھٰذَا لِبَعْضِھِمْ“۔

کہ قرآن کریم کا نزول اولیاء کے قلوب پر منقطع نہیں باوجودیکہ وہ ان کے پاس اپنی اصلی صورت میں محفوظ ہے۔ لیکن اولیاء اللہ کو نزولِ قرآنی کے ذوق کی خاطر قرآن ان پر نازل ہوتا ہے اور یہ نشان بعض کی عطا کو جاتی ہے۔

اسی شان کا بالواسطہ صاحبِ شریعت مسیح موعودؑ کو سمجھنا چاہیے نہ کہ شریعت مستقلہ کا حامل جس سے تشریعی نبی ہونا لازم آتا ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب نے اربعین کا حوالہ پورا پیش نہیں کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آگے لکھتے ہیں:۔

''میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے''۔ (اربعین نمبر 4۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 435 حاشیہ)

پھر اربعین میں زیر بحث حوالہ کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

''ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربّانی کتابوں کا خاتم ہے۔ تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے نفس پر یہ حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی مامور کے ذریعہ یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا شریعت ہے۔ جو مسیح موعود کا بھی کام ہے''۔

(اربعین نمبر 4۔ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 436)

پس مسیح موعودؑ ان معنوں میں صاحبِ شریعت ہیں کہ اُن کے ذریعہ بیانِ شریعت مقدّر تھا نہ اتیانِ شریعتِ مستقلہ (شریعت لانا)۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب ندوی جیسے عالم کا اربعین کی عبارت سے مسیح موعود علیہ السلام پر تشریعی اور مستقلہ نبوت کا الزام دینا تعجب انگیز ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے کسی معاون نے اُدھورے حوالے اُن کے سامنے پیش کئے ہیں۔

اب ہم اربعین کے حوالے کو پیش کر کے اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ حضورؑ نے اپنے تئیں کیوں صاحبِ شریعت لکھا۔ سو واضح ہو کہ اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی صداقت کی نسبت آیت ''لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا

بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ ۙ﴿۴۵﴾ لَاَخَذۡنَا مِنۡہُ بِالۡیَمِیۡنِ ﴿۴۶﴾ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡہُ الۡوَتِیۡنَ ﴿۴۷﴾۔ کی روشنی میں یہ دلیل دی تھی کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی والہام کے دعویٰ کے بعد 23 سال کی لمبی عمر پائی جو آپؐ کی سچائی کی دلیل ہے۔ اِسی طرح میرے دعویٰ وحی والہام پر بھی 23 سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ سو خدا نے مجھے ہلاک نہیں کیا۔ حالانکہ اس آیت کی رُو سے خدا کا قانون ہے کہ وہ جھوٹے نبی کو اتنی مہلت نہیں دیتا جتنی مہلت اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ بلکہ اِس مدت سے پہلے ہی اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس پر بعض حلقوں کی طرف سے یہ اعتراض ہوا کہ خدا تعالیٰ کی یہ وعید جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے اس کا تعلق اس وحی سے ہے جو شریعت کے اوامر و نواہی پر مشتمل ہو۔ اِس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین کی وہ عبارت لکھی ہے جسے مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے ادھورا پیش کیا۔ وہ عبارت یہ ہے:۔

''ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب الشریعۃ ہو گیا۔

پس اس تعریف کی رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام **قل للمؤمنین یغضّوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذٰلک ازکیٰ لھم**۔ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور اس پر تیئیس برس کی مدّت بھی گزر گئی۔ اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی''۔ (اربعین نمبر 4۔ روحانی خزائن جلد صفحہ 435-436)

واضح ہو یہ ساری عبارت بطور الزامِ خصم کے ہے کہ اگر لَوۡ تَقَوَّلَ والی وعید

کواوامراورنواہی سے مخصوص کیا جائے جن میں بناوٹ کا دخل ہوتو پھر مدّعی پکڑا جاتا ہے۔حضورؑ نے مخالفین پر حجت ملزمہ قائم کر دی ہے کہ تم صاحبِ شریعت کی یہ تعریف کرو کہ اُس کی وحی میں اوامرونواہی ہوتے ہیں تو میری وحی میں اوامر بھی ہیں اور نواہی بھی اوران پر تیئیس برس کا عرصہ بھی گزرگیا ہےتو اب تم پر فرض ہوگیا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں مجھے سچا جانو۔پھر آگے لکھا ہے کہ:۔

”اگر کہوشریعت سے وہ شریعت مراد ہےجس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى۔(الاعلٰی:19-20)یعنی قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے اوراگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء احکامِ شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں“۔ (اربعین نمبر 4۔روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 436)

اس جگہ تعریف شریعت مطلقہ کی ہورہی ہے نہ شریعتِ جدیدہ کی جوشریعت مطلقہ کی ایک مقیّد صورت ہے اور جوشریعت سابقہ میں ترمیم و تنسیخ کا نام ہے یا اوامرونواہی جدیدہ کا نام ہے۔اسی کا حامل حضرت مرزا صاحبؑ کے نزدیک تشریعی نبی کہلاتا ہے۔محض شریعت مطلقہ کا حامل جس کا نزول تجدید دین اور بیان شریعت کے طور پر ہوتشریعی نبی نہیں ہوتا خواہ اُس پر اوامرونواہی ہی نازل ہوں۔یہی حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب ہے۔کیونکہ وہ اوامرونواہی صرف تجدید دین اور بیانِ شریعت کے طور پر ہونگے نہ شریعت مستقلہ لانے کے طور پر۔اورایساملہم بالواسطہ صاحب شریعت ہوگا نہ براہ راست۔لہٰذا وہ تشریعی نبی نہیں کہلاسکتا۔اور نہ مستقل صاحب شریعت نبی کہلاسکتا ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ تجدید دین کے طور پر شریعت سابقہ کے اوامرونواہی کا

نزول گوشریعت ہی ہے اور اِس کا حامل بیانِ شریعت کے واسطہ سے صاحب شریعت کہلاسکتا ہے۔مگرتشریعی نبی یا نبوت مستقلہ کا حامل ہرگزنہیں کہلاسکتا۔

اشتہار''ایک غلطی کا ازالہ'' میں آپؑ نے جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔مستقل شریعت لانے یا مستقل نبی ہونے سے صاف انکار کیا ہے۔پس آپ پر جوشریعت کے احکام نازل ہوئے وہ بالاستقلال نہیں۔اس لئے اربعین کے حوالہ کی بناء پر آپؑ کو مستقل صاحبِ شریعت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ایسا الزام سراسر بے بنیاد ہے جس کی تردید پر حضورؑ کی تصنیفات گواہ ہیں۔

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی اپنے الزام کو مضبوط کرنے کے لئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ تشریعی نبی ہونے کا تھا۔تریاق القلوب صفحہ 130 کے حاشیہ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:۔

''یہ نکتہ یادرکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ سے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف اُن نبیوں کی شان ہے جو خداتعالیٰ کی طرف سے احکام جدیدہ اورشریعت لاتے ہیں۔لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گووہ کیسے ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں اُن کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن سکتا۔''

پھراس کے مقابل میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی بعض عبارتیں پیش کی ہیں:۔

1۔ ''مجھے الہام ہوا ہے۔کہ جوشخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا وہ خدااور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہوگا''۔

(معیارالاخیار صفحہ 8)

2۔ ''خداتعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہرایک وہ شخص جس کو میری

دعوت پہنچی ہے۔اوراُس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے‘‘۔
(الذکرالحکیم نمبر2 صفحہ 24)

3۔ ’’کفر دوقسم پر ہے۔(اوّل)ایک یہ کُفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔(دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کونہیں مانتا اوراس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔کیونکہ جو شخص باوجود شناخت کر لینے کے خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتا وہ بموجب نصوص صریحہ قرآن اور حدیث کے خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا‘‘۔ (حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 185-186)

افسوس ہے کہ ابوالحسن صاحب ندوی نے اگلی عبارت درج نہیں کی جو آپؑ کے مذہب کی وضاحت کرتی ہے۔اور وہ یہ ہے:۔

’’اس میں شک نہیں کہ جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اوّل قسم کفر یا دوسری قسم کفر کی نسبت اتمام حجت ہو چکا ہے وہ قیامت کے دن مؤاخذہ کے لائق ہوگا۔اور جس پر خدا کے نزدیک اتمام حجت نہیں ہوا اور وہ مکذب اور منکر ہے تو گو شریعت نے (جس کی بناء ظاہر پر ہے) اس کا نام بھی کافر ہی رکھا ہے اور ہم بھی اس کو باتّباع شریعت کافر کے نام سے ہی پکارتے ہیں۔مگر پھر بھی وہ خدا کے نزدیک بموجب آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا قابلِ مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ہاں ہم اِس بات کے مجاز نہیں ہیں کہ ہم اس کی

نسبت نجات کا حکم دیں۔اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے ہمیں اس میں دخل نہیں اور جیسا کہ مَیں ابھی بیان کر چکا ہوں۔ یہ علم محض خدا تعالیٰ کو ہے کہ اسکے نزدیک باوجود دلائل عقلیہ اور نقلیہ اور عمدہ تعلیم اور آسمانی نشانوں کے کس پر ابھی تک اتمام حجت نہیں ہوا‘‘۔(حقیقۃ الوحی ۔روحانی خزائن جلد22 صفحہ 186)

اور حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 185 پر یہ لکھتے ہیں:۔

’’بہر حال کسی کے کُفر اور اس پر اتمام حجت کے بارے میں فرد فرد کا حال دریافت کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ اس کا کام ہے جو عالم الغیب ہے ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے نزدیک جس پر اتمام حجت ہو چکا ہے اور خدا کے نزدیک جو منکر ٹھہر چکا ہے وہ مؤاخذہ کے لائق ہوگا‘‘۔

صفحہ 179 اور صفحہ 180 کی اِن عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک جہنمی صرف وہ کافر ہے جس پر اتمام حجت ہو چکا ہو۔اور پھر آپ کو جھوٹا جانتا ہو۔ ورنہ اگر کسی شخص پر اتمام حجت نہیں ہوا اور وہ آپ کا مکذب اور منکر ہے۔تو وہ قابلِ مؤاخذہ یعنی جہنمی نہیں ہوگا۔

دُوسری عبارت میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔اِس سے مُراد یہ ہے کہ وہ کامل مسلمان نہیں ہے۔ اِس جگہ نفی علی الاطلاق مُراد نہیں بلکہ نفئ کمال مراد ہے۔جس پر آپؑ کا الہام ’’مسلماں را مسلماں باز کردند‘‘ جو مسلمان کو پورا مسلمان کرنے کے ذکر پر مشتمل ہے۔شاہد ناطق ہے۔آپؑ کے اس الہام میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے منکرین مسلمانوں کا نام مسلمان ہی رکھا ہے۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا آپؑ کے خلفاء نے بھی آپؑ کا انکار کرنے والے مسلمانوں کو کہیں بھی غیر مسلم یا غیر مسلموں کی طرح کا فرقرار نہیں دیا۔

تریاق القلوب کی جو عبارت مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے پیش کی

ہے۔اس سے ان الفاظ کا منطوق کہ اپنے دعویٰ سے انکار کرنے والوں کو کافر کہنا یہ صرف اُن نبیوں کا کام ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔حقیقۃ الوحی کی پیش کردہ عبارت کی روشنی میں کافر قسم اوّل ہے نہ کافر قسم دوم اور مسیح موعودؑ کا انکار کُفر قسم اوّل قرار نہیں دیا گیا۔کیونکہ آپ شریعت جدیدہ لانے والے نہیں۔ بلکہ کفر قسم دوم قرار دیا گیا ہے۔اور ہمارے نزدیک کفر قسم دوم سے کلمہ گو مسلمان کافر قسم اوّل یا غیر مسلم نہیں ہوجاتے۔ بلکہ ملت اسلامیہ کی ظاہری چاردیواری میں داخل ہی سمجھے جاتے ہیں۔قسم دوم کی وجہ کفر پایا جانے کے باوجود ہم انہیں مسلمان ہی کہتے ہیں نہ غیر مسلموں کی طرح کافر۔صرف شریعت جدیدہ لانے والے انبیاء کا انکار ہی کفر قسم اوّل ہوگا۔اس لئے یہی تریاق القلوب میں مراد ہے۔کیونکہ مسیح موعودؑ شریعت جدیدہ لانے والے نبی نہیں ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔چونکہ آپؑ غیر تشریعی اُمتی نبی ہیں اس لئے آپؑ کا منکر مسلمانوں میں سے اُمتی کافر ہوگا نہ کہ غیر مسلم۔

دونوں قسم کے کفر کو ایک قسم کا کفر اطلاق جنس کے لحاظ سے قرار دیا گیا ہے نہ حقیقت کے لحاظ سے۔انواع میں دونوں قسم کے منکرین کُفر میں ہم مُسلم اور غیر مسلم کا فرق کریں گے۔رہا باطن کا معاملہ۔سو اسکی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔دونوں قسم کے کفر میں جس شخص پر اتمام حجت ہو چکا ہوگا وہ قابل مؤاخذہ ہوگا۔اور جس پر اتمام حجت نہیں ہوا ہوگا وہ قابل مؤاخذہ نہیں ہوگا۔اور اتمام حجت کا علم بموجب قول حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کو ہے جو عالم الغیب ہے۔پس فرد فرد کے جہنمی ہونے کا فتویٰ ہم نہیں دے سکتے۔جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکذّب اور منکر قرار پا چکا ہے خواہ غیر مسلم ہو یا مسلم،منکر مسیح موعودؑ ہی قابل مؤاخذہ ہوگا۔یہ ہے مفہوم اس عبارت کا کہ ''اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل

ہیں'' ورنہ حقیقت میں دو قسموں کا ایک قسم ہونا محال ہے۔ کیونکہ قِسْمَیْن میں باہم تخالف اور تباین ہوتا ہے۔

پس جب حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اپنے مکفرین اور مکذبین کو کافر قسم اوّل قرار نہیں دیتے اور آپؑ کے نزدیک کافر قسم اوّل وہ ہوتا ہے جو سرے سے اسلام کا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہو۔

پس مولوی ابوالحسن صاحب کا پیش کردہ نتیجہ سراسر غلط ہے کہ مرزا صاحبؑ شریعت مستقلہ لانے والے نبی ہیں۔ بالفرض مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا مزعوم مسیح اگر آ جائے تو اس کا منکر کافر ہوگا یا نہیں؟ اور اس کے منکر کو اگر وہ کافر قرار دیں تو کیا وہ شریعت مستقلہ لانے کا مدعی ہوگا اور قرآن مجید کے بعد وہ ایک نئی شریعت لانے والا نبی ہوگا؟ اگر نہیں تو فقہی طور پر آپ کو یہی کہنا پڑے گا کہ مسیح موعود کا منکر کافر قسم دوم ہوگا نہ کافر قسم اوّل۔ تبھی ان کا مزعوم مسیح موعود شریعتِ جدیدہ لانے کے دعویٰ کے الزام سے بچ سکتا ہے۔

ایک اور نکتہ یاد رکھنے کے قابل

حقیقۃ الوحی کی عبارت میں دوسری قسم کا کافر حقیقۃً اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو باوجود اتمام حجت کے مسیح موعود کو جھوٹا جانتا ہو۔ کیونکہ آپؑ کے الفاظ یہ ہیں:۔

''دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمامِ حجت کے جھوٹا جانتا ہے''۔

پس جس پر اتمام حُجت نہ ہوا ہو۔ اس میں کُفر قسم دوم کی وجہ عنداللہ نہیں پائی جائے گی۔ ہاں چونکہ شریعت کی بناء ظاہر پر ہے اور اتمام حجت کا علم محض خدا تعالیٰ کو ہے۔ اس لئے منکرین مسیح موعودؑ مسلمانوں کے متعلق حجت پوری ہونے یا نہ ہونے

کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص پر اتمام حجت نہیں ہوا۔ بلکہ ایسے لوگوں کو منکرین مسیح موعودؑ کے زمرہ میں ہی شمار کیا جا سکتا ہے۔ہاں جماعت احمدیہ ایسے مسلمانوں کو ہرگز غیر مسلموں کی طرح کافر قسم اوّل نہیں جانتی اور جماعت احمدیہ کے کسی خلیفہ نے ایسے مسلمانوں کو جو منکر مسیح موعود ہوں کبھی غیر مسلم بھی قرار نہیں دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا بیان جو آئینہ صداقت سے ابوالحسن صاحب نے نقل کیا ہے کہ:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا نام بھی نہیں سُنا۔وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''۔

یہ آخری فقرہ بطور تغلیظ ہے اور مراد اس سے صرف یہ ہے کہ وہ حقیقتِ اسلام کو پانے سے محروم ہیں۔ ورنہ انہیں اس جگہ مُسلمان ہی کہا گیا ہے جس پر ''کل مسلمان'' کے الفاظ شاہد ناطق ہیں۔انہیں غیر مسلم قرار نہیں دیا گیا۔آپ کا یہ فقرہ اس حدیث نبوی کے مفہوم میں ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

''مَنْ مَشٰی مَعَ ظَالِمٍ لِیُقَوِّیَہٗ فَقَدْخَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ''۔

کہ جو ظالم کی تائید کے لئے کھڑا ہوا وہ اسلام سے نکل گیا۔اس سے یہی ہے کہ اس کا یہ فعل حقیقتِ اسلام سے عاری ہے نہ یہ کہ وہ غیر مسلم ہو جاتا ہے۔

تحقیقاتی کمیشن کے سامنے خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس عبارت کی ایسی ہی تشریح کی تھی۔کیونکہ آپؓ کا مذہب یہ ہے:۔

''کافر کے ہم ہرگز یہ معنے نہیں لیتے کہ ایسا شخص جو کہتا ہو کہ مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں اُسے کون کہہ سکتا ہے کہ تو انہیں نہیں

مانتا۔ یا کافر کے ہم ہرگز یہ معنے نہیں لیتے کہ ایسا شخص خدا تعالیٰ کا منکر ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کہتا ہو کہ مَیں خدا تعالیٰ کو مانتا ہوں۔ تو اسے کون کہہ سکتا ہے کہ تُو خدا تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ ہمارے نزدیک اسلام کے اصول میں سے کسی اصل کا انکار کفر ہے جس کے بغیر کوئی شخص حقیقی طور پر مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ ہمارا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ کافر جہنمی ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک کافر ہو اور وہ جنتی ہو۔ مثلاً مُنکر ہے وہ ناواقفیت کی حالت میں ساری عمر رہا ہو۔ اور اس پر اتمام حجت نہ ہوئی ہو۔ پس گو ہم ایسے شخص کے متعلق یہی کہیں گے کہ وہ کافر ہے مگر خدا تعالیٰ اُسے دوزخ میں نہیں ڈالے گا کیونکہ اسے حقیقی دین کا کچھ علم نہ تھا اور خدا ظالم نہیں کہ وہ بے قصور کو سزا دے‘‘۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ مندرجہ الفضل یکم مئی 1935ء صفحہ 8 کالم نمبر 3)

مولوی ابوالحسن صاحب نے احمدی کے غیر احمدی کو لڑکی نہ دینے کا معاملہ اور غیر احمدی کے پیچھے نماز کی ممانعت کا معاملہ اور غیر احمدی کے جنازے کا معاملہ بھی پیش کیا ہے۔ مگر ان معاملات میں جماعت کی یہ کارروائی جوابی ہے۔ جو دراصل غیر احمدی علماء کے فتاویٰ کفریہ کا ردِ عمل ہے جن میں احمدیوں سے مناکحت حرام۔ احمدیوں کو امام بنانا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فتویٰ تکفیر میں ہرگز ابتداء نہیں کی اور نہ باقی فتاویٰ میں ابتداء کی ہے۔ آپؑ حقیقۃ الوحی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

’’پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمّہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمان اور کلمہ گو کو کافر ٹھہرایا۔ حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی۔ خود ہی اُن کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور نادان لوگ

ان فتووں سے ایسے ہم سے متنفر ہوگئے کہ ہم سے سیدھے مُنہ سے کوئی نرم بات کرنا بھی اُن کے نزدیک گناہ ہوگیا۔کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا۔اگر کوئی ایسا کاغذ، یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتوائے کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہوتو وہ پیش کریں۔ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگاویں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت کس قدر دل آزار ہے۔ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے۔اور پھر جبکہ ہمیں اپنے فتووں کے ذریعے سے کافر ٹھہرا چکے اور آپ ہی اس بات کے قائل بھی ہوگئے کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے تو کُفر الٹ کر اُسی پر پڑتا ہے۔تو اس صورت میں کیا ہمارا حق نہ تھا کہ بموجب انہی کے اقرار کے ہم ان کو کافر کہتے''۔

(حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 123-124)

پس کفر کے فتووں میں نماز اور مناکحت اور جنازہ وغیرہ کے فتووں میں تقدیم (پہل) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے نہیں ہوئی۔آپ کے فتاویٰ جوابی ہیں اور وہ بھی قرآن مجید کی آیت جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کی روشنی میں نہ کسی شریعت جدیدہ کے ماتحت۔لہٰذا آپؑ پر شریعت مستقلہ کا الزام سراسر دروغ بے فروغ ہے۔

بالآخر یہ عرض ہے کہ باوجود مسلمان علماء کے جماعت احمدیہ پر کفر کا فتویٰ لگانے کے ہم انہیں ملّتِ اسلامیہ کے افراد ہی جانتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے پیارے آقا و مولا سید الانبیاء فخر المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام لیوا ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں:۔

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار
کاخر کُنند دعوٰیِ حُبِّ پیمبرمؐ

(دُرِّثمین فارسی صفحہ 107 مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت کے دعوٰی کا الزام

مخالفین کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ الزام کہ آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ایک سراسر بے بنیاد الزام ہے۔ جو اس لئے دیا جاتا ہے کہ لوگوں کے دل میں آپ کے لئے نفرت کا جذبہ پیدا کر کے انہیں احمدیت کو قبول کرنے سے باز رکھا جائے ورنہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تو اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم ہی جانتے ہیں اور آپؑ کو جو برکات بھی حاصل ہیں ان کے متعلق آپؑ کو یہ الہام ہوا تھا:۔

كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔ (تذکرہ صفحہ 35 ایڈیشن 2004ء)

ترجمہ:۔ یہ تو تمام برکت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے پس بہت برکت والا ہے جس نے اس بندہ کو تعلیم دی (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اور بہت برکت والا ہے جس نے تعلیم پائی۔ (یعنی مسیح موعودؑ)

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 99)

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

”پس میں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہوسکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو

دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا۔ اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذُرّیتِ شیطان ہے۔ کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے۔ اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافرِ نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اس نبی کے ذریعہ سے پائی۔ اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبیؐ کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں، اِسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتابِ ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے۔ اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔“ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 118-119)

اسی جگہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”یہ عجیب بات ہے کہ دنیا ختم ہونے کو ہے مگر اس کامل نبی کے فیضان کی شعاعیں اب تک ختم نہیں ہوئیں اگر خدا کا کلام قرآن شریف مانع نہ ہوتا تو فقط یہی نبی تھا جس کی نسبت ہم کہہ سکتے تھے کہ وہ اب تک مع جسم عنصری زندہ آسمان پر موجود ہے۔ کیونکہ ہم اس کی زندگی کے صریح آثار پاتے ہیں۔ اس کا دین زندہ ہے۔ اس کی پیروی کرنے والا زندہ ہو جاتا ہے

اور اس کے ذریعہ سے زندہ خدا مل جاتا ہے۔ہم نے دیکھ لیا ہے کہ خدا اس سے اور اس کے دین سے اور اس کے محبّ سے محبت کرتا ہے۔اور یاد رہے کہ درحقیت وہ زندہ ہے اور آسمان پر سب سے اس کا مقام برتر ہے۔لیکن یہ جسم عنصری جو فانی ہے یہ نہیں ہے بلکہ ایک اور نورانی جسم کے ساتھ جو لازوال ہے اپنے خدائے مقتدر کے پاس آسمان پر ہے۔''

(حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 118-119 حاشیہ)

اسی طرح آپؑ اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے نصیحت فرماتے ہیں:۔

''نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو۔اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی۔بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اِسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہء تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک کہ محمدیؐ سلسلہ کے

لئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کے لئے دیا گیا تھا۔'' (کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد19 صفحہ 13-14)

سُرمہ چشم آریہ میں آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفسی نقطہ کو کائنات کے ظہور کی علّتِ غائی قرار دیا ہے۔تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت کے بارہ میں ان حوالہ جات کی موجودگی میں معترضین آپ کی بعض عبارتوں کو غلط معنی دے کر آپ کے خلاف یہ ناجائز پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ آپ یہ بھی فرما چکے ہیں:۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

جن عبارات سے مخالفین غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

اوّل:۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار معجزے ظہور میں آئے۔ (تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد17 صفحہ 153)

دوم:۔ ''اُس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں''۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد22 صفحہ 503)

ان ہر دو عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ مرزا صاحبؑ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو تین ہزار معجزات تسلیم کرتے ہیں اور اپنے تین لاکھ تک قرار دیتے ہیں۔

الجواب:۔ معجزہ اور نشان میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔یعنی ہر معجزہ نشان تو ہوتا ہے مگر ہر نشان معجزہ نہیں کہلا سکتا پس ایک معجزہ کئی نشانوں پر مشتمل ہوسکتا ہے مگر ایک نشان کئی معجزوں پر مشتمل نہیں ہوتا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''ایک جلسہ کرو اور ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سنو۔اور ہمارے گواہوں کی شہادتِ رؤیت جو حلفی شہادت ہوگی قلم بند کرتے جاؤ اور پھر اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں کسی نبی یا ولی کے معجزات کو ان کے مقابل پیش کرو''۔

(نزول المسیح روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 462)

پھر آپؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

''اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں کہ جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے''۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 547)

مندرجہ بالا دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں اپنے معجزات کم قرار دے رہے ہیں۔جس پر''باستثناء ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے''الفاظ دونوں حوالوں میں شاہد ناطق ہیں۔ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

''کسی نبی سے اس قدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ پہلے نبیوں کے معجزات ان کے مرنے کے ساتھ

ہی مر گئے۔مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آرہے ہیں۔اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے‘‘۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 468-469)

نوٹ:۔اس عبارت سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ہزار معجزات کا ذکر تحفہ گولڑویہ میں اُن معجزات سے تعلق رکھتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ظاہر ہوئے۔ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تو ایک دریا رواں ہے جس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔اِس لحاظ سے آپؐ کے معجزات شمار سے باہر ہیں۔

اب رہ گئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات سو آپ ان کے متعلق بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

’’جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہوتا ہے،دراصل وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں‘‘۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 469)

پس افضیلت کا الزام معجزات کی بناء پر سراسر جھوٹا الزام ہے۔تحفہ گولڑویہ میں جن تین ہزار معجزات کا ذکر آیا ہے ان سے مراد صرف وہ معجزات ہیں جو صحابہ کرام کی شہادتوں سے ثابت ہیں۔ملاحظہ ہو تصدیق النبیؐ صفحہ 20۔فرماتے ہیں۔

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں۔کیونکر چھپ سکتے ہیں۔صرف وہ معجزات جو صحابہؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزہ ہے اور پیشگوئیاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ ہوں گی جو اپنے وقتوں پر پوری ہوتی جاتی ہیں‘‘۔

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں معجزات

کے علاوہ ہیں۔ پھر جب ان معجزات اور پیشگوئیوں کی تصدیق کرنے والوں کا شمار کیا جائے تو ہر ایک مصدّق ان پیشگوئیوں اور معجزات کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک نشان ہے۔اور ہمارے زمانہ میں بھی جولوگ آپؐ کے معجزات اور پیشگوئیوں کے مصدق ہیں اور قیامت تک مصدقین پیدا ہوتے چلے جائیں گے وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان ہیں۔پس آپؐ کے نشانوں کی تو کوئی حد بسط ہی نہیں ہوسکتی۔وہ تو شمار سے باہر ہیں۔خود قرآن کریم ہی ایک ایسا معجزہ ہے جس کو کروڑوں آدمی قبول کر کے اس کی صداقت کی گواہی دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے ثبوت میں درحقیقت گواہ ہیں اور وہ کروڑوں انسان نشانوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔اسی طرح مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر جو نشان ظاہر ہورہے ہیں یہ بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی افاضہ ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’یہ سہولتِ کامل (نشرواشاعت کی) پہلے کسی نبی یا رسول کو ہرگز نہیں ہوئی۔مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے باہر ہیں۔کیونکہ جو کچھ مجھے دیا گیا وہ انہیں کا ہے‘‘۔ (نزول المسیح۔روحانی خزائن جلد18 صفحہ 401 حاشیہ)

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

’’کراماتِ اولیاء سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں‘‘۔

(کشف المحجوب مترجم اردو۔باب 14۔فرق معجزات وکرامات صفحہ 257 شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز علمی پریس)

دو گرہن:

معترض کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک نشان گرہن کا ظاہر ہوا تھا۔اور میرے لئے دو نشان گرہن کے ظاہر ہوئے۔چنانچہ ان کا شعر ہے:۔

لَہٗ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ وَ اِنَّ لِیْ
غَسَا الْقَمَرَانِ الْمُشْرِقَانِ اَتُنْکِرُ

اس شعر سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دیتے ہیں سراسر نادانی ہے۔ کیونکہ مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جو چاند اور سورج کو گرہن لگا۔ یہ اگرچہ امام مہدی کے ظہور کی تصدیق کے لئے لگا۔ مگر دراصل یہ دونوں گرہن حدیث دارقطنی کی ایک پیشگوئی کی بناء پر ہیں۔

پس وہ پیشگوئی جو عظیم الشان دو نشانوں پر مشتمل تھی۔ اس کا ظہور گو امام مہدی کے دعویٰ کی صداقت کی دلیل ہے مگر ساتھ ہی یہ دونوں گرہن درحقیقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے بھی بیّن نشان ہیں اس طرح حضرت امام مہدی کی صداقت کے لئے دو آسمانی نشان ظاہر ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر تین آسمانی نشان گواہ ہو گئے۔ اب بتاؤ پلّہ کدھر بھاری رہا؟

نوٹ:۔ یاد رہے کہ **خسف** کا لفظ خسوف یعنی گرہن کے معنوں میں بھی آتا ہے اور کسی کُرّے کی زمین کے پھٹ کر دھنس جانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے **خسف القمر** کے نشان سے مراد شق القمر کے معجزہ کا ظہور ہے۔ قرآن مجید میں کُرّہ ارضی کے متعلق آیا ہے کہ فرعون کے زمانہ میں قارون کا گھر خسفِ ارض سے زمین میں دھنس گیا۔ جیسا کہ فرماتا ہے:۔

فَخَسَفْنَا بِہٖ وَبِدَارِہِ الْاَرْضَ۔ (القمر: 81)

اس سلسلہ میں مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اپنی کتاب ''قادیانیت'' میں بحوالہ خطبہ الہامیہ یہ بیان کیا ہے کہ مرزا صاحبؑ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں تھیں۔ بعثتِ اوّل آدمؑ سے پانچویں ہزار میں ہوئی اور دوسری بعثت مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں ہوئی اور ایک

عبارت کی بناء پر یہ خیال آپ کی طرف منسوب کیا ہے کہ کمالاتِ نبوت اور کمالات روحانیت نے زمانہ کے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے اور ان کا ظہور ان کی ذات میں ہوا ہے۔

جس عبارت سے وہ یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے:۔

اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقی کا منتہیٰ نہ تھا۔ بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا قدم تھا۔ پھر اسی روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلّی فرمائی۔ جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں احسن الخالقین خدا کے اذن سے پیدا ہوا اور خیر الرسلؐ کی روحانیت نے اپنے ظہور کے کمال کے لئے اور اپنے نور کے غلبہ کے لئے ایک مظہر اختیار کیا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کتاب مبین میں وعدہ فرمایا ہے۔ پس میں وہی مظہر ہوں اور وہی نورِ معہود ہوں۔

اس عبارت کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ مسیح موعودؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے کامل ظہور کے لئے اور آپؐ کے نور کے دنیا میں غالب کرنے کے لئے ایک مظہر کی حیثیت دی ہے۔ یعنی یہ ظاہر کیا ہے کہ آپؐ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے اہل کا دنیا پر کامل ظہور ہوگا اور آپؐ کے نور کا انتشار غالب آئے گا۔ یہ روحانیت دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان ہوئی ہے۔ اور مسیح موعودؑ کو اس روحانیت اور نورانیت کے انتشار کے لئے بطور مظہر ایک درمیانی واسطہ کی حیثیت دی گئی ہے۔ پس روحانیت اور نور تو اصل کا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کامل روحانیت اور نور کے انتشار کے لئے محض ایک آلے اور خادم کی حیثیت رکھتے

ہیں۔کیونکہ ظل اپنے اصل سے کمالات میں بڑھ نہیں سکتا اور مقامِ ظلّیت میں اسے جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ اپنے اصل سے مستفاض و مکتسب ہوتا ہے۔خطبہ الہامیہ کا یہ مضمون سورۃ صف کی آیت سے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ اور آیت لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ پہلی آیت میں نورِ نبوی یعنی روحانیت کے انتشار کا اتمام مقصود ہے اور دوسری میں نورِ ہدایت کے ادیان پر غلبہ کا ذکر ہے جو مفسرین کے بیان کے مطابق مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہونے والا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہے۔حضرت مسیح موعودؑ اشتہار ایک غلطی کے ازالہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''مورد بروز حکم نفی وجود کا رکھتا ہے۔''

یعنی کمالات کے ظہور میں موردِ بروز کی ذات منفی ہوتی ہے اور معدومِ محض ہوتی ہے۔کیونکہ وہ فانی فی الاصل ہوکر اپنے اصل کے کمالات کے ظہور کے لئے آئینہ بن جاتا ہے۔اس کے کمالات ذاتی نہیں ہوتے بلکہ اس سے جو کمالات ظاہر ہوتے ہیں ان کا مرجع حقیقت میں اصل ہی ہوتا ہے جس کا وہ موردِ بروز بروز ہوتا ہے۔پس مورد بروز زیادہ سے زیادہ آئینے کی طرح اصل کے کمالات ظاہر کرنے کے لئے ایک آلے کی حیثیت رکھتا ہے اور کمالات کے ظہور میں اس کا وجود منفی سمجھا جانا چاہیے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغۃ جلد اوّل کے باب'' حقیقۃ النبوۃ و خواصھا ''میں بھی تسلیم کی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

''وَاَعْظَمُ الْاَنْبِيَاءِ شَانًا مَنْ لَهٗ نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الْبَعْثِ اَيْضًا وَذٰلِكَ اَنْ يَّكُوْنَ مُرَادُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْهِ سَبَبًا لِخُرُوْجِ النَّاسِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاَنْ يَّكُوْنَ قَوْمُهٗ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ فَيَكُوْنُ بَعْثُهٗ يَتَنَاوَلُ بَعْثًا آخَرَ ''۔

ترجمہ:۔شان میں سب سے بڑا نبی وہ ہے جس کی ایک دوسری قسم کی بعثت بھی ہو۔اور وہ اس طرح ہے کہ مراد اللہ تعالیٰ کی دوسری بعثت میں یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لانے کا سبب ہو۔اور اس کی قوم خیرِ اُمت ہو جو تمام لوگوں کے لئے نکالی گئی ہو۔لہٰذا اس نبی کی پہلی بعثت دوسری بعثت کو بھی لئے ہوئے ہوگی۔''

اور اُمت سے جو کمالات ظاہر ہوتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ ہی کا مقصود ہیں۔گویا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی روحانیت کا انتشار ہوتا ہے اور مسیح موعودؑ کی شان میں وہ فرماتے ہیں۔

''یَزْعَمُ الْعَامَّةُ اَنَّهٗ اِذَا نَزَلَ فِی الْاَرْضِ کَانَ وَاحِدًا مِنَ الْاُمَّةِ کَلَّا بَلْ هُوَ شَرْحٌ لِلْاِسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِیِّ وَنُسْخَةٌ مُنْتَسِخَةٌ مِّنْهُ فَشَتَّانَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اَحَدٍ مِّنَ الْاُمَّةِ''

(الخیر الکثیر صفحہ 72 مطبوعہ بجنور مدینہ پریس)

ترجمہ:۔ عوام کا خیال ہے کہ مسیح جب زمین کی طرف نازل ہوگا تو وہ صرف ایک امتی ہوگا۔ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اسمِ جامع محمدیؐ کی پوری تشریح ہوگا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل ظلّ اور بروز ہوگا) اور آپ ہی کا دوسرا نسخہ ہوگا۔جو آپ کے فیض سے مکتسب ہوگا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بعثتِ ثانیہ ہوگا۔

پھر آپ اسی جگہ فرماتے ہیں:۔

''حقٌّ لَّهٗ اَنْ یَّنْعَکِسَ فِیْهِ اَنْوَارُ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ''۔

کہ مسیح موعود کا حق ہوگا کہ اس میں سید المرسلینؐ کے انوار منعکس ہوں۔

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک مسیح موعود کی حیثیت آئینہ کی طرح ہے

جس کے کمالات ذاتی نہیں ہوں گے بلکہ انعکاسی ہوں گے۔ اوران کمالات کا مرجع دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے۔ سورج کا انعکاس کرنے والے آلات کو سورج کے مخالف یا اس سے افضل قرار دینا نادانی ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع کمالاتِ انبیاء تھے۔ اور مسیح موعودؑ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بیان کے مطابق ان کے اسم جامع محمدیؐ کی پوری شرح ہے۔ اس لئے اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے:۔

آنچہ داد است ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا بتمام
انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بعرفاں نہ کمتر زکسے
آدم نیز احمدِ مختار
در برم جامہءِ ہمہ ابرار

اس کے باوجود وہ یہ فرماتے ہیں:۔

لیک آئینہ ام زِ ربِّ غنی
از پئے صورتِ مہِ مدنی

کہ میں رب غنی کی طرف سے ماہِ مدنی کے سامنے ایک آئینہ کی حیثیت رکھتا ہوں۔

افسوس ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اپنی کتاب قادیانیت میں اس شعر کو عمداً چھپایا ہے۔ پس انعکاسی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ ہونے کی وجہ سے مسیح موعودؑ کا حق تھا کہ وہ کہتا

زندہ شد ہر نبی بآمدنم
ہر رسولے نہاں بپیراہنم

اور اسے حق تھا کہ یہ اعلان کرتا:۔

روضہء آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک
میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

کیونکہ مسیح موعود کی آمد اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مقدر تھی اور یہ نشاۃ اس غایت درجہ کو پہنچنے والی ہے کہ تمام ملتیں ہلاک ہو جائیں اور اسلام دنیا میں غالب آجائے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''یُھْلِکُ اللّٰہُ فِی زَمَانِہِ الْمِلَلَ کُلَّھَا اِلَّا الْاِسْلَام''

کہ اللہ تعالیٰ اس کے زمانے میں سب ملتوں کو بجُز اسلام کے ہلاک کردے گا۔

دلائل کے ساتھ تو ملل باطلہ کی ہلاکت ہو چکی حسبِ آیت:۔

لِیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ ۔ (الانفال:43)

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور نور کے انتشار کے ذریعہ جو مسیح موعودؑ کی جماعت کے ہاتھوں اکنافِ عالم میں ہو رہے انشاء اللہ اسلام ظاہری طور پر بھی غالب آجائے گا اور روضہء آدم کی تکمیل ہو جائے گی۔

اس جگہ ایک لطیف نکتے کا یاد رکھنا ضروری ہے۔خطبہ الہامیہ کے اقتباس میں یہ لکھا ہے کہ پانچویں ہزار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجمالی صفات کے ساتھ ظہور ہوا۔اور اس کی تکمیل اور تجلی چھٹے ہزار میں علیٰ وجہ الکمال مقدر تھی۔جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ تکمیل اجمالی کمالات کے کامل انتشار اور تجلیات کے لحاظ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا اجمالی علم حاصل ہے لیکن واقعات کے ظہور پر اس اجمال کی تفصیل ہو جاتی ہے۔پس اس تکمیل نور اور روحانیت کا مرجع خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ مرزا غلام احمدؑ کا وجود۔

مرزا غلام احمدؑ مسیح موعود ہو کر صرف ان اجمالی کمالات آنحضرتؐ کی تجلیات سے متجلی ہو کر جو آنحضرتؐ کے وجود میں کمالِ تام حاصل کر چکی ہیں بمنزلہ آلہ کے ہیں۔اس میں کیا شک ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقیاتِ روحانیہ غیر محدود ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لازوال ، غیر محدود اور ابدی ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ سے آنحضرتؐ پر فیوضِ الٰہیہ کا نزول بھی لازوال اور ابدی ہے اور آپؐ اپنی شان میں ہر آن بڑھ رہے ہیں۔ اگر آپ نے ایک مقام پر منجمد ہو کر رہ جانا ہوتا۔ تو پھر درود شریف کی اُمت کو تلقین کیوں کی جاتی کہ اے اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی خاص رحمتیں نازل کرتا رہ اور آپؐ کو سلامتی پر سلامتی عطا کرتا جا۔ اگر دینا دلانا کچھ نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے درود شریف کا سکھانا ایک عبث فعل ہوتا۔ پس سچی بات یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات میں ہر آن ترقی کر رہے ہیں۔ اور اس ترقی کی کوئی انتہاء نہیں۔ بلکہ ہر آنے والے زمانہ میں خدا تعالیٰ سے فیوض حاصل کرنے کی وجہ سے آپؐ کی روحانیت ہمیشہ ترقی پاتی رہے گی۔ اور اس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اولیاء امت نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ حقیقت محمدیہ ترقی پذیر رہے گی۔ چنانچہ مجدّد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

”فقیر در رسالہ مبدء و معاد نوشتہ است کہ حقیقت محمدیؐ از مقامِ خود عروج نمودہ بمقام حقیقتِ کعبہ کہ فوق اوست رسیدہ ممتد گردد و حقیقتِ محمدیؐ حقیقتِ احمدی نام یابد۔ آں حقیقتِ کعبہ ظل از اظلال ایں حقیقت بودہ“۔

(مکتوبات امام ربانی)

ترجمہ:۔ فقیر نے اپنے رسالہ مبدء و معاد میں لکھا ہے کہ حقیقتِ محمدیؐ اپنے مقام سے حقیقتِ کعبہ کے مقام کی طرف عروج اختیار کر کے پہنچے گی جو اس سے بالا ہے۔ اور اُس وقت حقیقتِ محمدی کا نام حقیقتِ احمدی ہوگا۔ اور حقیقتِ کعبہ حقیقتِ محمدیؐ کے اظلال میں سے ایک ہے۔

اور یہ امر امام مہدی کے لئے تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہوگا۔ چنانچہ ابن سیرین فرماتے ہیں:۔

"قَالَ یَکُوْنُ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ خَلِیْفَۃٌ خَیْرٌ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ. قِیْلَ خَیْرٌ مِنْھُمَاقَالَ قَدْکَادَ یَفْضُلُ عَلٰی بَعْضِ الْاَنْبِیَاءِ"

(حجج الکرامة صفحه 386)

ترجمہ:۔ "کہا کہ اس امت میں ایک خلیفہ ہوگا جو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے بہتر ہوگا۔ کہا گیا کیا ان دونوں سے بہتر ہوگا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ قریب ہے کہ وہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہو۔"

اور امام مہدی کے متعلق شرح فصوص الحکم میں لکھا ہے:۔

"اَلْمَھْدِیُّ الَّذِیْ یَجِیْءُ فِیْ آخِرِالزَّمَانِ فَاِنَّہٗ یَکُوْنُ فِی الْاَحْکَامِ الشَّرِیْعَۃِ تَابِعًا لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِی الْمَعَارِفِ وَالْعُلُوْمِ وَالْحَقِیْقَۃِ تَکُوْنُ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ تَابِعِیْنَ لَہٗ کُلُّھُمْ وَلَایُنَاقِضُ مَاذَکَرْنَاہُ لِاَنَّ بَاطِنَہٗ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَام"　(شرح فصوص الحکم مصری صفحه 35)

ترجمہ:۔ آخری زمانہ میں جو الامام المھدی آئے گا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے احکام کا تابع ہوگا۔ اور معارف و علوم اور حقیقت میں تمام انبیاء اور اولیاء اس کے تابع ہوں گے۔ اور یہ بات ہمارے مذکورہ بیان کے نقیض نہیں۔ کیونکہ امام مہدی کا باطن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی باطن ہوگا۔

بعض لوگ قاضی اکمل صاحب کا شعر پیش کرتے ہیں:۔

محمدؐ پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

کیونکہ اس شعر سے فی الواقعہ غلط فہمی ہوسکتی ہے۔اس لئے میں نے یہ شعرحضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اگست 1934ء میں پیش کیا۔اور نیز ڈاکٹر شاہ نواز صاحب کی ایک عبارت بھی پیش کی جو میرے نزدیک قابلِ اعتراض تھی۔اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس شعر کی نسبت تحریر فرمایا:۔

''ایسے لفظ پھر بھی ناپسندیدہ اور بےادبی کے ہیں''۔

اور ڈاکٹر صاحب کے الفاظ کو بھی حضورؓ نے ''ناپسندیدہ اور نامناسب'' قرار دیا۔ (دیکھو الفضل 19/اگست 1934ء صفحہ 5 کالم نمبر 1-2)

پھر میں نے قاضی اکمل سے اس شعر کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میری مراد یہ ہے کہ مسیح موعود باقی مجددین امت سے بڑھ کر ہیں اور یہ ہر ایک مجدد اپنے زمانہ میں بروزِ محمدؐ تھا۔

گالیوں کا الزام

اعتراض:۔ مرزا صاحب نے اپنے مخالفوں کو گالیاں دیں۔چنانچہ آئینہ کمالات اسلام میں لکھا ہے:۔

''كُلُّ مُسْلِمٍ...... يَقْبلُنِیْ وَيُصَدِّقُ دَعْوَتِیْ اِلَّا ذُرِّيَّةَالْبَغَايَا''

نیز لکھا ہے:۔

اِنَّ الْعِدَا صَارُوْا خَنَازِيْرَ الْفَلَا
وَنِسَائُهُمْ مِنْ دُوْنِهِنَّ الْاَ كْلَبُ

(نجم الھدیٰ)

پہلی عبارت میں مخالفین کو ذریة البغایا یعنی کنجریوں کی اولاد کہا ہے۔
اور دوسری عبارت میں اپنے مخالفین کو سؤرا اور ان کی عورتوں کو کتیوں سے بدتر کہا ہے؟

الجواب:۔(الف) آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 547-548 کی عبارت میں دراصل ایک پیشگوئی ہے۔ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ''سارے مسلمان مجھے قبول کرلیں گے۔سوائے ذریة البغایا کے''۔جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ ''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّاعَلٰی اَشْرَارِالنَّاسِ ''۔یعنی قیامت صرف شریرلوگوں پر ہی قائم ہوگی۔گویا نیک لوگ اس سے پہلے اُٹھالیے جائیں گے۔جب آپؑ نے یہ فقرہ لکھا۔اس وقت بہت تھوڑے مسلمانوں نے آپ کوقبول کیا تھا۔اور یہ امراس بات پر قرینہء حالیہ ہے کہ اس فقرہ کا تعلق کسی آئندہ زمانہ سے ہے جب کہ ایسا کوئی مسلمان نہ رہے گا جس نے آپ کوقبول نہ کیا ہو۔اور آپ کا مصدّق نہ ہو۔وہ وقت آتا ہے کہ جب آپؑ کا غیر مصدق کوئی مسلمان نہیں ہوگا۔بلکہ غیر مسلموں میں سے جولوگ سرکش طبیعت کے مالک ہیں وہی آپؑ کے مکذب ہوں گے۔پس الاّ کا استثناء اس جگہ بطور استثناء منقطع کے ہے۔یعنی یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ ذریة البغایا وہ غیر مسلم ہوں گے جنہوں نے آپ کوقبول نہیں کیا ہوگا نہ کہ مسلمان۔ پس اس عبارت کوخواہ مخواہ اس زمانہ کے مسلمانوں کے متعلق سمجھنا جنہوں نے آپ کوقبول نہیں کیا قرینہء حالیہ کے خلاف ہے۔کیونکہ عبارت میں ''کُلُّ مُسلِمٍ '' کا لفظ بتاتا ہے کہ کوئی مسلمان ایسانہیں رہے گا۔جس نے آپ کوقبول نہ کیا ہو۔ اِلَّا کے استثناء منقطع ہونے کی مثال قرآن مجید میں بھی موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ''۔کہ تمام ملائکہ نے آدمؑ کی خاطر سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔اس جگہ اِلَّا کا لفظ استثناء منقطع کے لئے ہے۔

کیونکہ ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا اس کے متعلق دوسری جگہ صاف لکھا ہے:۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ۔ (الکھف: 51)

کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ پس اُس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

''ذُرِّيّة البغايا'' کا لفظ اس فقرہ میں اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور قرینہء لفظیہ اس پر اگلا فقرہ ''اَلَّذِيْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ '' ہے کہ ذرية البغايا سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر مُہر لگ چکی ہو۔ اور قرینہء حالیہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ منکرِ مامورین کا نسب ضرور گندا ہو۔

پس اس جگہ روحانی طور پر ذُرِّيّة البغايا مراد ہیں نہ کہ جسمانی طور پر۔ اور روحانی طور پر ذُرِّيّة البغايا سے مراد ایسے سرکش لوگ ہوتے ہیں جن کا ایمان نہ لانا مقدر ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے ایک مخالف کو مخاطب کرتے ہوئے نظم میں کہا:۔

اٰذَيْتَنِىْ خُبْثًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ
اِنْ لَمْ تَمُتْ بِالْخِزْىِ يَابْنَ بِغَاءِ

اور خود اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں (انجام آتھم میں اس شعر کا ترجمہ مولوی عبدالکریمؓ صاحب نے لفظی کر دیا ہے۔ مگر مراد وہی ہوسکتا ہے جو ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود کیا ہے:۔

''خباثت سے تو نے مجھے ایذاء دی ہے۔ پس اگر تُو اب رسوائی سے ہلاک نہ ہوا تو میں اپنے دعویٰ میں سچا نہ ٹھہروں گا۔ اے سرکش انسان''۔

(الحکم جلد 11 نمبر 7 مورخہ 24 رفروری 1907ء صفحہ 12 کالم نمبر 2)

جس طرح ابن بغایا سے مراد کنجری کا بیٹا نہیں اسی طرح ذرِیّة البغایا سے

مراد کنجریوں کی اولاد نہیں کیونکہ محلّ مجازی استعمال کا ہے۔ جیسے حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:۔

”مَنْ شَهِدَ عَلَيْهَا بِالزِّنَاءِ فَهُوَ وَلَدُالزِّنَاءِ“

(کتاب الوصیّت مطبوعہ حیدر آباد صفحہ 39)

کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائے وہ ولد الزنا یعنی حرام زادہ ہے۔

اس جگہ یہ الفاظ بھی بطور مجاز کے ہیں یعنی وہ شخص روحانیت سے محروم ہے۔ فرزندِ اسلام نہیں۔

ذریّة البغایا کے الفاظ انہیں معنوں میں حضرت امام ابوجعفر علیہ السلام نے استعمال فرمائے ہیں۔ چنانچہ ابوحمزہ سے مروی ہے:۔

”عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهٗ اِنَّ بَعْضَ اَصْحَابِنَا يَفْتَرُوْنَ وَيَقْذِفُوْنَ مَنْ خَالَفَهُمْ فَقَالَ اَلْكَفُّ عَنْهُمْ اَجْمَلُ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ يَااَبَا حَمْزَةَ! اِنَّ النَّاسَ كُلُّهُمْ اَوْلَادُ بَغَايَا مَا خَلَا شِيْعَتِنَا“

(فروع کافی جلد 3 کتاب الروضة صفحہ 135 مطبوعہ نول کشور)

ابوحمزہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت باقر علیہ السلام سے کہا کہ بعض لوگ اپنے مخالفین پر افتراء باندھتے اور بہتان لگاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا اچھا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے ابوحمزہ! خدا کی قسم ہمارے گروہ کے سوا باقی تمام لوگ اولادِ بغایا ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دشمنانِ اہلِ بیت سرکش ہیں۔

اخبار مجاہد لاہور 3/مارچ 1936ء میں لکھا گیا تھا کہ:۔

”ولد البغایا، ابن الحرام اور ولد الحرام، ابن الحلال، بنتُ الحلال

وغیرہ۔ یہ سب عرب کا اور ساری دنیا کا محاورہ ہے جو شخص نیکوکاری کو ترک کر کے بدکاری کی طرف جاتا ہے اس کو باوجودیکہ اس کا حسب ونسب درست ہو۔ صرف اعمال کی وجہ سے ابن الحرام ولدالحرام کہتے ہیں۔ اس کے خلاف جو نیک کار ہوتے ہیں۔ ان کو ابن حلال کہتے ہیں۔ اندریں حالات امام علیہ السلام کا اپنے مخالفین کو اولادِ بغایا کہنا بجا اور درست ہے''

پس آئینہ کمالاتِ اسلام کی عبارت میں **ذرية البغايا** سے مراد ہدایت سے دور یا سرکش انسان ہی ہیں نہ کہ حقیقت میں کنجریوں کی اولاد۔ عربی زبان میں **بغيه** **رشد** کی نقیض ہے ملاحظہ ہو لسان العرب۔ بَغِیٌّ کے معنی لونڈی کے بھی ہیں فاجرہ ہو یا نہ۔

(ب) **نجم الهدىٰ** کے شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدِّ نظر مسلمان مخالفین نہیں بلکہ مراد اعداءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

''بے شک دشمن (نہ کہ مخالفین) جنگل کے سؤر بن گئے اور اُن کی عورتیں ایسی ہیں کہ کُتیاں بھی اُن سے کم تر''۔

اگلا شعر اس پر قرینہ ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

سَبُّوْا وَ مَا اَدْرِیْ لِاَیِّ جَرِیْمَةٍ
سَبُّوْا أَنَعْصِى الْحِبَّ اَوْ نَتَجَنَّبُ

کہ اُنہوں نے گالیاں دی ہیں (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) اور میں نہیں جانتا کہ آپؐ کے کس جرم کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ انہوں نے گالیاں تو دی ہیں تو کیا ہم اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نافرمان ہو جائیں گے۔ یعنی ان کے اعتراضوں اور گالیوں سے ایسا ہونا محال ہے کہ ہم ان کی گالیوں کی وجہ سے کنارہ کش ہو جائیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان شعروں میں وہ لوگ مُراد نہیں جو مسلمانوں میں سے آپ کے مخالف ہیں بلکہ وہ غیر مسلم مرد اور عورتیں مراد ہیں۔ جو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔جنگل کے سؤر اور کتیوں سے کم تر کے الفاظ ضرور ایسے لوگوں کے مناسب حال ہیں جو سیدالانبیاءفخر المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں۔کیونکہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دے سکتے۔

قرآنِ کریم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر یہودیوں کو بندر اور سؤر۔شیطان کے پرستار اور **شر البریّۃ** تک قرار دیا ہے یعنی تمام مخلوق میں سے بدتر یعنی کتوں اور سؤروں اور کیڑوں اور مکوڑوں سے بدتر اور پھر انہیں **کَمثَل الْحمار** بھی کہا ہے۔ان کے متعلق یہ بھی لکھا ہے:۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ؕ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا۔ (المائدۃ:61)

نیز فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ۔ (البیّنۃ:7)

کہ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے اہل کتاب اور مشرکوں میں سے وہ رہتے چلے جائیں گے جہنم کی آگ میں۔وہی لوگ بدترین خلائق ہیں۔

اور یہود کی شان میں کہا ہے مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔

(الجمعۃ:6)

کہ جن لوگوں پر تورات کی اطاعت واجب کی گئی مگر باوجود اس کے انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ان کی مثال گدھے کی ہے جس نے بہت ساری کتابیں اٹھائی ہوئی ہیں۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ سخت الفاظ کا اپنے محل پر استعمال عندالشرع جائز ہے۔ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ ۔ (النساء:149) آیت سے ظاہر ہے کہ مظلوم جواب میں اعلانیہ سخت الفاظ استعمال کرسکتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ سخت الفاظ اپنے محل پر بعض خاص مصالح کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تحریر فرماتے ہیں:۔

سخت الفاظ استعمال کرنے کی وجہ

"مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میرے الفاظ میں سختی استعمال میں آئی تھی۔ لیکن وہ ابتدائی طور پر سختی نہیں ہے بلکہ وہ تمام تحریریں نہایت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ مخالفوں کے الفاظ ایسے سخت اور دُشنام دہی کے رنگ میں تھے جن کے مقابل پر کسی قدر سختی مصلحت تھی۔ اس کا ثبوت اس مقابلہ سے ہوتا ہے۔ جو میں نے اپنی کتابوں اور مخالفوں کی کتابوں کے سخت الفاظ اکٹھے کر کے کتاب مسل مقدمہ مطبوعہ کے ساتھ شامل کیے ہیں۔ جس کا نام میں نے کتاب البریہ رکھا ہے۔ بایں ہمہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ میرے سخت الفاظ جوابی طور پر ہیں۔ ابتدا سختی کی مخالفوں کی طرف سے ہے اور میں مخالفوں کے سخت الفاظ پر بھی صبر کرسکتا تھا لیکن دو مصلحت کے سبب سے میں نے جواب دینا مناسب سمجھا تھا۔

اول یہ کہ تا مخالف لوگ اپنے سخت الفاظ کا سختی میں جواب پا کر اپنی روش بدلا لیں اور آئندہ تہذیب سے گفتگو کریں۔

دوم یہ کہ تا مخالفوں کی نہایت ہتک آمیز اور غصہ دلانے والی تحریروں سے عام مسلمان جوش میں نہ آئیں اور سخت الفاظ کے جواب بھی کسی قدر سخت

پا کر اپنی پُر جوش طبیعتوں کو اس طرح سمجھا لیں کہ اگر اس طرف سے سخت الفاظ استعمال ہوئے تو ہماری طرف سے بھی کسی قدر سختی سے جواب ان کو مل گیا''۔ (کتاب البریہ۔روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 11)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریروں میں جو سخت استعمال کئے ہیں۔وہ مظلومانہ حالت میں کئے ہیں اور وہ بھی انتہائی صبر کے بعد اور اس رنگ میں انتقام لینا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا۔برائی کا بدلہ اس کے مثل دیا جا سکتا ہے۔جب کہ مصلحت کا تقاضا بدلہ دینے کا ہو۔ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ ھَتْکِ الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِیْنَ وَقَدْحِ الشُّرَفَاءِ الْمُھَذِّبِیْنَ سَوَآءً کَانُوْا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَوِالْمَسِیْحِیِّیْنَ اَوِالْآرِیَّۃِ''
(لُجَّة النور ۔روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 409)

ترجمہ:۔ہم صالح علماء کی ہتک سے اور مہذّب شرفاء کی شان گرانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔خواہ مسلمانوں میں سے ہوں یا آریوں میں سے۔

نیز فرماتے ہیں:۔

''لَیْسَ کَلَا مُنَاھٰذَا فِیْ أَخْیَارِھِمْ بَلْ فِیْ اَشْرَارِھِمْ''۔
(الھدیٰ و التبصرۃ لمن یریٰ. روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 3)

ترجمہ:۔ ہمارا یہ کلام ان کے بھلوں کے متعلق نہیں بلکہ ان کے شریروں کے متعلق ہے۔

جہاد کی منسوخی، انگریزوں کی خوشامد

اور

ان کی طرف سے کھڑا کئے جانے کا الزام

الجواب:

1- اس الزام کے جواب میں واضح ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاد کو جو قرآن میں مسلمانوں کے لئے فرض قرار دیا گیا ہے، ہرگز منسوخ نہیں کیا۔ جہاد کا مادہ جُہد بمعنی کوشش کرنا ہے۔ اور دین کی راہ میں ہر وہ کوشش جو کی جائے یہ مجاہدہ **جہاد فی سبیل اللّٰہ** ہی ہے۔ کیونکہ جہاد مکہ میں فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۔(الفرقان:55) کے ذریعہ ان معنوں میں فرض ہو چکا تھا کہ قرآن کی اشاعت کرو۔ جہاد بمعنی قتال (جنگ)۔ مدینہ منورہ میں آیت جہاد فی سبیل اللہ کو صرف قتال یعنی جنگ میں محدود قرار دینا ازروئے قرآن مجید درست نہیں۔ کیونکہ قتال مدینہ میں جا کر فرض ہوا تھا جبکہ یہ آیت نازل ہوئی:۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (الحج:40)

مدافعت کے لئے فرض ہوا اور صاف طور پر ہدایت کی گئی

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔ (البقرۃ:190)

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اور زیادتی نہ کرو اور یاد رکھو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں سے ہرگز محبت نہیں رکھتا۔"

آیت 193 میں فرمایا:۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔(البقرۃ:193)

کہ اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کی رُو سے مسلمان جنگ میں ابتداء نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ امر زیادتی کا ہوگا اور زیادتی سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ جنگ کی صورت میں یہ بھی ہدایت ہے کہ:۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ۔ (الانفال:62)

اے نبی! اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔ تو تُو بھی صلح کی طرف مائل ہو جا۔

اور سورۃ ممتحنہ میں فرمایا:۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔ (الممتحنة: 9)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے نیکی کرنے اور عدل کا معاملہ کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دینی اختلاف کی وجہ سے نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو دینی اختلاف کی وجہ سے تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

پس قتال جو جہاد فی سبیل اللہ کی ایک قسم ہے اس کی اجازت اضطراری حالت میں دین کی مدافعت کی خاطر دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو دینی لڑائی میں ابتدا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

جہاد کی ایک تیسری قسم **جہاد بالنفس** ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ سے واپس آئے تو آپؐ نے فرمایا:۔

''رَجَعْنَامِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِاِلَى الْجِهَادِالْاَكْبَرِ ۔''

(تفسیر الرازی،سورۃ الحج آیت78)

کہ ہم نے چھوٹے جہاد سے جہادِ اکبر(بڑے جہاد) کی طرف رجوع کیا۔

یعنی غزوات میں فی سبیل اللہ قتل ہونا یہ چھوٹا جہاد سمجھا گیا۔اور اپنی نفسانی خواہشوں کا توڑنا بڑا جہاد قرار پایا:۔

''قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْجِهَادُالْاَكْبَرُ قَالَ اَلَا وَهِيَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ''۔

یعنی پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! جہادِ اکبر کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ نفس پر قہر کرنا ہے۔

(کشف المحجوب مترجم اردو شائع کردہ شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین 1322ھ صفحہ 221)

اس قسم میں اصلاحِ نفس کے علاوہ دین کے کاموں کے لئے زندگی وقف کرنا بھی داخل ہے۔

مولوی ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:۔

''جہاد کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنے صرف لڑنے کے ہیں......حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدّس حکم کی عملی وسعت کو بالکل محدود کر دینا ہے۔جہاد کے معنے کمال درجہ کی کوشش کرنے کے ہیں۔قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس کمالِ درجہ سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔یہ سعی زبان سے بھی ہے۔مال سے بھی

ہے۔انفاق وقت وعمر سے بھی ہے محنت وتکالیف برداشت کرنے سے بھی ہےاور دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور اپنا خون بہانے سے بھی ہے۔جس سعی کی ضرورت ہو اور جو سعی جس کے امکان میں ہو اس پر فرض ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں لغت وشرع دونوں اعتبار سے داخل۔ یہ بات نہیں کہ جہاد سے مقصود مجرّد لڑائی ہی ہو......سورۃ فرقان میں ہے ۔فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا۔ ''یعنی کفار کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا جہاد کرو''۔سورۃ فرقان بالاتفاق مکی ہے اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔پس غور کرنا چاہئے کہ مکی زندگی میں کون سا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جارہا ہے۔جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا۔یقیناً وہ حق کی استقامت اوراس کی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدّتیں جھیل لینے کا جہاد تھا''۔

(مسئلہ خلافت وجزیرۂ عرب صفحہ 147-148 شائع کردہ سویرا آرٹ پریس لاہور)

مولوی سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:۔

''جہاد کے معنے عموماً قتال اورلڑائی کے سمجھے جاتے ہیں۔مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے......اس کے معنے محنت اورکوشش کے ہیں۔اسی کے قریب قریب اسی کے اصطلاحی معنے بھی ہیں یعنی حق کی بلندی اوراس کی اشاعت اورحفاظت کے لئے ہر قسم کی جدوجہد۔قربانی اور ایثار گوارا کرنا۔اوران تمام جسمانی ومالی ودماغی قوتوں کو جواللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں اس کی راہ میں صرف کرنا۔یہاں تک کہ اس کے لئے اپنی،اپنے عزیز وقریب کی،اہل وعیال کی ،خاندان وقوم کی، جان تک کو قربان کردینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا ان کے

حملوں کو روکنا اور اس کے لئے جنگ کے میدان میں اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کے لئے بھی پوری طرح تیار رہنا یہی جہاد ہے۔اور یہ اسلام کا ایک رکن اور بہت بڑی عبادت ہے۔

افسوس ہے کہ مخالفوں نے اتنے اہم اور اتنے ضروری اور اتنے وسیع مفہوم کو، جس کے بغیر دنیا میں کوئی تحریک نہ کبھی سرسبز ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔صرف ''دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ'' کے تنگ میدان میں محصور کر دیا...... یہاں ایک شبہ کا ازالہ کرنا ضروری ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد اور قتال دونوں ہم معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ...... بلکہ ان دونوں میں عام وخاص کی نسبت ہے یعنی ہر جہاد قتال نہیں ہے بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قتال اور دشمنوں سے لڑنا بھی ہے''۔

(سیرت النبیؐ جلد پنجم صفحہ 210-211 زیر عنوان ''جہاد'')

مفسرین نے جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا کی آیت میں جہاد بالقرآن بھی مراد لیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

''كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ'' اَلْجِهَادُ الْاَفْضَلُ

(نسائی کتاب البیعت باب فضل من تکلم بالحق عندامام جائر)

یعنی سچی بات ظالم حاکم کے سامنے کہنا جہادِ اکبر ہے۔

2- کسی ملک میں بطور رعیّت رہتے ہوئے اس حکومت کے خلاف اسلام بغاوت کی اجازت نہیں دیتا۔کیونکہ ''اَلْبَغْىُ بِغَيْرِ الْحَقِّ'' کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔البتہ اگر وہ حکومت جس کی رعایا کے طور پر مسلمان زندگی بسر کر رہے ہوں مداخلت فی الدین کرے یعنی انہیں عبادات سے روکے اور دینی تعلیم پر چلنے نہ دے

تو پھر سنت نبویؐ کے مطابق وہاں سے ہجرت ضروری ہو جاتی ہے نہ کہ قتال۔ ہجرت کرنے کے بعد اگر دشمن حملہ آور ہو۔ تو پھر اس کا مقابلہ بوجہ مظلومیت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب دشمن نے آپؐ کے ماننے والوں کو جبراً مذہب چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہا تو آپؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مگر خود اس وقت تک ہجرت نہ فرمائی جب تک دشمن نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ نہ کیا۔ جب عربوں نے آپؐ کے اعدام کا فیصلہ کیا۔ تو خدائی حکم کے ماتحت اس وقت آپؐ نے ہجرت فرمائی۔ قرآن کریم کی ہدایت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہی امور ثابت ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرامؓ کو حبشہ میں ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی تھی جہاں کا بادشاہ عیسائی تھا۔ انہیں یہ ہدایت نہیں دی تھی کہ وہ جا کر اس بادشاہ سے جنگ کریں بلکہ اس امید پر انہیں بھیجا تھا کہ وہ بادشاہ انہیں امن دے گا اور یہ مسلمان وہاں مستأمن کی حیثیت سے رہیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ملکی حکم کے احترام کی اتنی اہمیت تھی کہ جب آپؐ نے مکہ کے مشرکین کی اسلام کی طرف سے لاپرواہی دیکھی۔ اور آپؐ نے طائف میں جا کر پیغامِ حق سنایا اور انہوں نے مکہ والوں سے بھی بڑھ کر آپؐ سے وحشیانہ سلوک کیا تو آپؐ نے مکہ واپس آنا چاہا۔ لیکن مکہ کی حکومت نے آپؐ سے شہریت کے حقوق غصب کر لیے اور آپؐ کو داخلہ کی اجازت نہ دی۔ تو آپؐ نے ظالم حکومت کے اس علاقائی قانون کو توڑا نہیں۔ بلکہ ایک مشرک حاتم بن عدّی کی حمایت سے آپؐ مکہ میں داخل ہوئے اور اس کی وساطت سے آپؐ نے مکہ کی شہریت کے حقوق پھر سے حاصل کئے اور مکہ والوں نے جب آپؐ کے قتل کا منصوبہ کیا۔ تو پھر آپؐ مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ آپؐ کی یہ سنت اس بات کی روشن

دلیل ہے کہ کسی حکومت میں رہتے ہوئے پرامن طریق سے زندگی بسر کرنی چاہیے اور جب اس حکومت کا ظلم ناقابل برداشت حد تک پہنچ جائے تو اس ملک کو چھوڑ دینا چاہئے۔ بغاوت کا طریق اختیار کرنا سنتِ نبویؐ کے خلاف ہے۔ ہاں اگر ملکی نظام ہجرت کی اجازت بھی نہ دے اور دین میں بھی مداخلت جاری رکھے تو پھر بغاوت کرنا خلاف حق نہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے 1889ء میں جماعتِ احمدیہ کی بنیاد رکھی۔ اس سے پہلے انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم ہوچکی ہوئی تھی اور مسلمان بطور مستأمن انگریزوں کی سلطنت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور اپنے پرسنل لاء کی آزادی کے ساتھ انہوں نے انگریزوں کی رعایا ہونا قبول کر رکھا تھا چنانچہ:۔

(الف) مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی رقم طراز ہیں:۔

''ہندوستان اس وقت بلاشبہ دارالحرب تھا۔ جب انگریزی حکومت یہاں اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کا فرض تھا کہ یا تو اسلامی سلطنت کی حفاظت میں جانیں لڑاتے یا اس میں ناکام ہونے کے بعد یہاں سے ہجرت کر جاتے۔ لیکن جب وہ مغلوب ہو گئے، انگریزی حکومت قائم ہوچکی اور مسلمانوں نے اپنے پرسنل لاء (مذہبی قوانین۔ ناقل) پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ یہاں رہنا قبول کر لیا۔ تو اب یہ ملک دارالحرب نہیں رہا''۔

(سُود حصہ اوّل حاشیہ صفحہ 77 شائع کردہ مکتبہ جماعتِ اسلامی لاہور۔ طبع اوّل)

(ب) مولوی حسین احمد صاحب مدنی جیسے سیاسی لیڈر تحریر فرماتے ہیں:۔

''اگر کسی ملک میں سیاسی اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بھی بہرحال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی

و دینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہوتو وہ ملک حضرت شاہ صاحب (حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث قدس سرّہ ۔ناقل) کے نزدیک بے شبہ دارالاسلام ہوگا اور از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں‘‘۔

(نقشِ حیات جلد2 صفحہ 11 مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی)

(ج) مولانا **شبلی نعمانی** بھی انگریزوں سے جہاد جائز نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے

(تلخیص از مقالات شبلی جلد اوّل صفحہ 163 مطبوعہ جنرل بائنڈنگ کارپوریشن پریس لاہور)

(د) شمس العلماء **مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی** مترجم قرآن کریم نے فرمایا تھا:۔

’’ہندوؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں۔اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندوؤں کو ستایا۔الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اسی میں ہے کہ کوئی اجنبی حاکم اس پر مسلّط رہے، جو نہ ہندو ہو نہ مسلمان ہی ہو۔کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو مگر خدا کی بے انتہاء مہربانی اس کی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے۔‘‘

(مولانا کے لیکچروں کا مجموعہ۔بار اوّل مطبوعہ 1890ء صفحہ 4،5)

(ہ) **سر سید احمد خان مرحوم** لکھتے ہیں:۔

’’جب کہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستامن تھے۔کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے۔‘‘

(اسباب بغاوت ہند۔صفحہ 31 شائع کردہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(و) مولوی نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالوی اہل حدیث رقم طراز ہیں:۔

’’علماءِ اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملکِ ہند میں جب سے حُکّام والا مقام فرنگ فرمانروا ہیں۔اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔حنفیہ جن سے یہ ملک بالکل بھرا ہوا ہے۔ان کے عالموں اور

مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارالاسلام ہے۔اور جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزمِ جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے۔جیسے بعض علماءِ دہلی وغیرہ۔ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکّام کی رعایا اور امن وامان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملکِ اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو۔غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک ہرگز جائز نہیں''۔ (ترجمان وہابیہ صفحہ 15 مطبع محمدی لاہور)

(ز) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈووکیٹ اہل حدیث اپنے رسالہ ''اشاعة السنة'' میں لکھتے ہیں:۔

''سلطانِ (روم) ایک اسلامی پادشاہ ولیکن امنِ عام وحسنِ انتظام کی نظر سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لئے کچھ کم فخر کا موجب نہیں ہے اور خاص کر گروہِ اہل حدیث کے لئے تو یہ سلطنت بلحاظ امن وآزادی اس وقت کی تمام اسلامی سلطنتوں (روم،ایران،خراسان) سے بڑھ کر فخر کا محل ہے''۔ (رسالہ اشاعة السنة جلد 6 صفحہ 292)

پھر اسی رسالہ کے صفحہ 293 پر لکھتے ہیں:۔

اس امن وآزادی عام وحسن وانتظامِ برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہل حدیثِ ہند اس سلطنت کو از بس غنیمت سمجھتے ہیں۔اور اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں۔اور جہاں کہیں وہ رہیں یا جائیں (عرب میں خواہ روم میں خواہ اور کہیں) کسی اور ریاست کا محکوم ورعایا ہونا نہیں چاہتے''۔ (رسالہ اشاعة السنة جلد 6 صفحہ 293)

انجمن حمایتِ اسلام کے جملہ ممبران کا اعلان

’’عنایاتِ گورنمنٹ کے عوض میں ہمارا فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ کے وفادار رعایا بنے رہیں۔اور مسلمانوں کو تو دہرا فائدہ ہے۔رعایا ہونے کا حق علیحدہ اور ثواب کا ثواب۔کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تعلیم دی۔ ’’اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ‘‘ خدا ایسی سلطنت کو مدت تک ہمارے سر پر قائم رکھے جس کے سایہء عاطفت میں اتنا آرام پایا اور ہمیشہ ہم کو اس کا تابعدار رکھے‘‘۔

(اعلان مطبوعہ رپورٹ انجمن حمایت اسلام 1903ء)

(ح) شیعانِ ہند کے مجتہد علامہ سید علی الحائری لکھتے ہیں:۔

’’ہم کو ایسی سلطنت کے زیر سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی حکومت میں انصاف پسندی اور مذہبی آزادی قانون قرار پا چکی جس کی نظیر اور مثال دنیا کی کسی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی..........اس لئے نیابتًا تمام شیعوں کی طرف سے برٹش سلطنت کا صمیمِ قلب سے میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔اس ایثار کا جو وہ اہلِ اسلام کی تربیت میں بے دریغ مرعی رکھتی ہے۔خاص کر کے ہمارا فرقہ شیعہ جو تمام اسلامی سلطنتوں میں تیرہ سو برس کے ناقابل برداشت مظالم کے بعد آج اس انصاف پسند عادل سلطنت کے زیرِ حکومت اپنے تمام مذہبی فرائض اور مراسمِ تولّی وتبرّا کو بپابندئ قانون اپنے اپنے محل وقوع میں ادا کرتے ہیں......اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہر شیعہ کو اس احسان کے عوض میں (جو آزادئ مذہب کی صورت میں انہیں حاصل ہے) صمیمِ قلب سے برٹش حکومت کا رہینِ احسان اور شکر گزار رہنا چاہئے۔اور اس کے لئے شرع بھی اس کو مانع نہیں ہے۔کیونکہ پیغمبرِ اسلام علیہ وآلہ السلام

نے نوشیروانِ عادل کے عہد سلطنت میں ہونے کا ذکر مدح اور فخر کے رنگ میں بیان فرمایا ہے‘‘۔

(موعظۂ تحریفِ قرآن۔اپریل 1922ء)

(ط) سید احمد صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ مجدّد صدی سیز دہم نے یہ سوال پیدا ہونے پر کہ آپ انگریزوں سے کیوں جہاد نہیں کرتے فرمایا:۔

’’ہمارا اصل کام اشاعتِ توحید الٰہی اور احیائے سُنَنِ سید المرسلینؐ ہے۔سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں‘‘۔

(سوانح احمدی صفحہ 71 از مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری صوفی پرنٹنگ کمیٹی۔ بہاؤالدین)

(ی) مولوی عبدالحیٔ صاحب حنفی لکھنوی اور مولوی احمد رضا خان صاحب حنفی بریلوی۔ ہندوستان کو اس زمانہ میں دارالاسلام قرار دیتے تھے۔(دیکھو ’’مجموعہ فتاویٰ‘‘ مولوی عبدالحیٔ لکھنوی جلد 2 صفحہ 235 مطبوعہ 1311ھ و نصرت الابرار صفحہ 29 مطبوعہ مطبع صحافی لاہور اپچی سن گنج)

اس کے علاوہ مفتیانِ مکہ:۔

1۔جمال دین ابن عبداللہ شیخ عمر حنفی مفتیٔ مکہ معظّمہ۔

2۔حسین بن ابراہیم مالکی مفتیٔ مکہ معظّمہ۔

3۔احمد بن شافعی مفتیٔ مکہ معظّمہ۔

نے بھی ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔

(سید عطاء اللہ شاہ بخاری مؤلّفہ شورش کاشمیری صفحہ 141 چٹان پرنٹنگ پریس لاہور نومبر 1973ء)

(ک) مولانا ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار لکھتے ہیں:۔

’’زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایۂ خدا سمجھتے ہیں

اور اس کی عنایاتِ شاہان اور انصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرے کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں۔اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے"۔ (زمیندار9رنومبر 1911ء)

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ سے پہلے بھی اور دعویٰ کے بعد بھی علماءِ ہند کا جن میں حنفی،اہلحدیث اور شیعہ شامل ہیں۔یہی فتویٰ تھا کہ انگریزوں سے جہاد کرنا حرام ہے۔اور مفتیانِ مکہ معظّمہ بھی ہندوستان کو اس زمانہ میں دارالاسلام قرار دے رہے تھے۔تو انگریزوں کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ وہ حضرت مرزا صاحب سے مسیح موعود اور مہدی معہود کا دعویٰ کراتے اور ان سے یہ فتویٰ دلاتے کہ انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔انگریزوں سے جہاد کو تو سب علماءِ اسلام حرام قرار دے چکے ہوئے تھے۔اس لئے انگریزوں کو ایسے آدمی کو کھڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر کے تثلیث کے ستون کو پاش پاش کرنے کی کوشش کرتا۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اگر انگریزوں کی عقل و دانش اور نظامِ حکومت کی تعریف کی ہے تو عین اُس اسلامی تعلیم کے مطابق ہے جس پر علمائے ہند کی مذکورہ تحریرات شاہدِ ناطق ہیں۔

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے دعویٰ کے بعد جو یہ فتویٰ دیا کہ انگریزوں سے جہاد حرام ہے تو یہ فتویٰ عین شریعتِ غرّاء کے مطابق تھا۔چنانچہ آپؑ تحفہء گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِنَّ وَجُوْہَ الْجِہَادِ مَعْدُوْمَۃٌ فِیْ ھٰذَاالزَّمَنِ وَھٰذِہِ الْبَلَادِ"

(تحفہ گولڑویہ۔روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 82)

’’کہ جہاد بالسیف کی وجوہ اس زمانہ میں اور اس ملک میں پائی نہیں جاتیں‘‘

جس نظم میں آپؑ نے فرمایا:۔

اب چھوڑ دو اے دوستو جہاد کا خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اسی نظم میں آپؑ فرماتے ہیں:۔

فرما چکے ہیں سیدِ کونینِ مصطفیٰؐ
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التواء

اس سے ظاہر ہے کہ جہاد بالسیف کو آپؑ نے علی الاطلاق حرام نہیں کہا بلکہ اپنے زمانہ اور ملک میں اس کی شرائط نہ پایا جانے کی وجہ سے اسے صرف ملتوی قرار دیا ہے۔اور یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مطابق ہے جو مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یَضَعُ الحَرْبَ کے الفاظ میں ہے۔یعنی کہ وہ جنگ کو روک دے گا۔

(صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزولِ عیسیٰ مطبوعہ میرٹھ نیز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

اِس زمانہ کا جہاد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

’’اِس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمہ اسلام میں کوشش کریں۔مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔دینِ اسلام کی خوبیاں دُنیا میں پھیلا دیں۔آنحضرتؐ کی سچائی دنیا پر ظاہر کریں۔یہی جہاد ہے جب تک کہ خدا کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کر دے‘‘۔

(مکتوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بنام میر ناصر نواب صاحب،مندرجہ رسالہ درود شریف مؤلفہ مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضلؓ صفحہ 113)

اس تحریر سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک جہاد بالسیف منسوخ نہیں بلکہ ملتوی ہوا ہے اور اگر آئندہ کبھی اس کی شرائط پیدا ہو جائیں تو یہ بھی فرض ہو جائے گا۔

جس جہاد کو بصورت اعلائے کلمہء اسلام آپ فرض سمجھتے تھے۔اس کا آپؑ نے پورا حق ادا کر دیا ہے۔یہاں تک کہ آپ نے ملکہ معظّمہ کو جس کی آپؑ رعایا تھے۔مندرجہ ذیل الفاظ میں دعوتِ اسلام دی:۔

''اے ملکہ توبہ کر اور اس ایک خدا کی اطاعت میں آجا۔جس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ شریک۔اور اس کی تمجید کر۔کیا تو اس کے سوا اور کوئی معبود پکڑتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کر سکے بلکہ خود مخلوق ہیں......اے زمین کی ملکہ اسلام کو قبول کر۔تا تُو بچ جائے۔آ مسلمان ہو جا''۔

(ترجمہ آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 532 تا 534)

جہاد کو منسوخ کرنے کا الزام درست نہیں۔جس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وقتی طور پر جہاد بالسیف کو حرام قرار دیا۔اس وقت ساری مسلمان رعایا۔الّا ماشاء اللہ انگریزوں کی خیر خواہ تھی اور ان کی شکرگزار بالخصوص پنجاب کے رہنے والے۔کیونکہ انگریزوں نے پنجاب کو فتح کر کے مسلمانوں کو جلتے ہوئے تنور سے نجات دی تھی جو سکھوں کی حکومت نے ان کے لئے بھڑکا رکھا تھا۔سکھوں نے مسلمانوں کو سیاسی غلام بنا رکھا تھا۔ان کی ثقافت اور تمدّن کو تباہ کر دیا تھا۔مسلمان جاگیرداروں کی جاگیریں چھین لیں۔جو مسلمان صنعت و حرفت اور تجارت پر قابض ہونے کی وجہ سے خوش حال تھے انہیں اقتصادی طور پر تباہ کیا۔خود حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خاندان کی جائیداد بھی چھین لی۔مسلمانوں کی مذہبی آزادی بھی چھین لی۔کسی مسلمان کو اذان دینے کی اجازت نہ تھی۔مساجد سکھوں کے اصطبلوں

میں تبدیل کر دی گئیں تھیں اور مدرسے اور اوقاف ویران ہو گئے تھے۔قومی عصمت بھی سکھوں کے رحم وکرم پر تھی۔ مسلمان قوم کی بیٹیوں کی عزت محفوظ نہ تھی۔

ان حالات میں جب انگریز نے 1853ء میں سکھوں کو شکست دے دی۔تو اس نے مسلمانوں سے حکومت نہیں چھینی تھی۔انگریزوں نے مسلمانوں کو محمڈن پرسنل لا کی آزادی دی۔ملک میں طوائف الملوکی اور لاقانونیت کی جگہ ایک مضبوط عادلانہ حکومت قائم کر دی۔مسلمانوں کے اوقاف اور مذہبی ادارے پھر سے زندہ ہونے لگے۔مذہبی تعلیم پر سے ناروا پابندیاں اٹھائی گئیں۔اس طرح پنجاب کے مسلمانوں نے جو ایک عرصہ سے سکھوں کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔اب انہوں نے انگریز کی سلطنت میں سُکھ کا سانس لیا اور انگریزی حکومت کو ایک نعمت سمجھا۔ان حالات میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام انگریز کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

مسلمانوں نے اب جو آزادی انگریزوں سے حاصل کی ہے۔وہ بھی جہاد بالسیف کے ذریعہ سے حاصل نہیں کی۔بلکہ آئینی طریق سے حاصل کی ہے۔سید عطاءاللہ شاہ صاحب بخاری کو اعتراف ہے:۔

> ''1857ء کے ہنگامے میں علماء شریک ہوئے اور ناکامی کے بعد مارے گئے۔کچھ قید ہوئے۔ہزاروں انسان قتل ہوئے۔شہزادے قتل ہوئے۔ ان کا خون کیا گیا۔ان مصیبتوں کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔اسلامی حکومت قائم کرنے کا خیال شکست کھا گیا۔اس کے بعد پھر 1914ء میں علماء کی ایک جماعت نے اسی خیال سے یعنی مسلم راج قائم کرنے کے خیال سے تحریک شروع کی اور اس میں بھی شکست کھائی۔اس کے بعد 1920ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبند مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے۔دہلی میں

ملک کے مختلف حصوں سے پانچ سو سے زائد علماء کا اجتماع ہوا اور وہاں یہ طے پایا کہ تشدد کا یہ راستہ غلط ہے۔ موجودہ دور میں اسلامی حکومت کا قیام تقریباً ناممکن ہے۔ لہٰذا کانگریس کے ساتھ شامل ہو کر ہندوستان کی تمام قومیں مل کر ملک کا انتظام کریں اور جمہوری حکومت بنائیں۔ چنانچہ اس وقت تک ہم اسی (احرار) عقیدے پر قائم ہیں اور ہم اسی راستہ کو صحیح سمجھتے ہیں''۔

(سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری مؤلفہ خان کابلی صفحہ 120 بار اوّل مطبوعہ ہندوستانی کتب خانہ لاہور)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام انگریزوں کے ماتحت رہتے ہوئے بھی غلامانہ ذہنیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ اِس یقین پر قائم تھے کہ سارا یورپ ایک دن مسلمان ہو جائے گا۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس یقین پر قائم کئے گئے تھے۔ چنانچہ آپؑ نے بڑے پُرشوکت الفاظ میں یہ اعلان فرمایا:۔

''وہ دِن نزدیک آتے ہیں جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا......قریب ہے کہ سب ملّتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا، نہ کُند ہو گا جب تک دجّالیّت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ مُلکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔ لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد رُوحوں کو روشنی عطا کرنے سے، اور پاک دلوں پر ایک نُور اُتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو مَیں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی''۔

(تذکرہ صفحہ 244 ایڈیشن چہارم مطبوعہ 2004ء اَلاشتھار مستقینا بوحی اللّٰہ القھار مؤرخہ ۱۴؍جنوری ۱۸۹۷ء مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 7، 8)

یہ ہے وہ شخصیت جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُسے انگریزوں نے اپنی جماعت کے لئے کھڑا کیا تھا اور اس سے دعویٰ کرایا تھا۔ کہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہیں انگریزوں کو ایسی حمایت کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ وہ شروع سے جانتے تھے کہ صلیب پرستی کے خلاف آپ شدید جوش رکھتے ہیں۔ پس یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔ آپؑ نے انگریزوں کی جو حمایت کی وہ شریعت کے عین مطابق تھی۔ اور تمام علمائے ہند اُس وقت انگریزوں کے حامی تھے۔ آپؑ نے انگریزوں کی حمایت کر کے اور ان کی اطاعت کی تعلیم دے کر مسلمانوں کو دائمی غلامی کی تعلیم نہیں دی۔ کیونکہ جیسا کہ آپؑ کے مندرجہ بالا اعلان سے ظاہر ہے۔ آپؑ کا دل اس یقین سے لبریز تھا کہ اسلام کی فتح کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔ اور کُفر کی صف جلد لپیٹ دی جائے گی اور دجّال کا فتنہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اور سب مِلتیں بجز اسلام کے ہلاک ہو جائیں گی۔ اگر اس نے ایک عارضی وقت کے لئے ایک غیر ملکی مذہبی آزادی دینے والی حکومت سے تعاون کی ہدایت فرمائی تو یہ شرع شریف کے مطابق وقت کا عین تقاضا تھا۔ انبیاء کی سنت یہی ہے کہ غیر ملکی سلطنت میں رہتے ہوں تو اس کے خلاف باغیانہ خیالات نہ رکھے جائیں۔ کئی نبی جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام بُت پرست کافر بادشاہوں کی حکومت میں زندگی گزارتے رہے ہیں۔ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام تو مصر کے بُت پرست بادشاہ کے ماتحت کارکن بھی رہے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر سرورِ کائناتؐ کا طرزِ عمل بھی یہ بتاتا ہے کہ آپؐ نے مکّہ کی حکومت کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کی بلکہ جب اس کا ظلم انتہاء تک پہنچ گیا۔ تو آپؐ نے اور آپؐ کے ماننے والوں نے وہاں سے ہجرت فرمائی۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا فرضِ منصبی اشاعتِ اسلام کا جہاد تھا۔ انگریزوں

کی حکومت میں آپؑ کو اِس بارہ میں پوری آزادی حاصل تھی اور انگریزوں نے چونکہ آپؑ سے عدل کا سلوک کیا۔اس لئے انگریزی حکومت آپؑ کے شکریہ کی مستحق تھی۔کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

”لَایَشْکُرُ اللّٰہَ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسِ“

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی شکر المعروف)

کہ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔

3۔ خوشامد کے الزام کے ردّ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف) ”بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے اس لئے جہاد کی ممانعت کرتا ہے۔یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر مَیں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا تو مَیں بار بار کیوں کہتا کہ عیسیٰ بن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی موت طبعی سے بمقام سری نگر کشمیر مر گیا۔اور نہ وہ خدا تھا اور نہ خدا کا بیٹا۔کیا انگریز مذہبی جوش والے میرے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہوں گے۔پس سنو اے نادانو! میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دینِ اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لئے ہم پر تلواریں چلاتی ہے۔قرآن شریف کی رُو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے“۔ (کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 75 حاشیہ)

(ب) ”یہ گورنمنٹ مسلمانوں کے خونوں اور مالوں کی حمایت کرتی ہے اور ہر ایک ظالم کے حملہ سے محفوظ کرتا ہے......میں نے یہ کام گورنمنٹ سے ڈر کر نہیں کیا اور نہ اس کے کسی انعام کا امیدوار ہو کر کیا ہے بلکہ یہ کام محض لِلّٰہ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کیا ہے''۔

(نور الحق حصہ اوّل۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 40-41)

(ج) ''بیشک جیسا کہ خدا نے میرے پر ظاہر کیا۔ صرف اسلام کو دنیا میں سچا مذہب سمجھتا ہوں۔ لیکن اسلام کی سچی پابندی اسی میں دیکھتا ہوں کہ ایسی گورنمنٹ جو درحقیقت محسن اور مسلمانوں کے خون و مال کی محافظ ہے اس کی سچی اطاعت کی جائے۔ میں گورنمنٹ سے ان باتوں کے ذریعہ سے کوئی انعام نہیں چاہتا۔ میں اس سے درخواست نہیں کرتا کہ اس خیر خواہی کی پاداش میں میرا کوئی لڑکا کسی معزز عہدہ پر ہو جائے''۔

(اشتہار 21/اکتوبر 1889ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد 4 صفحہ 49)

(د) ''میری طبیعت نے کبھی نہیں چاہا کہ ان متواتر خدمات کا اپنے حُکّام کے پاس ذکر بھی کروں۔ کیونکہ میں نے کسی صلہ اور انعام کی خواہش سے نہیں بلکہ ایک حق بات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھا''۔

(تبلیغ رسالت جلد 7 صفحہ 10 مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 709)

(ھ) ''میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا۔ جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں۔ بلکہ میں انصاف اور ایمان کے رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکر گزاری کروں''۔

(تبلیغ رسالت جلد 10 صفحہ 123)

الفاظ میں تعریف کی وجہ

اگر کوئی یہ کہے کہ بیشک جو کچھ آپ نے انگریزوں کی تعریف میں لکھا خلاف واقعہ نہ تھا۔ لیکن بار بار تعریف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف

گورنمنٹ میں یہ مخبری کرتے تھے کہ یہ خطرناک آدمی ہے یہ مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔اس لئے آپؑ کو بطور مدافعت اور ذبّ کے بھی زوردار الفاظ میں تعریف کی ضرورت پیش آئی۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے جو انگریزوں کی زوردار تعریف کی وجہ سے حکومت کے منظورِ نظر تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل کے جواب میں عاجز آ کر آپؑ کے خلاف انگریزوں کے کان بھرنے شروع کئے اور آپؑ کو (معاذ اللہ) دھوکہ باز ثابت کرنے کے لئے لکھا:۔

''اس کے دھوکے پر یہ دلیل ہے کہ دل سے وہ گورنمنٹ غیر مذہب کی جان مارنے اور اس کا مال لُوٹنے کو حلال و مباح جانتا ہے......لہٰذا گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں اور اس سے پُرحذر رہنا ضروری ہے ورنہ اس مہدی قادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی سے نہیں پہنچا''۔

(رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد 6 نمبر 6 حاشیہ صفحہ 161 بابت 11-1310ھ مطابق 1893ء)

مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس قسم کی جھوٹی مخبری سے گورنمنٹ سے کئی مربّعے زمین حاصل کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے راستے میں کانٹے بچھانے کی کوشش کی۔

اِسی طرح ایک شخص منشی محمد عبد اللہ نے اپنی کتاب ''شہادتِ قرآنی'' مطبوعہ 1905ء میں لکھا:۔

''ایسے ہی دیگر آیاتِ قرآنیہ اپنے چیلوں کو سنا سنا کر گورنمنٹ کے خلاف مستعد کرنا چاہتا ہے''۔

واضح ہو کہ گورنمنٹ پہلے ہی آپ کو مہدویت کے دعویٰ کی وجہ سے

مشتبہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اوراس نے خفیہ پولیس مقرر کر رکھی تھی جو آپ کی ہر نقل وحرکت کی گورنمنٹ کو اطلاع دیتی رہتی تھی اور جو مہمان آپ کے ہاں آتے تھے۔ اُن کے متعلق بھی بہت پُوچھ گچھ کی جاتی تھی۔ اور اگر معزّزین اور رؤسا میں سے کوئی احمدی ہو جاتا تھا تو انگریزی حُکّام اُسے اشارۃً کہہ دیتے تھے کہ گورنمنٹ تو اس سلسلہ کو مُشتبہ نظروں سے دیکھتی ہے۔ ایسی حالت میں ایسے لوگوں کی مخبری جلتی پر تیل کا کام کرسکتی تھی۔ لہٰذا ردّ عمل کے طور پر اس کی تردید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے از بس ضروری ہو گئی۔ کیونکہ آپؑ سچے دل سے حکومت کے وفادار تھے۔ لہٰذا اِس پراپیگنڈا کے بُرے اثر کو زائل کرنے کے لئے آپ کو بار بار اپنی کتابوں میں لکھنا پڑا کہ آپؑ اور آپ کی جماعت گورنمنٹ انگریزی کی سچی وفادار ہے۔ مقصود آپؑ کا ان تحریروں سے صرف یہ تھا۔ مُخبروں کی جھوٹی مُخبری کی وجہ سے گورنمنٹ کی طرف سے تبلیغِ اسلام کے کام میں ،جس کا بیڑا آپؑ نے اُٹھایا ہے،کوئی روک پیدا نہ ہو۔ باوجود اس ذبّ اور تردید کے گورنمنٹ 1907ء تک اس مخالفانہ پراپیگنڈا سے متاثر رہی۔ حتیٰ کہ سر ایبٹس گورنر ہو کر آئے اورانہوں نے تمام حالات کا جائزہ لے کر اور حضورؑ کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد گورنمنٹ کو رپورٹ کی کہ ''اس جماعت کے ساتھ یہ سلوک نامناسب ہے یہ بڑی ناشکری کی بات ہے کہ جس شخص نے امن قائم کیا اور جو امن پسند جماعت قائم کر رہا ہے،اس پر پولیس چھوڑی گئی ہے۔ یہ بڑی احسان فراموشی ہے اور میں اسے ہٹا کر چھوڑوں گا''۔

(الفضل 18رفروری 1959ء صفحہ 6 کالم اوّل خطبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)

اِس مخالفانہ اثر کو زائل کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

24رفروری1898ء میں گورنر پنجاب کی خدمت میں ایک عرضی بھیجی تھی۔جس میں اپنی جماعت کے متعلق لکھا:۔

''غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکارانگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ اورموردِمراحمِ گورنمنٹ ہیں یاوہ لوگ جو میرے اقارب یا خدام میں سے ہیں۔ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد علماء کی ہے جنہوں نے میری اتباع میں اپنے وعظوں سے ہزاروں دلوں میں گورنمنٹ کے احسانات جمادیئے ہیں''۔(تبلیغ رسالت جلد7صفحہ 18 مجموعہ اشتہارات جلددوم صفحہ 197)

واضح ہو کہ اس عبارت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ان لوگوں کا بھی جو گورنمنٹ کے ملازم ہیں اور نیک نام ہیں نیز آپؑ کی جماعت میں شامل ہیں۔اوران کا بھی جو آپؑ کے اقارب یا خاندان میں سے ہیں اوراس کے بعد اپنی جماعت کے وعظوں کا۔

خود کاشتہ پودا

اس کے ایک صفحہ بعد آپ نے حاسدین گورنمنٹ کی جھوٹی مُخبر یوں کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا:۔

''صرف یہ التماس ہے کہ سرکاردولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جان نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حُکّام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکارانگریزی کے پکّے خیر خواہ اور خدمت گزار ہیں۔اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے''۔

(اشتہار24رفروری1898ءمندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ 19 مجموعہ اشتہارات جلددوم صفحہ 198)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کو خود کاشتہ پودا قرار نہیں دیا بلکہ آپؑ کا یہ فقرہ اپنے خاندان کے متعلق ہے۔ انگریزی گورنمنٹ تو شروع دعویٰ سے آپؑ کو اور آپؑ کی جماعت کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ نے گورنمنٹ کے شُبہ کو مزید تقویت دینے کی کوشش کی تھی۔ تو کون عقلمند یہ خیال کرسکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جماعت احمدیہ کو انگریزوں کا خود کاشتہ پودا قرار دے سکتے تھے۔ ہاں آپؑ کے خاندان نے سکھوں کے اثر کے زائل کرنے کے لئے انگریزوں کو جو مدد دی تھی۔ اس کا ذکر کر کے آپؑ گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ میرا خاندان جب تمہارا وفادار رہا ہے تو پھر میں تمہاری حکومت کے متعلق کس طرح باغیانہ خیالات رکھ سکتا ہوں اور ایک ایسی جماعت بنا رہا ہوں جس کو میں کسی وقت گورنمنٹ انگریزی کے خلاف استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

توہینِ مسیح علیہ السلام کا الزام

الزام یہ ہے کہ مرزا صاحبؑ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں جو خدا کے نبی اور رسول تھے۔ نازیبا الفاظ استعمال کر کے اور ان کی دادیوں نانیوں کو زنا کار قرار دے کر ان کی توہین کی ہے۔ جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ مسلمانوں کے لئے سب انبیاء پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ مثیلِ مسیحؑ ہیں تو پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں:۔

"جس حالت میں مجھے دعویٰ ہے کہ مَیں مسیح موعود ہوں اور حضرت

عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے مشابہت ہے۔ تو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ مَیں اگر نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہتا تو اپنی مشابہت ان سے کیوں بتلاتا کیونکہ اس سے تو خود میرا بُرا ہونا لازم آتا ہے"۔

(اشتہار 27 دسمبر 1898ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد 7 صفحہ 70 حاشیہ۔ مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 257)

اصل حقیقت یہ ہے کہ عیسائی پادریوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بڑے بڑے گستاخانہ کلمات لکھے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں بار بار سمجھایا کہ اِس طریق سے باز آئیں۔ مگر گستاخی میں بڑھتے گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اپنی گُستاخی کو انتہا تک پہنچا دیا۔

چنانچہ پادری عمادالدین اور پادری فتح مسیح نے ایسی ایسی گندی باتیں آپؐ کی شان میں لکھیں جن کو پڑھ کر مسلمانوں کا سینہ پھٹ جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان پر ناپاک حملے کئے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گندے الزام لگائے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ اس گندے طریق سے باز نہیں آ رہے۔ الزامی رنگ میں انہیں بائبل کی رُو سے بعض جوابات دے کر اُن کا منہ بند کر دیا۔ تا وہ آئندہ ہوش سے کام لیں۔ یہ الزامی جوابات دیتے ہوئے آپؑ نے یہ احتیاط بھی کی ہے کہ یہ الزامات اس نبی اور رسول کے متعلق نہیں ہیں جن کا نام قرآن میں عیسیٰ بیان ہوا ہے۔ بلکہ اس یسوع کے متعلق ہیں جنہیں عیسائی خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں ایسا کوئی یسوع موجود نہ تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ پس یہ الزامات بھی دراصل عیسائیوں کے فرضی یسوع پر لگائے گئے نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام پر جو خدا کے نبی اور رسول تھے۔ چنانچہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"حضرت مسیحؑ کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ میرے مُنہ سے نہیں

نکلا۔ یہ سب مخالفوں کا افتراء ہے۔ہاں چونکہ درحقیقت ایسا کوئی یسوع مسیح نہیں گزرا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو۔اور آنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جھوٹا قرار دیا ہو۔اور حضرت موسیٰ کو ڈاکو کہا ہو۔اس لئے میں نے فرضِ محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں راستباز نہیں ٹھہر سکتا لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے اور خاتم الانبیاء کا مصدّق ہے اُس پر ہم ایمان لاتے ہیں''۔

(تریاق القلوب۔روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 305 حاشیہ)

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

''یادرہے کہ یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں''۔ (انجام آتھم۔روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 13)

اِسی طرح فرماتے ہیں:۔

''بالآخر ہم لکھتے ہیں کہ ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔انہوں نے ناحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ ان کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال اُن پر ظاہر کریں......اور مسلمانوں پر واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا۔اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا اور آنے والے مقدّس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبّر اور

راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔ نادان پادریوں کو چاہئے کہ بدزبانی اور گالیوں کا طریق چھوڑ دیں۔ ورنہ نامعلوم خدا کی غیرت کیا کیا ان کو دکھلائے گی''۔

(ضمیمہ انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 292-293)

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

''چونکہ پادری فتح مسیح متعین فتح گڑھ ضلع گورداسپور نے ہماری طرف ایک خط نہایت گندہ بھیجا۔ اور اس میں ہمارے سیّد و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر...... تُہمت لگائی۔ اور سوا اس کے اور بہت سے الفاظ بطریق سبّ و شتم استعمال کئے۔ اس لئے قرینِ مصلحت معلوم ہوا کہ اس کے خط کا جواب شائع کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ رسالہ لکھا گیا۔ اُمید کہ پادری صاحبان اِس کو غور سے پڑھیں۔ اور اسکے الفاظ سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ کیونکہ یہ تمام پیرایہ میاں فتح مسیح کے سخت الفاظ اور نہایت ناپاک گالیوں کا نتیجہ ہے۔ تاہم حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ مقدس کا بہرحال لحاظ ہے اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اس نادان (فتح مسیح) نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دُکھایا ہے''۔

(نور القرآن نمبر 2۔ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 376)

پھر آپؑ اعجاز احمدی روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13 پر لکھتے ہیں:۔

''یہود تو حضرت عیسیٰؑ کے معاملہ میں اور ان پیشگوئیوں کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں حیران ہیں بغیر اسکے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰؑ نبی ہے کیونکہ قرآن نے اُن کو نبی قرار دیا

ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں۔ یہ احسان قرآن کا اُن پر ہے کہ اُن کو بھی نبیوں کے دفتر میں ہی لکھ دیا۔اس وجہ سے ہم اُن پر ایمان لائے کہ وہ سچے نبی ہیں اور برگزیدہ ہیں تہمتوں سے معصوم ہیں جو اُن پر اور اُن کی ماں پر لگائی گئی ہیں‘‘۔

پھر آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

’’ہم اِس بات کو افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کے مقابل پر یہ نمبر نور القرآن کا جاری ہوا جس نے بجائے مہذّبانہ کلام کے ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گالیوں سے کام لیا ہے اور اپنی ذاتی خباثت سے اس امام الطیبین وسیّد المطہّرین پر سراسر افتراء سے ایسی تہمتیں لگائی ہیں کہ ایک پاک دل انسان کا ان کے سُننے سے بدن کانپ جاتا ہے۔لہٰذا محض ایسے یاوہ گو لوگوں کے علاج کیلئے جواب ترکی بہ ترکی دینا پڑا۔ ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اُس کے پیارے تھے۔اور ہمارا اِس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے اپنی نجات کے لئے ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے ایمان لائے تھے۔اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے۔پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔

لیکن عیسائیوں نے جو ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اولین اور آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا۔یعنی ان بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے۔ایسے شخص کو ہم بھی رحمتِ الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں......ہم نے اپنی کلام میں ہر جگہ عیسائیوں

کا فرضی یسوع مراد لیا ہے اور خدائے تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسیٰ ابن مریم جو نبی تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے دُرشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیاں سن کر اختیار کیا ہے''۔

(نورالقرآن نمبر 2 روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 374-375 بعنوان ناظرین کے لئے ضروری اطلاع)

ان تحریرات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآنی عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کوئی نازیبا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ آپؑ انہیں خدا کا نبی برگزیدہ اور راستباز جانتے ہیں۔آیت قرآنی وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ کی رو سے عیسائیوں کو ایسا الزامی جواب دینا جائز ہے جو یسوع مسیح کو خدائی کا دعوے دار قرار دیتے ہیں۔

حضرت مسیحؑ کی دادیاں نانیاں:

عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان پر ناپاک حملے کئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور الزامی جواب بائبل سے دکھا دیا کہ یسوع کے خاندان میں تین ایسی عورتیں جو آپ کی دادیاں نانیاں قرار پاتی ہیں زنا کار اور کسبی تھیں۔اس طرح آپؑ نے ہمیشہ کے لئے عیسائیوں کا منہ بند کر دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان پر ناپاک حملے کر کے آپؐ کی طرف ناپاکی کی نسبت کرنے کی جرأت کرتے تھے بائبل کے حوالہ جات سے تمر۔ راحاب اور بنتِ سبع کو جو حضرت مسیح کی ایک لحاظ سے دادیاں اور ایک لحاظ سے نانیاں تھیں، بدکار ثابت کر دیا۔ چنانچہ

(الف) راحاب کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کسبی تھی (یشوع 2۔1)

(ب) تمر حرامکار تھی۔(پیدائش 31۔16 تا 30)

(ج) بنتِ سبع بھی بدکار تھی ۔(2۔سموایل 11 باب،آیات 3 تا 6)

خود پادری عماد الدین انجیل متی میں ان بدکار عورتوں کو مسیح کے شجرہ نسب میں موجود پا کر اپنی تفسیر متی کے صفحہ 3 پر یہ لکھنے کے لئے مجبور ہوئے۔

''یہاں سے ظاہر ہے کہ مسیح خداوند نے گنہگاروں کے سلسلہ میں آنے سے نفرت نہیں کی''۔

پس یہ امر عیسائیوں کے مسلّمات میں سے ہے کہ یہ تینوں عورتیں جن کا یسوع کے شجرہ نسب میں ذکر ہے بدکاری کی وجہ سے گنہگار تھیں۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:۔

''ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری والدہ سے لے کر حوّا تک میری ماؤں کے سلسلہ میں کوئی عورت بدکار اور زانیہ نہیں، نہ مرد زانی اور بدکار ہے لیکن بقول عیسائیوں کے اُن کے خدا صاحب کی پیدائش میں تین زنا کار عورتوں کا خُون ملا ہوا ہے''۔

(ست بچن۔روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 292 حاشیہ)

الزامی جوابات کا طریق

علماء اہل سنت میں سے جن کو عیسائیوں سے گفتگو کا واسطہ پڑا ہے۔ان کی نامناسب روش کو دیکھ کر انہیں بھی ایسے ہی الزامی جوابات دینے پڑے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیئے ہیں۔چنانچہ مولوی آلِ حسن نے اپنی کتاب استفسار میں اور مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی نے اپنی کتاب اظہار الحق میں ایسے ہی بہت سے الزامی جوابات دیئے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت لکھا ہے کہ ایک دفعہ

ایک پادری شاہ صاحب کی خدمت میں آیا اور سوال کیا۔کیا آپ کے پیغمبر حبیب اللہ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔وہ کہنے لگا۔تو پھر انہوں نے بوقت قتل امام حسین فریاد نہ کی یا یہ فریاد سنی نہ گئی؟ اس پر شاہ صاحب نے کہا۔فریاد تو کی۔لیکن انہیں جواب آیا کہ تمہارے نواسے کو قوم نے ظلم سے شہید کیا ہے۔لیکن ہمیں اس وقت اپنے بیٹے عیسٰی کا صلیب پر چڑھنا یاد آرہا ہے۔

(رودِ کوثر از شیخ محمد اکرم ایم۔اے صفحہ 67،68)

جناب مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:۔

''نصاریٰ ایسے کو خدا کہتے ہیں جو مسیح کا باپ ہے......ایسے کو جو یقیناً دغاباز ہے۔پچھتاتا بھی ہے۔تھک جاتا بھی ہے۔

(العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ صفحہ 740-741 رسالہ نمبر 25 باب العقائد والکلام)

حافظ قمر الدین صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف نے بھی کتاب پیدائش 38/13 کے حوالہ سے تامار کی بدفعلی سے دو توام بچے پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے اور متی 3-1/16 کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''ایک لڑکا ان میں سے جس کا نام فارض تھا، حضرت داؤد، حضرت سلیمان حضرت یسوع کے جدّ امجد ہیں یہ تمر انبیاءِ بنی اسرائیل اور یسوع مسیح کی جدّہ محترمہ ہیں''

(کتاب عیسائی مذہب صفحہ 4،5 شائع کردہ دار التبلیغ سیال شریف مطبوعہ کراچی)

اخبار اہلحدیث امرتسر اس قسم کے الزامی جوابات سے بھرا پڑا ہے۔مثلاً:۔

1- مسیح خود اپنے اقرار کے مطابق کوئی نیک انسان نہ تھے۔

(اہلحدیث امرتسر صفحہ 8۔31/مارچ 1939ء)

2- انجیل کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسیح نے اجنبی عورتوں سے اپنے سر پر عطر ڈلوایا۔ (دیکھو) متی 26/6،مرقس 14/3، یوحنّا 12/6

(اہلحدیث امرتسر 31/مارچ 1939)

اوراس پر اپنا نوٹ یہ دیا کہ:۔

''اِس قسم کے کام شریعتِ الٰہیہ کے صریح خلاف ہیں''۔

(ملاحظہ ہو اہلحدیث مذکور)

3- مسیح کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

''شراب جیسی اُمّ الخبائث چیز کا بنانا اور شادی کی دعوت کے لئے اسی شراب کو پیش کرنا اور خود شرابی اہلِ مجلس کی دعوت میں مع والدہ کے شریک ہونا۔ اسی یوحنّا میں موجود ہے حالانکہ شراب عہدِ عتیق کی کتابوں میں قطعی حرام قرار پا چکی تھی''۔ (اہلحدیث 31/مارچ 1939ء)

اس پر نوٹ لکھا ہے:۔

''ان حالات میں مسیح کی شراب سازی خلافِ شریعت فعل ہے''۔

(اخبار مذکور)

4- ''انجیل کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے کذب کو روا رکھا''۔

(اخبار مذکور صفحہ 9)

5- ''مسیح نے خلافِ واقعہ شہادت دی''۔ (ایضاً صفحہ 9)

6- جھوٹ بولنے اور کتمانِ حق کی اجازت دی۔ (ایضاً)

7- ''اپنی والدہ کی تعظیم نہیں کرتے تھے'' (ایضاً)

8- ''اپنی والدہ کو سیدھے منہ ماں کہنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے'' (ایضاً)

اس پر یہ نوٹ دیا ہے:۔

''جب مسیح نے ماں کی تحقیر اور بے عزتی ظاہر کر کے شرائع سابقہ کے تاکیدی احکام بلکہ خود اپنے ہی قول کے خلاف کہا۔ تو ان کے غیر معصوم اور غیر محفوظ ہونے میں کیا شک رہا''۔ (اخبار اہلحدیث 3/مارچ 1939ء صفحہ 9)

9- ’’انجیل کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے یہود کے علماء کے حق درشت الفاظ اور نہایت سخت کلمات کا استعمال کیا ہے‘‘۔ (متی 23)

بے ایمانوں کو مسیح نے کتا کہا۔ دیکھو کنعانی عورت کا قصہ۔

(متی 15/16)

10- مسیح نے اپنے عہدے کا مقصد بھی پورا نہ کیا۔ (ایضاً صفحہ 10)

11- مولوی ابوالمحمود صاحب سوہدروی نے اپنی کتاب ’’اسلام اور عیسائیت‘‘ کے صفحہ 122 پر لکھا ہے:۔

’’حضرت مسیح علیہ السلام کی تین نانیاں، دادیاں کسبی، زانی اور بدکار تھیں، اور چار نانے دادے بھی بد تھے۔

پھر لکھتے ہیں:۔

’’زانی اور زانیہ کے اتنے طویل سلسلہ میں آنے والے شخص کا اپنا کیرکٹر یا اپنی پوزیشن کیا رہے گی......الخ‘‘۔

(اسلام اور عیسائیت صفحہ 122 باب نہم فصل اوّل)

مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بھی عیسائیوں کے یسوع مسیح کی بابت لکھتے ہیں:۔

’’حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ (یعنی عیسائی) اُس تاریخی مسیح کے قائل ہی نہیں ہیں جو عالم واقعہ میں ظاہر ہوا تھا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے وہم وگمان سے ایک خیالی مسیح تصنیف کر کے اس خدا بنالیا ہے‘‘۔

(تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 491)

بانی مدرسہ دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی لکھتے ہیں:۔

’’نصاریٰ جو دعویٰ محبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں تو حقیقت

میں ان سے محبت نہیں کرتے کیونکہ دار ومدار ان کی محبت کا خدا کا بیٹا ہونے پر ہے۔سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معلوم البتہ ان کے خیال میں تھی۔اپنی خیالی تصویر کو پُوجتے ہیں اور اسی سے محبت رکھتے ہیں۔حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کے واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے“۔

(رسالہ ھدیۃ الشیعہ صفحہ 244،245)

اس تمام بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک خیالی اور فرضی یسوع پر مسلّماتِ خصم سے عیسائیوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت گستاخیاں کرنے پر الزامی جوابات کا طریق اختیار کیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بار بار ان الزامات سے پاک قرار دیا ہے اور انہیں خدا کا نبی اور رسول اور راست باز بندہ قرار دیا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ وہ ان مخاطبات میں مدّ نظر نہیں ہے۔

مسیح کا شراب پینا

”یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے۔اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے“۔

معترضین کشتی نوح صفحہ 65 کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں اور اس عبارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین قرار دیتے ہیں۔اور عجیب بات یہ ہے کہ سیاق کلام اس کا پیش نہیں کرتے۔حقیقت یہ ہے کہ اِس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو جو یورپ کی تقلید میں شراب پیتے ہیں۔ہدایت فرما رہے ہیں کہ یورپ کے لوگ تو شراب پینے کے لئے اپنے زعم میں ایک یہ وجہء جواز رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح شراب پیتے تھے۔لیکن اسلام میں تو اس کے لئے کوئی وجہء جواز نہیں۔پس تم کس بناء پر شراب پیتے ہو؟

اس نصیحت کو تو نظر انداز کیا جاتا ہے اور مسیح کی توہین کا الزام لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ مسیح کے زمانہ میں شراب حرام نہ تھی کہ اس کا پینا معصیت ہوتا۔ اس لئے عیسائیوں کے مذہب میں عشاءِ ربانی کی رسم میں شراب کا استعمال ایک مذہبی رسم ہے جسے وہ مسیح کے ذریعہ جاری شدہ خیال کرتے ہیں۔ اور حضرت مسیح کا ایک مجلس کے لئے معجزہ سے شراب بنانا خود انجیلوں میں مذکور ہے۔ ہاں اگر شراب اُس زمانہ میں حرام ہوتی تو پھر مسیحؑ کے لئے اس کا استعمال ناجائز ہوتا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تو اس جگہ دوؔ توجیہیں بھی بیان کر دی ہیں کہ یا وہ بیماری کی وجہ سے شراب پیتے تھے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔ گویا اِس جگہ آپؑ کے نزدیک مسیحؑ نے اضطراراً شراب پی تھی جس حد تک ان کی شریعت میں جائز تھی۔

عمل التّرِب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں مسیح کے معجزات کے متعلق یہ لکھا ہے:۔

یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم باذن وحکمِ الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل التّرب میں کمال رکھتے تھے گو الیسع کے درجہء کاملہ سے کم رہے ہوئے تھے۔ کیونکہ الیسع کی لاش نے بھی معجزہ دکھایا کہ اس کی ہڈیوں کے لگنے سے ایک مُردہ زندہ ہو گیا۔ مگر چوروں کی لاشیں مسیح کے جسم سے لگنے سے ہرگز زندہ نہ ہو سکیں یعنی وہ دو چور جو مسیح کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے بہر حال مسیح کی یہ ترؔبی کارروائیاں زمانہ کے مناسب حال بطور خاص مصلحت کے تھیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل

کومکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا۔تو خدا تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے اُمید قوی رکھتا تھا کہ اِن عجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا۔لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے جس پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مارا ہے۔حضرت مسیح نے بھی اس عملِ جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو اُن کی خدمت میں مرکوز تھے باذن وحکمِ الٰہی اختیار کیا تھا۔ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا''۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 257-258 حاشیہ)

اس عبارت کو بھی باعثِ توہین سمجھا جاتا ہے۔اِس وجہ سے کہ آپؑ نے اس عمل کومکروہ اور قابلِ نفرت لکھا ہے۔مگر یہ عمل تو مکروہ اور قابلِ نفرت شریعتِ اسلامیہ کی رو سے ہے نہ کہ شریعتِ سابقہ توراۃ کی رو سے۔اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے ذوق کے لحاظ سے اس کو ناپسندیدہ سمجھتے ہوئے اس زمانہ کے لوگوں کے پست خیالات کی وجہ سے باذن وحکمِ الٰہی اختیار کیا تھا تا یہودی ہدایت پاسکیں۔بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس عمل کو جو اسلامی شریعت میں ناپسندیدہ اور خود حضرت مسیحؑ کے ذوق کے بھی خلاف تھا۔پست فطرت یہودیوں کے جسمانی خیالات کی وجہ سے اختیار کرنا قرار دیا ہے۔پھر اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس زمانہ کے لوگوں کی فطرت کے لحاظ سے ایک عقلی معجزہ ہی قرار دیتے ہیں۔چنانچہ آپؑ لکھتے ہیں:۔

''سو واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں:۔

(1) ایک وہ جو محض سماوی امور ہوتے ہیں۔جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔جیسا شق القمر جو ہمارے سیّد ومولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔اور خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز

اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اُسے دکھایا تھا۔

(2) دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس خارقِ عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو الہامِ الٰہی سے ملتی ہے۔ جیسے حضرت سلیمان کا وہ معجزہ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ہے۔ جس کو دیکھ کر بلقیس کو ایمان نصیب ہوا۔

اب جاننا چاہیئے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمانؑ کے معجزہ کی طرح صرف عقلی تھا"۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 253-254 حاشیہ)

اب یہ کس قدر ظلم ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو حضرت مسیح کی تربی کارروائیوں کو باذنِ الٰہی آپ کا معجزہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن معترضین عمل الترب کے ذکر کو حضرت مسیحؑ کی توہین قرار دیتے ہیں۔

پس خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی کوئی توہین نہیں کی۔ بلکہ عیسائیوں کو بطور الزام خصم انجیل کی رو سے اپنے اعتراضات میں ملزم گردانا ہے۔ چنانچہ مسیح کا قول انجیل متی 7/1 میں یہ لکھا ہے:۔

"عیب نہ لگاؤ تا تم پر عیب نہ لگایا جائے"۔

عیسائیوں کے اس قول کے ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گندے الزامات لگائے۔ تو ضروری تھا کہ یسوع مسیح کی اس پیشگوئی کے مطابق عیسائیوں کے لئے بھی وہی پیمانہ استعمال کیا جاتا جو وہ استعمال کر رہے تھے۔ پس ازروئے تعلیم یسوع مسیح بھی مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کے اس طریق کا استعمال ضروری تھا۔ چنانچہ اس کا یہ اثر ہوا۔ کہ اس کے بعد عیسائیوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام پر ناپاک حملوں کا طریق چھوڑ دیا اور ان کی روش بدل گئی اور

انہوں نے اس میں خاصی اصلاح کر لی۔ اگر عیسائیوں کے گندے اعتراضات کے الزامی جوابات نہ دیئے جاتے۔ تو مُلک میں سخت فتنے کا دروازہ کھل جاتا اور مسلمانوں کو سخت مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا۔ کیونکہ مسلمان اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گندے اعتراضات نہیں سُن سکتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے سامنے یہودیوں کے اعتراضات پیش کر کے مسلمانوں کے جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور اس طرح مسلمان قوم کو ایک سخت تباہی اور کشت وخُون سے بچالیا۔ مدافعت کا یہ طریق اضطراراً جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کے عام اسلامی قانون کے ماتحت اختیار کیا گیا۔ اپنی نیّت کو صحیح رکھتے ہوئے اس قسم کی تنقید جو دشمن کا منہ بند کرنے والی ہو اس آیت کے ماتحت جائز ہے۔ اِسی لئے علماءِ اسلام بھی عیسائیوں کو بالمقابل الزامی جوابات دیتے رہے۔ جن میں صرف فرضی یسوع مدّنظر تھا نہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام۔

آپؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"موسٰی کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔ اور محمدیؐ سلسلہ میں مَیں مسیح موعود ہوں سو مَیں اس کی عزت کرتا ہوں۔ جس کا ہم نام ہوں۔ اور مُفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ مَیں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا"۔

(کشتیءنوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 17-18)

الزام:

بعض پیشہ ور مناظر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحبؑ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے۔ حالانکہ مشہور تھا کہ سؤر کی چربی اس میں پڑتی ہے"۔ یہ مناظر کہتے ہیں کہ یہ مرزا صاحب کا جھوٹ

ہے۔کسی حدیث میں ایسا نہیں لکھا۔

الجواب:

اِس بارہ میں حدیث تو ہم بعد میں پیش کریں گے۔جس سے انشاء اللہ معترض کا اعتراض ’’هَبَاءً مَّنْثُورًا‘‘ ہو جائے گا۔اوّلاً ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ عبارت اس سیاق میں واقع ہے کہ محض شک وشبہ اور وسوسہ کی بناء پر بعض امور کو حرام نہیں سمجھ لینا چاہیئے ۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان سے 25/نومبر 1903ء کو ایک صاحب کے استفسار کے جواب میں مندرجہ ذیل خط لکھا:۔

’آپ کا خط مجھ کو ملا۔آپ اپنے گھر میں سمجھا دیں کہ اس طرح شک وشبہ میں پڑنا بہت منع ہے۔شیطان کا کام ہے جو ایسے وسوسے ڈالتا ہے۔ہرگز وسوسہ میں نہیں پڑنا چاہیئے ۔گناہ ہے۔اور یاد رہے کہ شک کے ساتھ غسل واجب نہیں ہوتا اور نہ صرف شک سے کوئی چیز پلید ہوسکتی ہے۔ایسی حالت میں بیشک نماز پڑھنا چاہیئے اور میں انشاء اللہ دعا بھی کروں گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب وہمیوں کی طرح ہر وقت کپڑا صاف نہیں کرتے تھے۔حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اگر کپڑا پر مٹی گرتی تھی تو ہم اس مٹی خشک شدہ کو صرف جھاڑ دیتے تھے کپڑا نہیں دھوتے تھے۔اور آپؐ ایسے کنواں سے پانی پیتے تھے جس میں حیض کے لتّے پڑتے تھے۔ظاہری پاکیزگی سے معمولی حالت پر کفایت کرتے تھے۔عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے۔حالانکہ مشہور تھا کہ سؤر کی چربی اس میں پڑتی ہے۔اصول یہ ہے کہ جب تک یقین نہ ہو۔ہر ایک چیز پاک ہے۔محض شک سے کوئی چیز پلید نہیں ہوتی۔اگر کوئی شیر خوار بچہ کسی کپڑے پر پیشاب کر دے۔تو اس کپڑے کو دھوتے نہیں تھے۔محض پانی کا ایک چھینٹا اس پر ڈال دیتے تھے۔

اور بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ رُوح کی صفائی کرو۔ صرف جسم کی صفائی اور کپڑے کی صفائی بہشت میں داخل نہیں کرے گی۔ اور فرمایا کرتے تھے کپڑوں کے پاک کرنے میں وہم سے بہت زیادہ مبالغہ کرنا اور وضوء پر بہت پانی خرچ کرنا اور شک کو یقین کی طرح سمجھ لینا۔ یہ سب شیطانی کام ہیں اور سخت گناہ ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی مرض کے وقت میں اُونٹ کا پیشاب بھی پی لیتے تھے۔ فقط خوابوں کی تفصیل اور تعبیر کرنے کی گنجائش نہیں۔ اتنا لکھنا کافی ہے کہ سب خوابیں اچھی ہیں۔ بشارتیں ہیں۔ کوئی بُری نہیں۔ والسلام۔

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ از قادیان''۔

(منقول از اخبار الفضل قادیان 22 رفروری 1944ء صفحہ 9)

اِس خط کے منقول سے ظاہر ہے کہ اسلام نے شک و شُبہ کو اہمیت نہیں دی۔ صرف یقین کو اہمیت دی ہے۔ جب تک یقین نہ ہو بعض اشیاء کا ترک واجب نہیں ہے۔ انہیں میں وہ پنیر تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھا لیتے تھے۔ حالانکہ مشہور تھا کہ سؤر کی چربی اس میں پڑتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک یقین نہ ہو ہر ایک چیز پاک ہے۔ محض شک سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ اپنے طرزِ عمل سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت پر عظیم الشان احسان فرمایا ہے۔ تا اُمّت پر تنگی وارد نہ ہو۔ اور دین میں آسانی رہے۔ اصولی ہدایت آپؐ کی یہی ہے کہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ کہ دین آسان ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہی ہدایت کی گئی ہے۔ کہ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا کہ ظنّیات پر بنیاد نہ رکھی جائے بلکہ یقین پر کسی عمل کی بنیاد رکھی جائے۔ کیونکہ یقین کے مقابل پر ظنّ کی کوئی حیثیت نہیں۔

اِس سلسلہ میں جو روایات ہیں۔ ان میں سے ایک روایت میں پنیر میں

مُردار ڈالا جانے کا ذکر ہے۔اور دوسری میں یہ ذکر ہے کہ پنیر کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس میں سؤر کی چربی پڑتی ہے۔ یہ دونوں حدیثیں درج ذیل ہیں:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا فَتَحَ مَکَّۃَ رَأٰی جُبْنَۃً قَالَ مَا ھٰذا فَقَالُوْا طَعَامٌ یُصْنَعُ بِاَرْضِ الْعَجَمِ فَقَالَ ضَعُوْا فِیْہِ السِّکِّیْنَ وَکُلُوْاوَرَوٰی اَحْمَدُ وَالْبَیْھقِی عَنْہُ اُوْتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِجُبْنَۃٍ بِغَزْوَۃِ تَبُوْکَ فَقَالَ اَیْنَ صُنِعَتْ ھٰذِہٖ.قَالُوْ بِفَارِسَ وَنَحْنُ نَرٰی اَنْ یُجْعَلَ فِیْھَامَیْتَۃٌ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوْا وَفِیْ رِوَایَۃٍ ضَعُوْا فِیْھَاالسَّکِیْنَ وَاذْکُرُو اسْمَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَکُلُوْا.قَالَ الْخَطَّابِیُّ اَبَاحَہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی ظَاھِرِ الْحَالِ وَلَمْ یَمْتَنِعُ مِنْ اَکْلِہٖ''.

(زرقانی شرح المواہب اللدنیہ جلد 4 صفحہ 335)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپؐ نے پنیر دیکھ کر فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ صحابہؓ نے کہا یہ کھانا ہے جو عجمی علاقہ میں تیار کیا جاتا ہے۔حضورؐ نے فرمایا۔اِس میں چھری رکھو اور اِسے کھاؤ (یعنی چُھری سے کاٹ کر کھاؤ) اور احمد اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوہ تبوک میں پنیر پیش کیا گیا۔تو آپؐ نے پوچھا۔ یہ کہاں تیار ہوا ہے۔صحابہؓ نے کہا۔فارس میں اور ہمارا خیال یہ ہے کہ اِس میں مُردار ڈالا جاتا ہے۔(یعنی مُردار کی چربی) حضورؐ نے فرمایا کھاؤ۔اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا۔اِس میں چُھری رکھو اور اللہ کا نام لے کر کھاؤ''۔

ان حدیثوں کی بنا پر خطابی نے کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس پنیر کو اس کی ظاہری حالت کی بناء پر مباح (جائز) ٹھہرایا ہے اور اس کے کھانے سے ممانعت نہیں فرمائی۔

اب خاص سؤر کی چربی والی روایت ملاحظہ ہو:۔

حضرت شیخ زین الدین بن عبدالعزیز اپنی کتاب ''فتح المعین شرح قرۃ العین'' میں زیر عنوان ''باب الصلوٰۃ'' زیر ''قاعدہ مہمہ'' مطبوعہ مصر مؤلفہ 982ھ میں لکھتے ہیں:۔

''وَجُوْخٌ اِشْتَهَرَ عَمَلُهٗ بِشَحْمِ الْخِنْزِيْرِ وَجُبْنٌ شَامِيٌّ اِشْتَهَرَ عَمَلُهٗ بِاَنْفِحَةِ الْخِنْزِيْرِ وَقَدْجَاءَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبْنَةٌ مِنْ عِنْدِهِمْ فَاَكَلَ مِنْهَا وَلَمْ يَسْئَلْ عَنْ ذٰلِكَ. ذَكَرَهٗ شَيْخُنَا فِي شَرْحِ الْمِنْهَاجِ''.

اِسی حدیث کی روشنی میں خان احمد شاہ صاحب قائم مقام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہوشیار پور نے 1875ء میں رسالہ ''اظہار الحق در بارہ جواز طعام اہل کتاب'' کے نام سے ایک فتویٰ شائع کیا ہے۔ اس رسالہ میں مولوی نذیر حسین صاحب وغیرہ علماءِ غیر مقلد کی مُہریں موجود ہیں، اور اس کے چھپوانے میں مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے بڑی کوشش فرمائی۔ اس فتویٰ مہری کو مولوی عطاء محمد صاحب نے مندرجہ کتاب ''اظہار الحق'' مطبوعہ ''اتالیقِ ہند'' لاہور کے صفحہ 17، 18 پر ''قرّۃ العین'' کی شرح ''فتح المعین'' کی عربی عبارت مندرجہ بالا درج کرنے کے بعد ترجمہ یُوں کیا اور لکھا:۔

''اور جُوخ جو مشہور ہے بنانا اس کا ساتھ چربی سؤر کے اور پنیر شام کا جو مشہور ہے بنانا اِس کا ساتھ پنیر مائع سؤر کے اور آیا جناب سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پنیر اُن کے پاس سے لیا۔ پس کھایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اُس سے اور نہ پُوچھا اُس سے (یعنی اس کی بابت)‘‘۔

(فتویٰ اظہار الحق صفحہ 17، 18 مطبوعہ 1875ء)

اب معترضین کا صرف ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے کہ مرزا صاحبؑ نے اِس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا ہے اور حضرت عائشہؓ کی کوئی روایت اس مضمون کی موجود نہیں۔ یہ محض مغالطہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خط میں یہ نہیں لکھا کہ پنیر کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صرف یہ ہے جیسا کہ خط سے ظاہر ہے:۔

’’کہ کپڑا پر منی گرِتی تھی۔ تو ہم اس منی خشک شدہ کو جھاڑ دیتے تھے۔ کپڑا نہیں دھوتے تھے‘‘۔

پنیر والی روایت کے متعلق یہ الفاظ نہیں لکھے کہ وہ حضرت عائشہ الصدیقہؓ سے مروی ہے۔ بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے بعد صرف مسئلہ کو سمجھانے کے لئے دُوسری روایت کا ذکر آ گیا ہے جس میں راوی کا نام درج نہیں کیا گیا۔ اِس کے بعد بھی بعض باتیں احادیث کی رُو سے بیان ہوئی ہیں وہ بھی حضرت عائشہ الصدیقہؓ سے مروی نہیں ہیں۔ پس پنیر والی روایت کو حضرت عائشہ الصدیقہؓ کی طرف منسوب سمجھ لینا معترضین کی غلط فہمی ہے۔ پنیر والی حدیث کا ذکر ’’ستارہ محمدی‘‘ صفحہ 14/15 ’’شمس الہدیٰ‘‘ صفحہ 3، ’’الفتح المبین‘‘ بجواب ’’الظفر المبین‘‘ کے صفحہ 50 پر بھی موجود ہے۔

اعتراض

امام مہدی ازرُوئے احادیث نبویہؐ حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہونا چاہیے۔ لیکن مرزا صاحب تو مغل ہیں۔ وہ کس طرح مہدی ہوئے؟

جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے:۔

" اَلْمَھْدِیُّ مِنْ عِتْرَتِیْ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ"

(کنز العمال باب خروج المہدی)

الجواب:۔

واضح ہو کہ امام مہدی کے متعلق جو روایات ہیں ان میں بہت سا اختلاف موجود ہے۔علاّمہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں ان روایات کو نقل کر کے ان پر جرح کی ہے۔اور اپنی تنقید کا نتیجہ یہ بیان فرمایا ہے:۔

"فَھٰذِہٖ جُمْلَةُ الْاَحَادِیْثِ الَّتِیْ اَخْرَجَھَا الْأَئِمَّةُ فِیْ شَانِ الْمَھْدِیِّ وَخَرُوْجِہٖ آخِرَ الزَّمَانِ وَھِیَ کَمَا رَأَیْتَ لَمْ یَخْلُصْ مِنَ النَّقْدِ اِلَّا الْقَلِیْلَ الْاَقَلَّ مِنْہُ"۔

یعنی یہ وہ تمام احادیث ہیں جنہیں ائمہ نے مہدی اور اس کے آخری زمانہ میں خروج کے متعلق نکالا ہے۔اور یہ احادیث جیسا کہ آپ نے (جرح سے) معلوم کرلیا ہے سوائے قلیل الاقل کے تنقید سے خالی نہیں۔

روایات میں تضاد

بعض احادیث میں مہدی کو اولاد فاطمہؓ سے قرار دیا گیا ہے۔بعض سے حضرت حسنؓ کی اولاد سے مہدی ہونا سمجھا گیا۔بعض حضرت حسینؓ کی اولاد سے مہدی قرار دیتے ہیں۔بعض حضرت عباسؓ کی اولاد سے۔بعض حضرت عمرؓ کی اولاد سے اور بعض احادیث میں ہے کہ مہدی مجھ سے ہے یا میری اُمت میں سے نکلے گا۔

روایات میں یہ اختلاف سیاسی وجوہ سے پیدا ہوا۔خلافتِ راشدہ کے بعد انتشار کے زمانہ میں ہر گروہ نے دوسرے گروہ پر اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے

روایات میں تصرّف سے کام لیا ہے۔اس لئے ان سب روایات سے اعتبار اُٹھ گیا ہے جن میں مہدی کا کسی خاص خاندان میں پیدا ہونے کا ذکر ہے۔اور صرف وہی روایات قابلِ قبول رہتی ہیں جن میں حضرت امام مہدی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہونا مذکور ہے۔ایسی روایات ہی سیاسی وجوہ کے ہونے سے پاک معلوم ہوتی ہیں۔

واضح رہے کہ اکثر روایات میں مہدی کے ساتھ امام کا لفظ بھی موجود نہیں۔اگر یہ روایات درست بھی ہوں تو مہدی کئی ہو سکتے ہیں۔لیکن بخاری اور مسلم میں اور اسی طرح مسند احمد بن حنبل کی روایات میں نازل ہونے والے ابن مریم کو ہی الامام یا الامام المہدی قرار دیا گیا ہے۔ملاحظہ ہو بخاری باب نزول عیسٰی و مسند احمد بن حنبل کی حدیث:۔

''یُوْشِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَّلْقٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَهْدِیًّا وَحَکَمًا عَدَلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وتَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا''۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 411 مطبوع بیروت بروایت ابوہریرہؓ)

ترجمہ:۔ ''قریب ہے کہ جو تم سے زندہ ہو۔عیسٰی بن مریم سے اس کے امام مہدی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے اور وہ حَکم وعدل ہوگا۔پس صلیب کو توڑے گا۔اور خنزیر کو مارے گا۔اور جزیہ کو موقوف کردے گا۔اور لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے گی''۔

بخاری اور مسلم کی روایتوں میں نازل ہونے والے عیسٰی بن مریم کے لئے علی الترتیب وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اور فَأَمَّکُمْ مِنْکُمْ کے الفاظ وارد ہیں۔ان احادیث میں نازل ہونے والے عیسٰی بن مریم کو امت کا ایک فرد قرار دیا گیا ہے۔اس سے

ظاہر ہے امام مہدی کو ابنِ مریم کا نام حضرت عیسیٰؑ سے مماثلت رکھنے کی وجہ سے بطور استعارہ دیا گیا ہے۔

شیعوں کی حدیث بحارالانوار میں ابوالدرداء کی روایت سے امام مہدی کے متعلق بیان ہے کہ:۔

''اَشْبَهُ النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ''

کہ وہ سب لوگوں سے بڑھ کر عیسیٰ بن مریم سے مشابہ ہوگا۔

ایک روایت میں ہے:۔

''وَلَا الْمَهْدِيُّ اِلَّا عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ''

(ابن ماجہ کتاب الفتن باب اشراط الساعة)

اس کی روشنی کے مطابق اقتباس الانوار از شیخ محمد اکرم صابری صفحہ 52 میں لکھا ہے:۔

''روحِ عیسیٰ درمہدی بروز کنند و نزول عبارت ازاین بروز است مطابق این حدیث لَاالْمَهْدِی اِلَّا عِیْسَی ابن مریم''۔کہ مسیح کی روحانیت مہدی میں بروز کرے گی اور یہی مفہوم ہے لا المھدی اِلّا عِیسَی ابنُ مَرْیَمَ کا۔ واقعات نے ان حدیثوں کی تائید کی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایک ہی شخص کو امت میں سے عیسیٰ بن مریم کا نام دے کر مامور کیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ اولادِ فاطمہؓ سے ہیں

عجیب اتفاق ہے کہ:۔''مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ'' والی حدیث حضرت مسیح موعودؑ پر صادق آتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''سادات کی جڑ یہی ہے کہ وہ بنی فاطمہ ہیں۔ سو میں اگرچہ علوی تو نہیں ہوں مگر بنی فاطمہ میں سے ہوں۔ میری بعض دادیاں مشہور اور صحیح النسل

سادات میں سے تھیں۔اور ہمارے خاندان میں یہ طریق جاری رہا ہے کہ کبھی سادات کی لڑکیاں ہمارے خاندان میں آئیں اور کبھی ہمارے خاندان کی لڑکیاں اُن کے گئیں''۔

(نزول المسیح روحانی خزائن جلد18 صفحہ 426 حاشیہ درحاشیہ)

تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''میرے وجود میں ایک حصہّ اسرائیلی ہے اور ایک حصہّ فاطمی۔اور مَیں دونوں مبارک پیوندوں سے مرکّب ہوں اور احادیث اور آثار کو دیکھنے والے خواب جانتے ہیں کہ آنے والے مہدی آخرالزمان کی نسبت یہی لکھا ہے کہ وہ مرکّب الوجود[1] ہوگا''۔ (تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد17 صفحہ 118)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا:۔

''وَجَعَلَ لَکُمُ الصِّھْرَ وَالنَّسَبَ ''

آپؑ اِس کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

''الہام اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الصِّھْرَ وَالنَّسَبَ'' سے ایک لطیف استدلال میرے بنی فاطمہ ہونے پر پیدا ہوتا ہے۔کیونکہ صِھْر اور نسب اس الہام میں ایک ہی جَعَلَ کے نیچے رکھے گئے ہیں اور ان دونوں کو قریباً ایک ہی درجہ کا امر قابل حمد ٹھہرایا گیا ہے اور یہ صریح دلیل اس بات پر ہے کہ جس طرح صِھر یعنی دامادی کو بنی فاطمہ سے تعلق ہے اِسی طرح نسب میں بھی فاطمیّت کی آمیزش والدات کی طرح سے ہے۔اور صِھـر کو نسب پر

---

[1] حاشیہ:۔ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ:۔

''لَوْنُہٗ لَوْنٌ عَرَبِیٌّ وَجِسْمُہٗ جِسْمٌ اِسْرَائِیْلِیٌّ ''

(النجم الثاقب مصنفہ میرزاحسین طبرسی صفحہ 69)

مقدّم رکھنا اسی فرق دکھلانے کیلئے ہے کہ صِھر میں خالص فاطمیّت ہے اور نسب میں اس کی آمیزش‘‘۔(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 117 حاشیہ)

ایک کشف کی شہادت کہ آپؑ حضرت فاطمہؓ کی اولاد ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ کشف براہین احمدیہ میں یُوں مذکور ہے:۔

’’اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آلِ رسول پر درود بھیجنے کا حکم ہے۔سو اِس میں بھی یہی سِرّ ہے کہ افاضۂ انوارالٰہی میں محبت اہل بیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے۔جو شخص حضرت احدیّت کے مقربین میں داخل ہوتا ہے۔وہ انہیں طیّبین طاہرین کی وراثت پاتا ہے۔اور تمام علوم ومعارف میں ان کا وارث ٹھہرتا ہے۔اِس جگہ ایک نہایت روشن کشف یاد آیا اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز مغرب کے بعد عین بیداری میں ایک تھوڑی سی غَیبت حسّ سے جو خفیف سے نشا سے مشابہ تھی ایک عجیب عالم ظاہر ہوا کہ پہلے ایک دفعہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز آئی۔جیسی بسرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جُوتی اور مَوزہ کی آواز آتی ہے۔پھر اُسی وقت پانچ آدمی نہایت وجیہ اور مقبول اور خوبصورت سامنے آگئے۔یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ وحسنینؓ وفاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ایک نے اُن میں سے اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت اور شفقت سے مادرِ مہربان کی طرح اِس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیرِ قرآن ہے۔جس کو علیؓ نے تالیف کیا ہے اور اب علیؓ وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے‘‘۔

(براہین احمدیہ جلد چہارم روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 598-599 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فاطمۃ الزاہراءؓ سے

فرزند کی نسبت رکھتے ہیں اور وہ ان کے لئے مادرِمہربان کی۔

چنانچہ اس کشف کو آپؑ نے تحفہ گولڑویہ میں بالاختصار درج کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:۔

''غرض میرے وجود میں ایک حصّہ اسرائیلی اور ایک حصّہ فاطمی''۔

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 118)

یہی اس کشف کی صحیح تعبیر ہے جو خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے۔ملہم کے اپنی بیان کردہ تعبیر کے علاوہ اس کشف کے کوئی اور معنے لینا یا تاویل کرنا ہرگز جائز نہیں۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا نام گو سرکاری کاغذات میں مغل لکھا ہوا ہے۔لیکن درحقیقت آپ فارسی الاصل ہیں اور پیشگوئی:

''لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ اَوْ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَآءِ''

(بخاری کتاب التفسیر تفسیر سُورۃ الجمعۃ۔باب قولہ وآخرین منھم لمایلحقوا بھم)

کے مصداق ہیں۔جو درحقیقت امام مہدی سے ہی متعلق ہے۔اور اسے فارسی الاصل قرار دیتی ہے۔کیونکہ یہ کہتے ہوئے رُسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمانؓ فارسی پر ہاتھ رکھا تھا۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الہامات نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ آپ فارسی الاصل ہیں۔

چنانچہ آپؑ پر الہام ہوا:۔

''اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ رَدَّ عَلَيْهِمْ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ. شَكَرَاللّٰهُ سَعْيَهٗ۔

جن لوگوں نے کُفر اختیار کیا اور خدا تعالیٰ کی راہ کے مزاحم ہوئے ان کا ایک مرد فارسی الاصل نے ردّ لکھا ہے۔اس کی سعی کا خدا شاکر ہے''۔
(تذکرہ صفحہ 57 مطبوعہ 2004ء)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی اعتراف ہے کہ:۔
''مؤلّف قریشی نہیں۔فارسی الاصل ہے''۔
(اشاعة السنة جلد 7 صفحہ 193)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''یادرہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے......اب خدا کی کلام سے یہ معلوم ہوا کہ دراصل ہمارا خاندان فارسی خاندان ہے...... کیونکہ خاندانوں کی حقیقت جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کسی دوسرے کو ہرگز معلوم نہیں۔اسی کا علم صحیح اور یقینی ہے اور دوسروں کا شکّی اور ظنّی''۔
(اربعین نمبر 2 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 365 حاشیہ)

پھر لکھتے ہیں:۔

''اِس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا......معلوم ہوتا ہے کہ میرزا اور بیگ کا لفظ کسی زمانہ میں بطور خطاب کے ان کو ملا تھا۔جس طرح خان کا نام بطور خطاب دیا جاتا ہے''۔ (حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 81 حاشیہ)

کتاب ''میڈیول انڈیا انڈر محمڈن رول'' مصنّفہ سٹینلے لین پول میں لکھا ہے:۔

''لفظ مغل ہندوستان کے کالے باشندوں سے وسطی ایشیاء کے ہر گورے شریف آدمی کو ممیّز کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔مختلف حملہ آور یا حکمران مسلمان ترک، مغل، پٹھان اور مغل کچھ اس طرح مِل جُل گئے کہ ان

سب کو بلا امتیاز مغل کے نام سے پکارا جانے لگا‘‘۔

(میڈیول انڈیا مطبوعہ ٹی فشر۔ پندرھواں ایڈیشن صفحہ 197)

توہین اہلِ بیت کے الزام کا ردّ

اعتراض:۔ مرزا صاحب نے ایک شعر لکھا ہے جس میں امام حسینؓ کی توہین کی ہے:۔

کربلائیست سیر ہر آنم

صد حسین است در گریبانم

الجواب

یہ شعر ہرگز توہین پر مشتمل نہیں بلکہ اپنی اور امام حسینؓ کی مظلومیت کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اہل بیت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو زبردست عقیدت تھی چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:۔

جان ودلم فدائے جمالِ محمد است

خاکم نثار کوچہء آلِ محمد است

کہ میری جان ودل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر فدا ہے اور میری خاک آلِ محمد کے کوچہ پر نثار ہے۔

اہلِ بیت کا ایسا عقیدت مند کبھی ان کی توہین کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اعتراض میں پیش کردہ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک لطیف پیرایہ میں اپنی مشکلات کا ذکر فرمایا ہے جو مخالفین اسلام کی طرف سے چاروں طرف سے اسلام پر حملہ کر کے آپؑ کو درپیش تھیں۔ شعر کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ میں ہر آن کربلا سے گزرتا ہوں اور حضرت امام حسینؑ کی طرح سینکڑوں

مشکلات میں گھرا ہوا ہوں۔ عموماً شعراء کربلا اور حسین سے مشکلات مراد لیتے ہیں۔

علاّمہ نوعی تحریر فرماتے ہیں:۔

کربلاءِ عشقم ولب تشنہ سرتا پائے من

صد حسینے کشتہ در ہر گوشہء صحرائے من

(دیوان علامہ نوعی)

اِس شعر میں صد حسین سے صدہا مشکلات مراد لی گئی ہیں۔

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ عشق کی وجہ سے میں کربلا میں ہوں۔ اور سرتا پا تشنہ لب ہوں۔ سَو کشتہ حسین میرے صحرا کے ہر ایک گوشہ میں موجود ہیں۔

گویا شاعر اپنے عشق کی راہ میں شدائد کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ سینکڑوں حسین یعنی مشکلات اسے صحرائے عشق کے ہر گوشہ میں پیش آرہی ہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر میں بھی ''صد حسین است'' کے الفاظ میں مشکلات کا ہی ذکر ہے۔ ''در گریبانم'' کے الفاظ میں گریبان سے مراد بطور مجاز مرسل بوجہ مجاورت دل مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو۔ مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ اپنی قلبی حالت کا مشاہدہ کرو۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ بتا رہے ہیں کہ اسلام پر دشمنانِ اسلام کے حملوں کی وجہ سے میرا دل صدہا مشکلات ومصائب میں گھرا رہتا ہے۔ مجاز مرسل کو ''نہر جاری ہے'' کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ دراصل نہر تو اپنی جگہ کھڑی رہتی ہے۔ البتہ اس میں پانی جاری ہوتا ہے۔

امام حسینؓ کی شان حضرت مسیح موعودؑ کی نگاہ میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

میں اس شتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا۔ اور جن معنوں کے رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے:۔

قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا ۔[1] (الحجرات:15)

مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال اُن کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدّم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں۔ اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے۔ خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمالِ فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو۔ سب سے اپنے تئیں دور تر لے جاتے ہیں۔ لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہّر تھا اور بلا شبہ ان برگزیدوں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کرتا ہے اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرّہ کینہ رکھنا اس سے موجبِ سلبِ ایمان ہے۔ اور اس امام کا تقویٰ اور محبت اور صبر اور

---

[1] ''اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تُو ان سے کہہ دے کہ تم حقیقتاً ایمان نہیں لائے۔ لیکن تم یہ کہا کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر فرمانبرداری قبول کر لی ہے۔''

استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اُس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اُس کا دشمن ہے۔ اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اُس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبتِ الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے۔ جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو انہی میں سے ہے۔ دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی محبت کی جاتی۔

غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی جائے اور جو شخص حسین یا کسی اور بزرگ کی جو ائمہ مطہّرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہء استخفاف ان کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔ جو شخص مجھے بُرا کہتا ہے یا لعن طعن کرتا ہے اس عوض میں کسی برگزیدہ اور محبوبِ الٰہی کی نسبت شوخی کا لفظ زبان پر لانا سخت معصیت ہے۔ ایسے موقعہ پر درگزر کرنا اور نادان دشمن کے حق میں دعا کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ اگر وہ لوگ مجھے جانتے ہیں کہ میں کس کی طرف سے ہوں۔ تو ہرگز بُرا نہ کہتے۔ وہ مجھے ایک دجّال اور مفتری خیال کرتے ہیں۔ میں نے جو کچھ اپنے مرتبہ کی نسبت کہا وہ میں نے نہیں کہا بلکہ خدا نے کہا۔ پس مجھے کیا ضرورت ہے۔ کہ اِن بحثوں کو طول دوں۔ اگر میں درحقیقت مفتری اور دجّال ہوں۔ اور اگر درحقیقت میں اپنے ان

مراتب کے بیان کرنے میں جو مَیں خدا کی وحی کی طرف ان کو منسوب کرتا ہوں کاذب اور مفتری ہوں۔ تو میرے ساتھ اس دنیا اور آخرت میں خدا کا وہ معاملہ ہوگا جو کاذبوں اور مفتریوں سے ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ محبوب اور مردود یکساں نہیں ہوا کرتے۔

سوائے عزیزو! صبر کرو کہ آخر وہ امر جو مخفی ہے کھل جائے گا۔ خدا جانتا ہے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اور وقت پر آیا ہوں مگر وہ دل جو سخت ہو گئے اور وہ آنکھیں جو بند ہو گئیں مَیں ان کا کیا علاج کر سکتا ہوں۔ خدا میری نسبت اشارہ کر کے فرماتا ہے کہ:۔

''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا''۔

پس جب کہ خدا نے اپنے ذمّہ لیا ہے کہ وہ زور آور حملوں سے میری سچائی ظاہر کرے گا تو اس صورت میں کیا ضرورت ہے کہ کوئی شخص میری جماعت میں سے خدا کا کام اپنے گلے ڈال کر میرے مخالفوں پر ناجائز حملے شروع کرے۔ نرمی کرو اور دعا میں لگے رہو۔ اور سچی توبہ کو اپنا شفیع ٹھہراؤ اور زمین پر آہستگی سے چلو۔ خدا کسی قوم کا رشتہ دار نہیں ہے۔ اگر تم نے اس کی جماعت کہلا کر تقویٰ اور طہارت کو اختیار نہ کیا اور تمہارے دلوں میں خوف اور خشیت پیدا نہ ہوا تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہیں مخالفوں سے پہلے ہلاک کرے گا۔ کیونکہ تمہاری آنکھ کھولی گئی اور پھر بھی تم سو گئے۔ اور یہ مت خیال کرو کہ خدا کو تمہاری کچھ حاجت ہے۔ اگر تم اس کے حکموں پر نہیں چلو گے۔ اگر تم اُس کی حدود کی عزّت نہیں کرو گے تو وہ تمہیں ہلاک کرے گا۔ اور ایک اور قوم تمہارے عوض لائے گا جو اُس کے حکموں پر چلے گی۔

اور میرے آنے کی غرض صرف یہی نہیں کہ مَیں ظاہر کروں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام

فوت ہو گئے ہیں۔ یہ تو مسلمانوں کے دلوں پر سے ایک روک کا اُٹھانا اور سچا واقعہ ان پر ظاہر کرنا ہے۔ بلکہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ تا مسلمان خالص توحید پر قائم ہو جاویں اور اُن کو خدا سے تعلق پیدا ہو جاوے۔ اور اُن کی نمازیں اور عبادتیں ذوق اور احسان سے ظاہر ہوں اور اُن کے اندر سے ہر ایک قسم کا گند نکل جائے۔

اور اگر مخالف سمجھتے تو عقائد کے بارے میں مجھ میں اور اُن میں کچھ بڑا اختلاف نہ تھا۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مع جسم آسمان پر اُٹھائے گئے۔ سو مَیں بھی قائل ہوں کہ جیسا کہ آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔ [1]

(آل عمران:56)

کا منشاء ہے بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد وفات مع جسم آسمان پر اُٹھائے گئے۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ جسم عنصری نہ تھا بلکہ ایک نورانی جسم تھا جو اُن کو اس طرح خدا کی طرف سے ملا جیسا آدمؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور داؤدؑ اور یحییٰؑ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوات و السلام کو ملا تھا۔ ایسا ہی ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ضرور دنیا میں دوبارہ آنے والے تھے جیسا کہ آ گئے۔ صرف فرق یہ ہے کہ جیسا کہ قدیم سے سنّت اللہ ہے۔ اُن کا آنا صرف بروزی طور پر ہوا۔ جیسا کہ الیاس نبیؑ دوبارہ دنیا میں بروزی طور پر آیا تھا۔ پس سوچنا چاہیئے۔ کہ اِس قلیل اختلاف کی وجہ سے جو ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ اِس قدر شور مچانا کس قدر تقویٰ سے دُور ہے۔ آخر جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے حَکم بن کر آیا ضرور تھا کہ جیسا کہ لفظ حَکم کا مفہوم ہے کچھ غلطیاں اس قوم کی ظاہر کرتا جن کی طرف وہ بھیجا گیا۔ ورنہ اس کا حَکَم کہلانا باطل ہوگا۔ اب زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

---

[1] ''اُس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے کہا۔ اے عیسیٰ! میں تجھے (طبعی طور پر) وفات دوں گا اور تجھے اپنے حضور میں عزت بخشوں گا''۔

مَیں اپنے مخالفوں کو صرف یہ کہہ کر کہ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؎ (انعام:136)اِس اعلان کوختم کرتا ہوں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی''۔

(فتاویٰ احمدیہ حصہ دوم صفحہ 79 تا 81)

امام حسینؓ کی یہ شان بیان کرنے والا شخص کبھی ان کی توہین کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسینؓ جیسے یا حضرت عیسٰیؑ جیسے راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور وعید مَنْ عَادَ وَلِیًّا لِیْ دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے''۔

(اعجاز احمدی روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 149)

عجیب بات ہے کہ اسی اعجاز احمدی کے ایک شعر کو انصاف کا خون کر کے بعض مخالف مناظرین کی طرف سے توہین کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اعجاز احمدی کے مشہور قصیدہ میں امام حسین علیہ السلام کے متعلق بعض مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

نَسِیْتُمْ جَلَالَ اللّٰہِ وَالْمَجْدَ وَالْعُلٰی
وَمَا وِرْدُکُمْ اِلَّا حُسَیْنًا أَتُنْکِرُ
فَھٰذَا عَلَی الْاِسْلَامِ اِحْدَی الْمَصَائِبِ
لَدٰی نَفَحَاتِ الْمِسْکِ قَذْرٌ مُقَنْطَرٌ

تم نے خدا کے جلال اور مجد اور بزرگی کو بھلا دیا اور تمہارا وِرد صرف

؎ اے قوم! تم اپنے طریق پر عمل کرو میں بھی اپنے طریق پر عمل کروں گا پھر تم جلدی معلوم کرلوگے کہ اس گھر (یعنی دنیا) کا انجام کس کے حق میں ہوتا ہے۔

حسین ہے کیا تُو انکار کرتا ہے۔پس یہ (یعنی شرک) اسلام پر ایک مصیبت ہے۔کستوری کی خوشبو کے پاس گوہ کا ڈھیر ہے۔

اِس آخری مصرعے میں قَـذَرٌ مُقَنْطَرُ کے الفاظ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق نہیں بلکہ اس مصرعے میں کستوری کی خوشبو سے مراد توحید الٰہی ہے اور قَذَرٌ مُقَنْطَرُ یعنی گوہ کے ڈھیر کے الفاظ مشرکانہ فعل کے متعلق ہیں۔چنانچہ اگلے شعر میں فرماتے ہیں:۔

وَاِنْ كَانَ هٰذَا الشِّرْكُ فِي الدِّيْنِ جَائِزًا
فَبِاللَّغْوِ رُسُلُ اللّٰهِ فِي النَّاس بُعْثِرُوْا

اور اگر یہ شرک دین میں جائز ہے پس خدا کے پیغمبر بیہودہ طور پر لوگوں میں بھیجے گئے۔ (اعجاز احمدی روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 194)

2- معترض کہتا ہے کہ مرزا صاحبؑ نے کہا تھا:۔

''تمہارے درمیان ایک زندہ علی موجود ہے،اور تم اسے چھوڑ کر مردہ علی کو تلاش کر رہے ہو''۔

یہ فقرہ حضرت علیؓ کی توہین پر مشتمل ہے۔

الجواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہرگز حضرت علیؓ کی توہین کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے۔اِس فقرہ کو اگر اس کے سیاق میں دیکھا جائے تو ہرگز کسی توہین کا موجب نہیں بلکہ اس میں حدیث نبوی مَنْ لَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً کی روشنی میں امام الزماں کی شناخت پر زور دیا گیا ہے۔کیونکہ حضورؑ کے یہ ملفوظات جو بصورت ڈائری الحکم میں شائع ہوئے ہیں۔حضرت علیؓ کے متعلق ایک غلوّ رکھنے والے شخص سے گفتگو کے سلسلہ میں ہیں۔جو حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کا حامی

تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ہدایت کر رہے ہیں کہ:۔

''جب تک یہ اپنا طریق چھوڑ کر مجھ میں ہو کر نہیں دیکھتے یہ حق پر ہرگز نہیں پہنچ سکتے.......اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ میرے پاس آؤ۔میری سنو تا کہ تمہیں حق نظر آوے۔مَیں تو سارا ہی چولا اتارنا چاہتا ہوں۔سچی توبہ کر کے مومن بن جاؤ پھر جس امام کے تم منتظر ہو میں کہتا ہوں وہ میں ہوں۔اس کا ثبوت مجھ سے لو۔اس لئے اس خلیفہ بلافصل کے سوال کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا......دیکھو سنّی ان کی حدیثوں کو لغو قرار دیتے ہیں۔یہ اپنی حدیثوں کو مرفوع متصل اور ائمہ سے مروی ٹھہراتے ہیں۔ہم کہتے ہیں یہ سب جھگڑے فضول ہیں۔اب مردہ باتوں کو چھوڑو۔اور ایک زندہ امام کو شناخت کرو کہ تمہیں زندگی ملے۔اگر تمہیں خدا کی تلاش ہے تو اس کو ڈھونڈو جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہے......مَیں تو بار بار یہی کہتا ہوں کہ ہمارا طریق تو یہ ہے کہ نئے سر سے مسلمان بنو۔پھر اللہ تعالیٰ اصل حقیقت خود کھول دے گا۔مَیں سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ امام جن کے ساتھ یہ اس قدر غلو کرتے ہیں۔زندہ ہوں تو ان سے سخت بیزاری ظاہر کریں۔جب ہم ایسے لوگوں سے اعراض کرتے ہیں۔پھر کہتے ہیں ہم نے ایسا اعتراض کیا جس کا جواب نہ آیا۔اور پھر بعض اوقات اشتہار دیتے پھرتے ہیں۔مگر ہم ایسی باتوں کی کیا پرواہ کر سکتے ہیں۔ہم کو تو وہ کرنا ہے جو ہمارا کام ہے۔اس لئے یاد رکھو کہ پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑ دو۔اب نئی خلافت لو۔ایک زندہ علی تم میں موجود ہے اس کو چھوڑتے ہو۔اور مردہ علی کو تلاش کرتے ہو''۔

(الحکم 17 رنومبر 1900ء صفحہ 2)

اقتباس کا آخری فقرہ جس پر اعتراض کیا جاتا ہے اپنے منطوق میں واضح

ہے کہ اب نئی خلافت کا دور ہے۔ جو آپؑ کے ذریعہ قائم ہوئی اور آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے علی قرار دیا ہے اور آپ زندہ موجود ہیں۔ اس لئے آپؑ کو چھوڑ کر وفات یافتہ علی کی طرف رجوع کرنا اور ان کی خلافت بلافصل پر زور دینا اور مسیح موعود کو امام مہدی تسلیم نہ کرنا ایک ایسا امر ہے جو منشاء ایزدی کے خلاف ہے۔

اس عبارت میں حضرت علیؓ کی کوئی توہین اور تحقیر مقصود نہیں بلکہ حقیقت الامر کا بیان کرنا مقصود ہے کہ زندہ خلیفہ کی موجودگی میں وفات یافتہ خلیفہ کا معاملہ لے بیٹھنا اور اس کی خلافت پر زور دینا اور زندہ امام کی خلافت کو ردّ کرنا پسندیدہ بات نہیں۔ اس عبارت میں جو مردہ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ تحقیر کے لئے نہیں بلکہ اس واقعہ کے اظہار کے لئے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جسمانی لحاظ سے مر چکے ہیں۔ لہٰذا اب ان کی خلافت کا معاملہ زندہ امام کی موجودگی میں ختم کر دینا چاہیئے اور امام الزمان کو حکم عدل مان کر اپنی اصلاح کرنی چاہیئے۔

یہ امر محال ہے کہ حضرت الامام المہدی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی تحقیر کریں۔ کیونکہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کی شان بہت بلند ہے۔ چنانچہ آپؑ اپنی کتاب سِرّ الخلافۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"کان رضی اللّٰہ عنه تَقِیًّا نَقِیًّا من الذین هم احبّ النّاس الی الرحمٰن ومن نخب الجِیل و سادات الزمان. اسد اللّٰہ الغالب و فتی اللّٰہ الحنان. ندالکفّ طیّب الجنان و کان شجاعًا وحیدًا لا یزایل مرکزہ فی المیدان. و لو قابله فوجٌ من اهل العدوانِ ...... ومن انکر کماله فقد سَلَکَ مَسْلَکَ الْوَقَاحَةِ ...... و کان من عباد اللّٰہ المقربین ومع ذلک کان من السابقینَ فی ارتضاع

كأس الفرقان وَاُعْطِیَ لَهٗ فَهْمٌ عجيب لادراک دقائق القرآن"۔

(سرّ الخلافة۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 358)

ترجمہ:۔ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ تقی اور نقی تھے ان لوگوں میں سے جو رحمٰن خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اور منتخب خاندان میں سے تھے۔ اپنے زمانے کے سرداروں میں سے، خدا کے غالب شیر تھے۔ اور خدائے حنّان کے جوان تھے۔ سخی، خوش دل اور یگانہ بہادر تھے جو میدان سے نہیں ہٹتے تھے خواہ ان کے مقابلہ میں دشمنوں کی ایک فوج ہو......اور جس نے آپؓ کے کمالات کا انکار کیا تو وہ بُرے طریق پر چلا......آپؓ خدا کے مقرب بندوں میں سے تھے اور اس کے ساتھ ہی اُن سابقین میں سے تھے جنہوں نے فرقان کا پیالہ چوس کر پیا اور آپ کو قرآنی دقائق کا عجیب فہم عطا کیا گیا تھا''۔

اِسی سلسلہ میں سرالخلافہ صفحہ 359 پر آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

''وَلِیْ مُنَاسَبَةٌ لَطِیْفَةٌ بِعَلِیٍّ وَالْحَسَنَیْنِ ولایعلم سرَّ ها اِلَّا رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَالْمَغْرِبَیْنِ وَاِنِّیْ اُحِبُّ عَلِیًّا وَابْنَاهُ وَاُعَادِیْ مَنْ عَادَاهُ''

یعنی مجھے حضرت علیؓ اور حسنینؓ سے ایک لطیف مناسبت ہے اور اس کے راز کو صرف دو مشرقوں اور مغربوں کا ربّ ہی جانتا ہے۔ اور مَیں علیؓ اور اس کے دونوں بیٹوں سے محبت رکھتا ہوں اور جو آپؓ سے دشمنی رکھے اُس کا دشمن ہوں''۔

اِن عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت علیؓ کے لئے مُردہ کا لفظ وفات یافتہ کے معنوں میں استعمال کر رہے تھے نہ تحقیر کے معنوں میں۔ اور وفات کے معنوں میں یہ لفظ انبیاء کے حق میں بھی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ اَفَاِئنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ (الانبیاء:35)

کہ ہم نے کسی بشر کو تجھ سے پہلے ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ پس کیا اے نبی اگر تُو مر جائے۔ تو یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں!

نیز فرمایا:۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ (الزمر: 31)

کہ بے شک تُو بھی مرجانے والا ہے اور یہ لوگ بھی مرجانے والے ہیں۔

پس جسمانی موت سے کسی نبی اور ولی کو مفر نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک تمام اصفیاء روحانی لحاظ سے آسمان میں زندہ ہیں جیسا کہ حمامۃ البشریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”ثُمَّ اعلموا ایّھاالاعزّۃ ان حیاتَ رسُولنا صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ثابتٌ بنصوص حدیثیۃ وقد قال رسُول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم انی لااُترکُ مَیِّتًا فی قبری الٰی ثلا ثۃ ایّامٍ او اربعین باختلاف الروایۃ بل اُحیَا واُرفَعُ الی السماءِ واَنتَ تعلَمُ انّ جسمہُ العنصریّ مدفون فی المدینۃ فما معنی ھذا الحدیث الا الحیات الروحانی ورفع الروحانی الذی ھوسُنّۃ اللّٰہ باصفیائہ بعد ما توفّاھُمُ کما قال يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ...... وقد جَرَتْ عادت اللّٰہ تعالٰی انہ یرفع الیہ عبادہ الصالحین بعد موتِھم ویُؤْویھم فی السمٰوٰتِ بحسب مراتبھم“۔

(حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 220-221)

ترجمہ:۔ اے پیارو! جان لو کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

نصوص حدیثیہ سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ بے شک میں اپنی قبر میں (مردہ) نہ چھوڑا جاؤں گا تین دن تک یا چالیس دن تک باختلاف روایت (دیکھئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے مردہ کا لفظ استعمال فرماتے ہیں جو تحقیر کے لئے نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت کے لئے ہے۔اسی طرح اقتباس میں حضرت علیؓ کے لئے مردہ کا لفظ استعمال ہوا) بلکہ میں زندہ کیا جاؤں گا اور آسمان کی طرف اُٹھایا جاؤں گا۔حالانکہ اے مخاطب! تُو جانتا ہے کہ آپؐ کا جسمِ عنصری مدینہ میں مدفون ہے۔پس اس حدیث کے معنے بجُز روحانی زندگی اور روحانی رفع کے جو خدا تعالیٰ کی اپنے اصفیاء سے ان کو وفات دینے کے بعد سنت ہے اور کچھ نہیں ہو سکتے۔جیسا کہ اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا ہے کہ اے نفسِ مطمئنّہ! تُو اپنے رب کی طرف لوٹ آ......اور اللہ کی یہ جاری عادت ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کا ان کی موت کے بعد اپنی طرف رفع کرتا ہے اور انہیں آسمانوں میں ان کے مرتبہ کے مطابق جگہ دیتا ہے''۔

سِرّ الخلافۃ میں آپؑ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو **عباد المقربین** میں سے قرار دیا ہے اور **حمامة البشریٰ** میں **عباد اللّٰہ الصالحین** کو مرفوع الی اللہ قرار دیتے ہوئے روحانی لحاظ سے آسمان میں زندہ قرار دیا ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ اقتباس زیر بحث میں حضرت علیؓ کے لئے مردہ کا لفظ تحقیراً استعمال نہیں ہوا بلکہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے استعمال ہوا ہے کہ جسمانی لحاظ سے آپؓ زندہ نہیں۔ پس ان کی خلافت کو زیر بحث لانا اور امام وقت الامام المہدی کا انکار کرنا بے وقت کی راگنی ہے۔

متفرق اعتراضات

عدالت میں معاہدہ کی حقیقت

اعتراض نمبر 1

مرزا صاحب نے مجسٹریٹ سے ڈر کر عدالت میں لکھ دیا کہ میں کوئی ایسی پیشگوئی جو کسی کی موت کے متعلق ہو۔بغیر فریق ثانی کی اجازت کے شائع نہ کروں گا۔

الجواب

ڈر کر ایسا کرنے کا اعتراض درست نہیں کیونکہ یہ معاہدہ تو حضرت اقدسؑ کے پرانے دستور کے مطابق ہوا تھا کیونکہ اس معاہدہ سے تیرہ سال پہلے آپ نے اشتہار 20رفروری 1886ء میں بعض لوگوں کے ذکر میں لکھا تھا:۔

''اگر کسی صاحب پر کوئی ایسی پیشگوئی شاق گزرے تو وہ مجاز ہیں کہ یکم مارچ 1886ء سے یا اس تاریخ سے جو کسی اخبار میں پہلی دفعہ یہ مضمون شائع ہو ٹھیک ٹھیک دو ہفتہ کے اندر اپنی دستخطی تحریر سے مجھ کو اطلاع دیں تا وہ پیشگوئی جس کے ظہور سے وہ ڈرتے ہیں اندراج رسالہ سے علیحدہ رکھی جائے۔اور موجبِ دل آزاری سمجھ کر کسی کو اس پر مطلع نہ کیا جاوے اور کسی کو اس کے وقتِ ظہور سے خبر نہ دی جائے''۔

(اشتہار مذکور مندرجہ تبلیغِ رسالت جلد 1 صفحہ 58 مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ 95)

پھر خاص عدالتی معاہدہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''یہ ایسے دستخط نہیں ہیں جن سے ہمارے کاروبار میں کچھ بھی حرج ہو۔بلکہ مدت ہوئی کہ میں کتاب انجام آتھم کے صفحہ اخیر میں بتصریح اشتہار

دے چکا ہوں کہ ہم آئندہ ان لوگوں کو مخاطب نہیں کریں گے جب تک خود ان کی طرف سے تحریک نہ ہو۔ بلکہ اس بارے میں ایک اشتہار بھی شائع کر چکا ہوں جو میری کتاب آئینہ کمالات اسلام میں درج ہے...... مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ ان لوگوں نے محض شرارت سے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ اب الہام کے شائع کرنے کی ممانعت ہوگئی اور ہنسی سے کہا کہ اب الہام کے دروازے بند ہو گئے۔ مگر ذرہ حیاء کو کام میں لا کر سوچیں کہ اگر الہام کے دروازے بند ہو گئے تھے تو میری بعد کی تالیفات میں کیوں الہام شائع ہوئے۔ اسی کتاب تریاق القلوب کو دیکھیں کہ کیا اس میں الہام کم ہیں''۔

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 314 حاشیہ)

پھر اس معاہدہ سے چھ سال قبل حضورؑ نے تحریر فرمایا:۔

''اس عاجز نے اشتہار 20رفروری 1886ء میں......اندرمن مرادآبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت کی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو ان کی قضاء وقدر کی نسبت بعض پیشگوئیاں شائع کی جائیں۔ سو اس اشتہار کے بعد اندرمن نے تو اعراض کیا اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہوگیا۔ لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا کہ میری نسبت جو پیشگوئی چاہو شائع کردو میری طرف سے اجازت ہے''۔

(اشتہار 20 فروری 1893ء تبلیغ رسالت جلد 3 صفحہ 4 مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ 304)

پھر 20رفروری 1899ء کے اشتہار میں یعنی معاہدہ عدالت کے چار دن پہلے سے جو 24رفروری 1899ء کو ہوا تحریر فرماتے ہیں:۔

''میرا ابتداء ہی سے یہ طریق ہے کہ مَیں نے کبھی کوئی انذاری

پیشگوئی بغیر رضامندی مصداقِ پیشگوئی کے شائع نہیں کی‘‘۔

(تبلیغ رسالت جلد 8 صفحہ 28)

پس جو احتیاط حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انذاری پیشگوئیوں کے متعلق پہلے سے کر رکھی تھی۔ بالکل اسی کے مطابق عدالت میں معاہدہ ہوا ہے تو پھر عدالت سے ڈر کر معاہدہ کرنے کا الزام باطل ہوا۔

شعر کہنے پر اعتراض

اعتراض نمبر 2

نبی شاعر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:۔

وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔ (یٰسٓ:70)

چونکہ مرزا صاحبؑ نے شعر کہے۔ اس لئے وہ نبی نہیں ہو سکتے؟

الجواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔ ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق

اِس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

آیت وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔ (یٰسٓ:70) اپنے سیاق کے لحاظ سے قرآن کریم کے متعلق ہے۔ جس پر آیت کے اگلے الفاظ:۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۔ (یٰسٓ:70) روشن دلیل ہیں۔

ترجمہ:۔ یہ ہے کہ ہم نے اس نبی کو کافروں کے خیال کے مطابق شعر نہیں سکھایا۔ یہ تو نصیحت اور قرآنِ مبین ہے۔ کافروں کا یہ اعتراض تھا کہ قرآن مجید ان معنوں میں شعر ہے کہ وہ ایک جذباتی کلام ہے اور جھوٹ پر مشتمل ہے۔ خدا نے فرمایا کہ قرآن مجید ان کے مزعومہ معنی میں شعر نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو نصیحت ہے اور ایسی کتاب ہے جو بار بار پڑھی جائے گی۔ اور مضمون کو کھول کر بیان کرنے والی ہے۔

بیشک شعر گوئی کوئی اچھا پیشہ نہیں جیسا کہ بعض شاعروں نے اسے اختیار کر رکھا ہوتا ہے۔ ایسے ہی شعراء کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔

(الشعراء: 225 تا 228)

ترجمہ:۔ اس کا یہ ہے کہ عام شاعر وہ ہیں جن کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور وہ باتیں کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔ مگر مومن شعراء ایسے نہیں جو اعمال صالحہ بجا لائے اور انہوں نے اللہ کا ذکر کیا اور مظلوم ہونے پر بدلہ لیا۔ چونکہ مومنوں کے شعر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور مناجات اور دینی نصائح پر مشتمل ہوتے ہیں یا مظلوم ہونے کے بعد جوابی صورت میں کہے گئے ہوتے ہیں۔

اس لئے ایسے اشعار ممنوع نہیں۔ پاکیزہ اشعار خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنا کرتے تھے اور بعض دفعہ حضرت حسانؓ کو فہمائش کر کے شعروں میں قریش کی ہجو کرائی اور انہیں یہ تسلی دی کہ رُوح القدس تمہارے ساتھ ہے اور ایک موقع پر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید کا یہ شعر:

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ

اس مصرع کو پڑھ کر پسند فرمایا ہے۔ اور جنگ کے موقع پر یہ دو۲ شعر موزوں کئے ہیں۔ جنگ حنین میں فرمایا:۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبُ

(بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ۔ویوم حنینٍ اذ اَعجبَتکم کثرتکم......)

ایک موقع پر اپنی انگلی زخمی ہو جانے پر فرمایا:۔

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبُعٌ دَمِیْتِ
وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا لَقِیْتِ

(بخاری کتاب الجہاد و السیر باب مایجوز من الشعر والرجز......)

کہ تُو تو صرف ایک انگلی ہے جس سے خون بہہ پڑا ہے اور تو نے اللہ کی راہ میں یہ تکلیف اُٹھائی ہے۔

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی نے شعر کے متعلق لکھا ہے:۔

''جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا۔ اس کو شاعر جانتے تھے۔ جاہلیت کی قدیم شاعری میں زیادہ تر اسی قسم کے برجستہ اور دل آویز فقرے اور مثالیں پائی جاتی ہیں جو عرب کی عام بول چال سے فوقیت اور امتیاز رکھتی تھیں۔ یہی سبب تھا کہ جب قریش نے قرآن مجید کی نرالی اور عجیب عبارت سُنی تو جنہوں نے اس کو کلامِ الٰہی نہ مانا۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے لگے حالانکہ قرآن شریف میں وزن کا مطلق التزام نہ تھا''۔

(مقدمہ شعروشاعری صفحہ 36،37 از مولٰنا الطاف حسین حالی مطبوعہ سٹار بکڈ پو اردو بازار لاہور 2)

امام راغب اصفہانی رحؒ نے اپنی مشہور لغت میں شعر کے متعلق لکھا ہے:۔

''اَلشِّعْرُ یُعَبَّرُبِہٖ عَنِ الْکِذْبِ''

کہ شعر کا لفظ جھوٹ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ انہی معنوں کے لحاظ سے قرآن کریم کے متعلق کہا گیا ہے کہ:۔

''وَ مَا ھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ''

کہ قرآن شاعر کا کلام نہیں یعنی وہ جھوٹ پر مشتمل نہیں۔

غالبًا مومنوں کے اشعار کے پیش نظر ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً۔ (ابن ماجہ، کتاب الادب، باب الشعر 3755)

کہ بعض شعر حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں۔

پس جو شعر حکمت پر مشتمل ہوں وہ منافیء نبوت نہیں۔ داؤد علیہ السلام کی زبور ایسے ہی اشعار پر مشتمل تھی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی الہام ہوا ہے:۔

''در کلامِ تو چیزے است کہ شعراء را درآں دخلے نیست''

کہ تیرے کلام میں وہ بات پائی جاتی ہے جس میں شعراء کو دخل نہیں۔

وعدہ خلافی کا الزام

اعتراض نمبر 3

الزام یہ ہے کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کا اشتہار دیا اور لوگوں سے روپیہ وصول کیا کہ تین سو دلائل پچاس جلدوں میں لکھوں گا۔مگر وعدہ پورا نہ کیا اور لوگوں کا روپیہ کھا گئے۔

الجواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا ارادہ تو پچاس جلد میں براہین احمدیہ لکھنے کا ہی تھا مگر ابھی چار حصے ہی لکھنے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اصلاح دنیا کے لئے مامور فرما دیا اور پھر آپ نے اسّی۸۰ کے قریب کتابیں اسلام کی حقانیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شائع کیں جن میں اپنے سینکڑوں نشانات درج کئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تبدیلیٔ حالات کا ذکر براہین احمدیہ حصہ چہارم کے ٹائٹل پیج پر یوں کیا ہے:۔

''ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔ پھر بعد اس کے قدرت الٰہیہ کی ناگہانی تجلّی نے اس احقر عباد کو موسیٰ کی طرح ایک ایسے عالم سے خبر دی جس سے پہلے خبر نہ تھی یعنی یہ عاجز بھی حضرت ابن عمران کی طرح اپنے خیالات کی شبِ تاریک میں سفر کر رہا تھا کہ ایک دفعہ پردہ غیب سے اِنِّیْ اَنَارَبُّکَ کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی۔ سو اب اس کتاب کا متولّی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت ربّ العالمین ہے۔ اور کچھ معلوم نہیں کہ

کس اندازہ اور مقدار تک اس کو پہنچانے کا ارادہ ہے۔اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اُس نے جلد چہارم تک انوار حقیقت اسلام کے ظاہر کئے ہیں۔یہ بھی اتّمام ِحُجّت کے لئے کافی ہیں اور اس کے فضل وکرم سے امید کی جاتی ہے کہ وہ جب تک شکوک اور شبہات کی ظلمت کو بکلّی دور نہ کرے اپنی تائیداتِ غیبیہ سے مددگار رہے گا''۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

''اِس جگہ اُن نیک دل ایمانداروں کا شکر ادا کرنا لازم ہے جنہوں نے اِس کتاب کے طبع ہونے کے لئے آج تک مدد دی ہے۔خدا تعالیٰ ان سب پر رحم کرے۔اور جیسا انہوں نے اس کے دین کی حمایت میں اپنی دلی محبت سے ہر یک دقیقہ کوشش کے بجالانے میں زور لگایا ہے خداوند کریم ایسا ہی ان پر فضل کرے۔بعض صاحبوں نے اس کتاب کو محض خرید وفروخت کا ایک معاملہ سمجھا ہے اور بعض کے سینوں کو خدا نے کھول دیا اور صدق اور ارادت کو ان کے دلوں میں قائم کر دیا ہے''۔

(براہین احمدیہ چہار حصص روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 673)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وعدہ میں تبدیلی حالات کی تبدیلی سے ہوئی ہے۔

حالات کی تبدیلی سے وعدہ میں تبدیلی کا ثبوت

(حدیث اوّل):

عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهُ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لِقُرَيْشٍ اِسْئَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ وَعَنْ اَصْحَابِ الْكَهْفِ وَذِى الْقَرْنَيْنِ فَسَئَلُوْهُ فَقَالَ اِيْتُوْنِى غَدًا اُخْبِرُكُمْ وَلَمْ يَسْتَثْنِ فَاَبْطَأَ عَنْهُ الْوَحْىُ بِضْعَةَ عَشَرَيَوْمًا حَتّٰى شَقَّ

عَلَيۡهِ وَ كَذَّبَتۡهُ قُرَيۡشٌ. (تفسیر کمالین بر حاشیہ جلالین صفحہ 241 مجتبائی)

ترجمہ:۔ مجاہد سے مروی ہے یہودیوں نے قریش سے کہا اس نبی سے روح، اصحابِ کہف اور ذی القرنین کے متعلق سوال کرو۔ پس انہوں نے سوال کیا تو نبی کریمؐ نے فرمایا۔ کل آنا میں تمہیں بتاؤں گا۔ اور کوئی استثناء نہ کیا تو وحی چند دن تک رُکی رہی۔ یہاں تک کہ یہ امر آپؐ پر شاق گزرا اور قریش نے آپؐ کو جھٹلایا۔

(حدیث دوم)

مشکوٰۃ کتاب التصاویر صفحہ 385 مجتبائی دہلی میں ہے کہ جبریل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کو آنے کا وعدہ کیا۔ مگر حسبِ وعدہ نہ آئے۔ دوسرے دن جب آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:۔

"لَقَدۡ كُنۡتَ وَعَدۡتَنِيۡ اَنۡ تَلۡقَانِيۡ فِي الۡبَارِحَةِ قَالَ اَجَلۡ وَلٰكِنَّا لَا نَدۡخُلُ بَيۡتًا فِيۡهِ كَلۡبٌ وَ لَا صُوۡرَةٌ"۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ آپ تو کل آنے کا وعدہ کر گئے تھے۔ جبریل نے کہا ہاں وعدہ تو کیا تھا مگر ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہوا کرتے جس میں کتّا یا تصویر ہو"۔

پہلی روایت سے ظاہر ہے کہ وحی نہ آنے کی وجہ سے جس میں خدا کی کوئی مصلحت تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگلے دن تینوں سوالوں کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور دوسری روایت سے بھی ظاہر ہے کہ تبدیلی حالات کی وجہ سے جبریل وعدہ ایفاء نہ کر سکے۔

پس جب وعدہ کرنے والا اپنی کسی بدنیّتی سے وعدہ پورا نہ کر سکے تو تب قابلِ مؤاخذہ ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ میں مشیّت الٰہی

حائل ہوئی اور مسیح موعود علیہ السلام کے وعدہ میں بھی مشیّتِ الٰہی حائل ہوئی۔ پس پچاس جلدیں نہ لکھنے کا الزام جائز نہیں۔

حضور علیہ السلام نے ایک عرصہ کے بعد براہین کی پانچویں جلد تحریر فرمائی اور اس وقت تصنیف فرمائی جب کہ پہلی کتاب کی پیشگوئیاں آپؑ کے حق میں پوری ہوئیں۔ اس طرح یہ پانچ جلدیں پچاس کے قائم مقام قرار پائیں۔ جیسے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا جو بار بار کی تخفیف کی درخواست پر کم ہو کر پانچ رہ گئیں۔ اور پھر خدا نے فرمایا:۔

هِیَ خَمْسٌ وَهِیَ خَمْسُوْنَ۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوات فی الاسراء)

یعنی "یہ پانچ بھی ہیں اور پچاس بھی" مراد یہ ہے کہ یہ پانچ ہی پچاس کے برابر ہوں گی اور پانچ پر پچاس کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ کی پانچ جلدیں پچاس کا کام کر گئیں۔ انہی معنی میں آپؑ نے یہ فرمایا ہے:۔

"پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔ اس لئے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا۔

(دیباچہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 9)

مراد یہ ہے کہ یہ پانچ جلدیں نتیجہ کے لحاظ سے پچاس کے برابر ہیں۔

روپیہ کھانے کا الزام

بعض لوگوں نے بدگمانی اور بدگوئی سے کام لیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلان فرمایا:۔

''ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد یا دیر سے اپنے روپیہ کو یاد کر کے اس عاجز کی نسبت کچھ شِکوہ کرنے کو تیار ہیں یا اُن کے دل میں بھی بدظنّی پیدا ہوسکتی ہے۔ وہ براہِ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھ کو بذریعہ خط مطلع فرماویں اور مَیں ان کا روپیہ واپس کرنے کے لئے یہ انتظام کروں گا کہ ایسے شہر میں یا اس کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کر دوں گا کہ تا چاروں حصّے کتاب کے لے کر روپیہ اُن کے حوالے کرے اور میں ایسے صاحبوں کی بد زبانی اور بدگوئی اور دُشنام دہی کو بھی محض للہ بخشتا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لئے قیامت میں پکڑا جائے۔ اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدارِ کتاب فوت ہو گیا ہو اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملتی ہو۔ تو چاہیئے کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصلی وارث وہی ہے۔ وہ خط میری طرف بھیج دے تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیج دیا جائے گا''۔

(تبلیغ رسالت جلد 3 صفحہ 35، 36 مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 332)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں اکثر نے گالیاں بھی دیں اور قیمت بھی واپس لی''۔ (دیباچہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 7)

پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

''ہم نے ...... دو مرتبہ اشتہار دے دیا کہ جو شخص براہین احمدیہ کی

قیمت واپس لینا چاہے وہ ہماری کتابیں ہمارے حوالے کرے اور اپنی قیمت لے لے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے۔ انہوں نے کتابیں بھیج دیں اور قیمت واپس لے لی۔ اور بعض نے تو کتابوں کو بہت خراب کر کے بھیجا۔ مگر پھر بھی ہم نے قیمت دے دی...... خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے دنی الطبع لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ہمیں فراغت بخشی''۔

(ایّام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 421-422)

تین سو دلائل کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثباتِ حقیّتِ اسلام کے لئے تین سو دلیل براہین احمدیہ میں لکھوں۔ لیکن جب مَیں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم (اعلیٰ تعلیمات و زندہ معجزات) کے دلائل ہزار ہا نشانوں کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کے لئے مجھے شرح صدر عنایت کیا''۔

(دیباچہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 6)

یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اسّی ۸۰ کے قریب کُتب لکھی ہیں۔ اِن میں صداقتِ اسلام کے تین سو سے زیادہ دلائل موجود ہیں۔

اعتراض نمبر 4

مشورہ سے مسیح موعود کے دعویٰ کا الزام اور اُس کا ردّ

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی اپنی کتاب ''قادیانیت'' کے صفحہ 66 پر لکھتے ہیں:۔

''اسی سال (1891ء) کے آغاز میں حکیم صاحب (حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ۔ ناقل) نے ایک خط میں مرزا صاحب کو

مشورہ دیا کہ وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کریں''۔

اور یہ بھی لکھا کہ:۔

''ہم کو حکیم صاحب کا اصل خط تو نہیں مل سکا لیکن مرزا صاحب نے اس خط کا جو جواب لکھا ہے اس میں حکیم صاحب کے اس مشورہ کا حوالہ ہے''۔

اور مولوی ندوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

''اس سے اس تحریک کے فکری سرچشمہ کا اور اس کے اصل مجوّز اور مصنّف کا علم ہوتا ہے''۔

(قادیانیت از ابوالحسن ندوی صفحہ 67 بار اوّل مکتبہ دینیات لاہور)

آگے مولوی ندوی صاحب نے خط کا اقتباس درج کیا ہے جو یوں ہے:۔

''جو کچھ آنمخدوم نے تحریر فرمایا ہے۔ اگر دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مثیلِ مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے تو اس میں حرج کیا ہے۔ درحقیقت اس عاجز کو مثیلِ مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں۔ یہ بننا چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کرلیوے۔ لیکن ہم ابتلاء سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلاء ہی کو رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔

(مکتوبات احمد جلد دوم صفحہ 98-99 مکتوب نمبر 63 مطبوعہ اپریل 2008ء)

اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے اس مشورہ کو جو انہوں نے دمشقی حدیث کے ابتلاء پیدا ہونے کے خطرہ کے ماتحت از خود یا قبول نہیں فرمایا۔ اور اپنے آپ کو دمشقی حدیث کا مصداق قرار دینے سے جو ابتلا پیش آسکتی تھی اس ابتلا کو ترقیات کا ذریعہ قرار دیا۔ پس اس خط

سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے مشورہ سے مسیح موعود کا دعویٰ کیا۔ مسیح موعود کا دعویٰ تو ہو چکا تھا اور حضرت مولوی صاحبؓ کو اس پر اطلاع ہو چکی تھی۔ اِس اطلاع ہی پر تو حضرت مولوی صاحبؓ یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ دمشقی حدیث کا اپنے تئیں مصداق قرار نہ دیں مگر اُن کا یہ مشورہ آپؑ نے ردّ کر دیا۔

عجیب بات ہے کہ مولوی ندوی صاحب کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ مرزا صاحبؑ نے حکیم صاحبؓ کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

> ”مرزا صاحب نے جس انداز میں حکیم صاحب کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی ہے اور ان کے خط سے جس کسرِ نفسی، تواضع اور خشیّت کا اظہار ہوتا ہے وہ بڑی قابلِ قدر چیز ہے۔ اور اس سے مرزا صاحب کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے“۔
>
> (قادیانیت از ابوالحسن ندوی صفحہ 70 بار اوّل مکتبہ دینیات لاہور)

اس عبارت تک ندوی صاحب نے مستشرقین کی طرز پر حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے حضرت مولوی نورالدینؓ کے مشورہ کو قبول کرنے کا ذکر کر کے آپؑ کی تعریف کی ہے۔ اور اب دیکھئے وہ مٹھاس میں کس طرح زہر ملاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ”لیکن ان کی کتابوں کا تاریخی جائزہ لینے کے بعد یہ تاثر اور عقیدت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اچانک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ اور اعلان کر دیا“۔ (قادیانیت از ابوالحسن ندوی صفحہ 70 بار اوّل مکتبہ دینیات لاہور)

واضح ہو کہ مولوی ندوی صاحب کو مسلّم ہے۔ کہ وہ مکتوب جوانہوں نے نقل کیا ہے۔ اس پر 24/جنوری 1891ء کی تاریخ درج ہے۔ ملاحظہ ہو قادیانیت صفحہ 67۔

تجویز قبول کر لینے کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ 1891ء کی تصنیف ''فتح اسلام'' میں:۔

''ہم پہلی مرتبہ ان کا یہ دعویٰ پڑھتے ہیں وہ مثیلِ مسیح اور مسیح موعود ہیں''۔

مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب نے جو خط مسیح موعود علیہ السلام کو لکھا ہے وہ آپؑ کے اس دعویٰ مسیح موعود پر اطلاع پانے کے بعد لکھا ہے۔ اور اس اطلاع پر حضرت مولوی صاحبؓ نے ازخود یہ مشورہ دیا ہے کہ دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر مثیلِ مسیح کا دعویٰ کیا جائے۔ حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب کو یہ لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اب مثیلِ مسیح کا دعویٰ بطور مسیح موعود کر چکے تھے ورنہ مثیلِ مسیح کا دعویٰ علی الاطلاق تو اس سے بہت پہلے آپؑ براہین احمدیہ میں پیش کر چکے ہوئے تھے۔

حضرت مولوی صاحبؓ کا مشورہ یہ نہ تھا کہ آپؑ مثیلِ مسیح کا دعویٰ کریں بلکہ مشورہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو دمشقی حدیث کا مصداق ظاہر نہ کریں۔ یہ مشورہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ہرگز قبول نہیں کیا۔ اور مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا یہ لکھنا بالکل غلط ہے کہ:۔

''اچانک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کر لیا''۔ (قادیانیت از ابوالحسن ندوی صفحہ 70 بار اول مکتبہ دینیات لاہور)

پھر غور سے مکتوب پڑھیئے۔ حضرت مولوی صاحبؓ کے خط میں تجویز یہ نہیں تھی کہ مثیلِ مسیح کا دعویٰ کریں۔ بلکہ تجویز یہ تھی کہ دمشقی حدیث کا اپنے تئیں مصداق ظاہر نہ کریں۔ اور اسے چھوڑ کر مثیلِ مسیح یعنی مسیح موعود کا دعویٰ کریں۔ دمشقی حدیث

کا مصداق ظاہر کرنے پر حضرت مولوی صاحبؓ کے نزدیک ابتلا کا ڈر تھا۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خط سے ظاہر ہے کہ آپؑ اس ابتلا سے نہیں ڈرے بلکہ اس کو ترقیات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔اسی وجہ سے تو مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کو یہ لکھنا پڑا کہ:۔

''مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی ہے''۔

خط کے منطوق سے معذرت ہی ظاہر ہوتی ہے۔جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے مشورہ قبول نہیں کیا۔اب اگر بقول مولوی ابوالحسن صاحب ندوی فتح اسلام کی اشاعت کے وقت آپؑ نے حضرت مولوی صاحبؓ کا مشورہ قبول کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا۔پھر چاہیے تو یہ تھا کہ آپؑ 1891ء میں اپنے آپکو دمشقی حدیث کا مصداق قرار نہ دیتے۔لیکن ہم اسکے برعکس یہ دیکھتے ہیں کہ 1891ء کی تصنیف ازالہ اوہام میں آپؑ نے دمشقی حدیث کا اپنے تئیں مصداق قرار دیا ہے۔جس پر ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 134-135 کا حاشیہ شاہد ناطق ہے۔ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:۔

''صحیح مُسلم میں یہ جو لکھا ہے کہ حضرت مسیح دمشق کے منارہ سفید شرقی کے پاس اُتریں گے......دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر منجانب اللہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزید الطبع اور یزید پلید کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں''۔

آگے ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 حاشیہ صفحہ 138 پر لکھتے ہیں:۔

''قادیان کی نسبت مجھے یہ بھی الہام ہوا کہ اُخْرِجَ مِنْهُ الْيَزِيْدِيُّوْن یعنی اس میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے ہیں''۔

اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الہام:۔

"اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِيْبًا مِّنَ الْقَادِيَان"

درج کر کے لکھا ہے:۔

"اب جو ایک نئے الہام سے یہ بات بہ پایہ ثبوت پہنچ گئی کہ قادیان کو خدائے تعالیٰ کے نزدیک دمشق سے مشابہت ہے"۔

پھر آگے اس کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے:۔

"اس کی تفسیر یہ ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِيْبًا مِّنْ دِمَشْقَ بِطَرْفٍ شَرْقِيٍّ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَآءِ کیونکہ اس عاجز کی سکونتی جگہ قادیان کے شرقی کنارہ پر ہے"۔ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 139 حاشیہ)

اِن اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دمشقی حدیث کو اپنے اُوپر چسپاں کیا ہے اور قادیان کو بطور استعارہ دمشق سے تعبیر کیا ہے۔

اِس بات کا ثبوت کہ مثیل مسیح کا دعویٰ فتح اسلام سے بھی پہلے موجود تھا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ازالہ اوہام میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ مَیں مسیح بن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام میرے پر لگاوے وُہ سراسر مُفتری اور کذّاب ہے۔ بلکہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ مَیں مثیلِ مسیح ہوں"۔ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 192)

اس سے ظاہر ہے کہ 1891ء سے جب کہ ازالہ اوہام شائع ہوئی سات آٹھ سال پہلے سے آپؑ کا دعویٰ مثیلِ مسیح کا موجود تھا چنانچہ یہ دعویٰ براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے۔ آپؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقع ہوئی

ہے۔ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بحدی اتحاد ہے کہ نظرِ کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے......سو چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اِس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے''۔

(براہین احمدیہ حصّہ چہارم روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 593-594 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

اِس سے ظاہر ہے کہ ازالہ اوہام میں حضورؑ کا یہ لکھنا بالکل بجا تھا کہ سات آٹھ سال پہلے سے آپؑ کا مثیل مسیح کا دعویٰ موجود تھا۔ اِس عبارت سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ مسیح کی آمد کی پیشگوئی میں شریک ہیں مگر اسکے باوجود آپؑ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔ کیونکہ رسمی عقیدہ کے طور پر آپؑ خود بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور اُن کی دوبارہ اصالتاً آمد کے قائل تھے۔

1890-91ء میں آپؑ کے دعویٰ مثیل مسیح کے ساتھ آپ پر الہاماً مسیح موعود ہونے کا انکشاف ہوا۔ اور آپؑ نے کھلے لفظوں میں اپنے تئیں مثیل مسیح ہونے کو بطور مسیح موعود قرار دیا اور مسیح ناصری کی اصالتاً آمد کے خیال کو ترک فرما دیا۔ کیونکہ اس بارہ میں آپؑ کو یہ الہام ہو چکا تھا کہ:۔

''مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے۔''وَکَانَ وَعدُاللّٰہِ مَفْعُوْلًا ''۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 402)

نیز آپؑ پر الہام ہو گیا تھا:۔

''جَعَلْنَا کَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ''۔

کہ ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا۔ (یعنی استعارہ کے طور پر)

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 442)

ابوالحسن صاحب ندوی مثیلِ مسیح کے دعویٰ کو 1891ء سے قرار دیتے ہیں۔حالانکہ یہ دعویٰ براہین احمدیہ میں موجود ہے۔پس مثیلِ مسیح کے دعویٰ کو ترک نہیں کیا گیا۔ بلکہ 1891ء میں اپنے مثیلِ مسیح ہونے کو ہی مسیح موعود الہاماتِ جدیدہ کی روشنی میں قرار دیا گیا ہے۔پس مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ:۔

''یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کرلیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے ''مثیل مسیح'' ہونے کا دعویٰ اور اعلان کردیا''۔

(قادیانیت از سید ابوالحسن ندوی صفحہ 70 ناشر مکتبہ دینیات لاہور بار اوّل)

قارئین پر واضح ہو کہ مثیلِ مسیح کا دعویٰ تو سات آٹھ سال پہلے موجود تھا۔اب اعلان یہ ہوا ہے کہ آپؑ مسیح موعود ہیں اور مسیح موعود کے لئے مثیلِ مسیح ہونا ضروری تھا۔لہٰذا عیسیٰ بن مریمؑ کا اصالتاً آمد کا خیال درست نہیں۔پس یہ اعلان آپؑ نے الہامات کی روشنی میں کیا ہے نہ کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے۔ بلکہ جو مشورہ انہوں نے ابتلاء سے ڈر کر دیا ہے۔اُسے تو آپؑ نے ردّ کردیا ہے اور ابتلاء کو ترقیات کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔لہٰذا ابوالحسن صاحب کو اپنے یہ الفاظ دل و جان سے قبول کر لینے چاہئیں:۔

''ان کے (یعنی حضرت مرزا صاحبؑ) خط سے جس کسر نفسی،تواضع اور خشیّت کا اظہار ہوتا ہے۔وہ بڑی قابلِ قدر چیز ہے۔اور اِس سے مرزا صاحب کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے''۔

خدا تعالیٰ نے مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کے قلم سے خود ایک حوالہ براہین احمدیہ سے ''قادیانیت'' کے صفحہ 47 پر درج کرادیا ہے جو اِس بات پر شاہدِ ناطق

ہے کہ براہین میں آپؑ نے مسیح سے مماثلت کا دعویٰ کیا تھا۔پیش کردہ عبارت کے الفاظ یہ ہیں:۔

''یہ عاجز (مؤلّف براہین احمدیہ) حضرت قادرِ مطلق جلّ شانہ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کے طرز پر کمال مسکینی وفروتنی وغربت وتذلّل وتواضع سے اصلاحِ خلق کے لئے کوشش کرے''۔

(تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 11۔مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ 25 اشتہار نمبر 13)

نبی کا اُستاد

اعتراض نمبر 5

نبی کا کوئی اُستاد نہیں ہوتا۔مگر مرزا صاحب کے اُستاد تھے۔جن سے انہوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا؟

الجواب

یہ تو درست ہے کہ روحانی امور میں نبی کا اُستاد خدا تعالیٰ ہوتا ہے۔اور اگر نبی تابع ہو تو متبوع نبی کی شریعت بھی روحانیت میں اس کا اُستاد ہوتی ہے۔لیکن اس بارہ میں کوئی دلیل موجود نہیں کہ ہر نبی کے لئے اُمّی (اَن پڑھ) ہونا ضروری ہے۔ انبیاء میں سے یہ شرف صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپؐ اُمّی تھے۔حسبِ آیت اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ (الاعراف:158)

توریت کے بعد سینکڑوں نبی آئے لیکن ان میں سے کسی کو اُمّی نہیں کہا

گیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خاص علامات میں سے اُمّی نبی ہونا ہے۔چنانچہ حضرت موسیٰؑ کا حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم پانا قرآن کریم کی سورۃ کہف میں موجود ہے۔حالانکہ موسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت نبی تھے۔اور حضرت خضرؑ کی نبوت مختلف فیہا ہے۔

تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤد علیہا السلام پر کتاب جو ایک بار اتری تو وہ لکھتے پڑھتے تھے اور ہمارے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُمّی تھے۔

(تفسیر حسینی مترجم اردو جلد 2 صفحہ 140 زیر آیت وَرَتَّلْنَاہُ تَرْتِیْلًا ۔الفرقان:۳۳)

اسی طرح بیضاوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے:۔"کَانَ اُمِّیًّا"۔ اور حضرت موسیٰؑ علیہ السلام حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق لکھا ہے:۔

"کَانُوْا یَکْتُبُوْنَ" کہ وہ لکھے پڑھے تھے۔

تفسیر بیضاوی میں زیر آیت ھَلْ اَتَّبِعُکَ (سُورۃ کہف) لکھا ہے:۔

"وَلَایُنَافِیْ نُبُوَّتَہٗ وَکَوْنَہٗ صَاحِبَ شَرِیْعَۃٍ اَنْ یَتَعَلَّمَ مِنْ غَیْرِہٖ مَالَمْ یَکُنْ شَرْطًا فِیْ اَبْوَابِ الدِّیْنِ"

(تفسیر بیضاوی جلد 1 تفسیر سورۃ الکہف زیر آیت:66۔مطبع دار احیاء التراث العربی)

یعنی حضرت موسیٰؑ کا کسی غیر سے ایسا علم سیکھنا جو امور دین میں سے نہ ہوان کی نبوت اور ان کے صاحبِ شریعت ہونے کے منافی نہیں ہے۔

پھر تفسیر حسینی میں ہے"کہ رسول ایسا چاہیئے ۔کہ جن کی طرف بھیجا گیا ہے ان سے ان اصول وفروع دین کا عالم زیادہ ہو جواُن کی طرف لایا ہے اور جو علم اس قبیل سے نہیں اس کی تعلیم امور نبوّت کے منافی نہیں اور اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ

دُنیَا کُمْ۔ (تفسیر حسینی مترجم اردو موسومہ تفسیر قادری جلد 1 صفحہ 638 سورۃ کہف)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق صحیح بخاری میں مروی ہے:۔

"اِذْ کَانَ بِهَا اَهْلُ اَبْيَاتٍ مِّنْهُمْ وَشَبَّ الْغُلَامُ وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ"

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب (یَزِفُّون) الصافات: ۹۴ النَّسَلَانُ فِی الْمشیِ)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت اُن (بنو جرحم) میں سے کچھ گھر والے جمع ہو گئے۔ وہ بچّہ (حضرت اسماعیل) جوان ہوا اور اس نے اُن سے عربی زبان کا علم حاصل کیا۔

نبی کا مرکّب نام

اعتراض نمبر 6

نبی کا نام مُرکّب نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کا نام مرکّب تھا؟

الجواب:۔ نبی کا نام نہ صرف مرکّب بلکہ مرکّب اضافی بھی ہوسکتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک نبی کا نام "ذَالْکِفْل" مذکور ہے جو مرکّب اضافی ہے۔ پھر اسماعیل بھی مرکّب نام ہے۔ "اسمع" اور "ایل" سے۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آیا ہے:۔

"اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ"

عیسیٰ ابن مریم بھی مرکب نام ہے اور پھر مسیح کے لفظ سے اس کو مزید ترکیب دی گئی ہے اور سارے نام کو "اِسْمُهٗ" کہا گیا ہے۔

حضرت یُونس علیہ السلام کا ایک نام "ذُو النُّوْن" بھی ہے جو مرکب ہے۔

حج نہ کرنے کی وجہ

اور

حدیث لَیُهِلَّنَّ ابْنُ مَرْیَمَ کی تشریح

اعتراض نمبر 7

مرزا صاحب نے حج کیوں نہیں کیا۔ جب کہ یہ اسلام کا ایک رکن ہے؟

الجواب:۔ حج کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا"۔

(آل عمران: 97)

ان شرائط میں رستہ کا امن اور صحت بھی داخل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ دونوں شرطیں حاصل نہ تھیں۔ کیونکہ مکّہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کُفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے رستہ کے امن کی شرط ثابت ہے۔ کیونکہ جب آپؐ طوافِ کعبہ کے لئے گئے اور حدیبیہ کے مقام پر روک دیئے گئے تو آپؐ واپس چلے آئے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی رُکے رہے۔ البتہ حدیثِ نبویؐ کے مطابق آپؑ کا حج بدل کرایا گیا۔ حدیثِ نبویؐ میں جو یہ وارد ہے:۔

"لَيُهِلَّنَّ ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ حَآجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا" الخ

(مسلم کتاب الحج باب اِهْلَال النبیؐ وهديه)

اس حدیث میں درحقیقت عیسائی دنیا کو یہ بتانا مقصود تھا کہ تمہارا مسیح بیت اللہ کا حج کرے گا۔ پس تمہارا فرض ہے کہ شریعتِ محمدیہؐ پر ایمان لاؤ۔ اس حدیث کا

تعلق اُمتِ محمدیہؐ کے مسیح موعود سے نہیں۔ یہ پیشگوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی پوری ہوگئی۔ چنانچہ حدیثِ نبویؐ میں ہے کہ:۔

"اِنَّهٗ مَرَّ بِالصَّخْرَةِ مِنَ الرَّوْحَاءِ سَبْعُوْنَ نَبِيًّا حُفَاتًا عَلَيْهِمُ الْعَبَاءُ يَطُوْفُوْنَ الْبَيْتَ الْعَتِيْقَ" (شَرْحُ التَّعَرُّف صفحہ7)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روحاء کی چٹان کے پاس سے ستر نبیوں نے ننگے پاؤں چادریں اوڑھے خانہ کعبہ کا طواف کیا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہی یہ بھی ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم هَرْشٰی گھاٹی کے پاس آئے تو فرمایا:۔

"كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى يُوْنُسَ عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةٌ...... مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِىْ مُلَبِّيًا"۔

(مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللّٰہ...... و مشکوٰة مجتبائی صفحہ 561)

ترجمہ:۔ اس کا یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ گویا مَیں دیکھ رہا ہوں کہ یونس نبی ایک سُرخ اونٹنی پر سوار صُوف کا جبّہ پہنے اس وادی سے تلبیّہ کرتے ہوئے گزر رہے ہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت یونس علیہ السلام کو حج کرتے دیکھا ہے۔ پس انبیاء سابقین کی ارواح بعد از وفات اپنے نورانی جسم کے ساتھ جو انہیں بعد از وفات ملتا ہے۔ خانہء کعبہ کا حج کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ پہلی حدیث میں ستّر نبیوں کے حج کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح حضرت عیسٰی بھی حج یا عمرہ کر چکے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں كُنْتُ اَطُوْفُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْلَ الْكَعْبَةِ اِذْ رَأَيْتُهُ صَافَحَ شَيْـئًا وَلَمْ أَرَاهُ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰه رَئَيْنَاكَ صَافَحْتَ شَيْئًا وَ لَا نَرَاهُ۔ قَالَ

ذٰلِکَ اَخِیْ عیسَی بْنُ مَرْیَم اِنْتَظَرْتُہٗ حَتّٰی قَضٰی طَوَافَہٗ فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ۔

(الفتاویٰ الحدیثیة للامام ابن حجر الهیثمی صفحه 154 مصری)

ترجمہ: راوی کہتا ہے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضور نے کسی سے مصافحہ کیا ہے جو مجھے نظر نہیں آیا میں نے کہا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو کسی سے مصافحہ کرتے دیکھا ہے اور اس شخص کو نہیں دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرا بھائی عیسیٰ بن مریم تھا۔ میں نے اس کے طواف کرنے کا انتظار کیا اور پھر میں نے اسے سلام کیا ہے۔

پس عیسیٰ علیہ السلام کے حج کی پیشگوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پوری ہو چکی ہے فج الروحا۔ وفات یافتہ لوگوں کا میقات احرام ہے۔

مالیخولیا مراق کے اعتراض کی تردید

اعتراض نمبر8

مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ انہیں مراق تھا۔لہٰذا اُن کے دعاوی، مالیخولیا کا نتیجہ تھے؟

الجواب:۔ انبیاء کو پہلے بھی لوگ مجنون کہتے رہے ہیں۔چنانچہ منکرین یہ کہتے آئے ہیں:۔

اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ (الصّافات:37)

ترجمہ:۔ ’’کیا ہم ایک شاعر مجنون کے لئے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں‘‘۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دیوانہ کہا گیا تو خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا:۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۔مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۔وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۔ (القلم:2تا7)

ترجمہ:۔دوات اور قلم اور جو کچھ لکھ رہے ہیں۔وہ شاہد ہیں کہ تو اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور تجھے خدا کی طرف سے ایسا بدلہ ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا اور تُو نہایت اعلیٰ اخلاق پر قائم ہے۔پس جلدی ہی تُو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔(یعنی کس کو خدا کی مدد ملتی ہے اور کون خدا کی نصرت سے محروم رہتا ہے)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہر جگہ اپنی دو بیماریوں کا ذکر فرمایا ہے۔جن میں سے ایک دورانِ سر اور دُوسری کثرتِ بول کی بیماری ہے۔اور مالیخولیا مراق کی بیماری سے جو صریح طور پر جنون کی ایک قسم ہے، آپؑ نے صریح انکار کیا ہے۔ڈائری میں جو مراق کا لفظ آیا ہے۔اس سے مراد مالیخولیا مراق نہیں بلکہ

پردۂ مراق کی بیماری دَورانِ سر ہے۔دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر کوئی خبیث مرض دامنگیر ہوجائے۔جیسا کہ جذام اور جنون اور اندھا ہونا اور مرگی۔تو اس سے یہ لوگ نتیجہ نکالیں گے کہ اس پر غضب الٰہی ہوگیا۔اس لئے پہلے سے اُس نے مجھے براہین احمدیہ میں بشارت دی کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تمہیں محفوظ رکھوں گا اور اپنی نعمت تجھ پر پوری کروں گا''۔

(اربعین نمبر 3 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 419 حاشیہ)

طبّ اکبر میں مراق کی تین قسمیں لکھی ہیں۔صداع[1] مراقی، دوار[2] مراقی اور مالیخولیا[3] مراقی۔ان میں سے صرف مالیخولیا مراقی کے ڈانڈے جنون سے ملتے ہیں اور باقی دو قسمیں پردۂ مراق کی دماغی محنت کرنے والوں کو عارض ہوجاتی ہیں۔ان دونوں قسموں کا جنون سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔بلکہ صرف پردۂ مراق سے بخارات اُٹھ کر دماغ کی طرف جاتے ہیں جن سے سر درد یا دورانِ سر لاحق ہوجاتا ہے۔پس پردۂ مراق کے ماؤف ہونے سے دوّار کا عارضہ آپؑ کو ضرور تھا۔سیرت المہدی میں حضرت اُمّ المومنینؓ کی روایت میں جو ہسٹیریا کا لفظ آیا ہے اس سے بھی دورانِ سر ہی مراد ہے۔ہسٹیریا مالیخولیا مراقی نہیں ہوتا۔یہ تو الگ بیماری ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں مخالفین کی نکتہ چینیوں کے ذیل میں لکھا ہے:۔

''دوسری نکتہ چینی یہ ہے کہ مالیخولیا یا جنون ہوجانے کی وجہ سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کردیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو مَیں کسی کے مجنون کہنے یا دیوانہ نام رکھنے سے ناراض نہیں ہوسکتا بلکہ خوش ہوں کیونکہ ہمیشہ سے ناسمجھ

لوگ ہر ایک نبی اور رسول کا بھی ان کے زمانہ میں یہی نام رکھتے آئے ہیں۔اور قدیم سے ربّانی مصلحوں کو قوم کی طرف سے یہی خطاب ملتا رہا ہے۔اور نیز اس وجہ سے بھی مجھے خوشی پہنچی ہے کہ آج وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔جو براہین میں طبع ہوچکی ہے کہ تجھے مجنون بھی کہیں گے۔لیکن حیرت تو اِس بات میں ہے کہ اس دعویٰ میں کون سے جنون کی بات پائی جاتی ہے۔کون سی خلاف عقل بات ہے جس سے معترضین کو جنون ہو جانے کا شک پڑ گیا۔اِس بات کا فیصلہ ہم معترضین کی ہی کانشنس اور عقل پر چھوڑتے ہیں۔اوران کے سامنے اپنے بیانات اوراپنے مخالفوں کی حکایات رکھ دیتے ہیں کہ ہم دونوں گروہ میں سے مجنون کون سا ہے اور عقلِ سلیم کس کی طرزِ تقریر کو مجانین کی باتوں کے مشابہ سمجھتی ہے اور کس کے بیانات کو قول موجہّ قرار دیتی ہے‘‘۔ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 121)

غیر زبانوں میں الہامات کی وجوہ

اعتراض نمبر 9

غیر زبانوں میں الہامات کیوں ہوئے؟

الجواب:۔

(۱) اس زمانہ میں عیسائیوں، برہموسماجیوں اور سرسید احمد خان کا یہ نظریہ تھا کہ الہام الفاظ میں نازل نہیں ہوتا۔ بلکہ مُلہم کے دل میں خیال پیدا کیا جاتا ہے جسے وہ اپنے لفظوں میں بیان کر دیتا ہے۔اسی نظریہ کی تردید کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر غیر زبانوں میں الہامات ہوئے۔جن سے آپؑ واقف نہیں تھے۔تا یہ ثابت ہو کہ الہام الفاظ میں بھی نازل ہوتے ہیں۔ان میں سے بعض الہامات پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں جو اسرارِ سربستہ کی حیثیت رکھتے تھے اور وقت پر ان کی حقیقت کھولی گئی۔

(2) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ بعثت آپؐ کی ساری دنیا کی طرف ہے اور الہام آپؐ کو صرف عربی زبان میں ہوتا ہے۔اس لئے مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ ہیں۔ عربی زبان کو اُمّ الالسنہ ثابت کیا گیا۔اور دوسری زبانوں میں بعض الہامات نازل کئے۔قرآن کریم کے نزول کے وقت غیر زبانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر الہامات نازل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔کیونکہ ابھی مواصلات کا سلسلہ وسیع نہیں ہوا تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جب مواصلات کا سلسلہ وسیع ہو گیا تو غیر زبانوں میں الہامات نازل کر کے اس طرف توجہ دلائی کہ خدا تعالیٰ ہر زبان میں کلام کرتا ہے۔اس لئے اس سے تعلق پیدا کرنے والی قومیں اس کے لذیذ کلام کو اپنی

زبان میں سُن سکتی ہیں۔

عیسائیوں اور برہموسماجیوں وغیرہ کے اسی غلط نظریہ کی تردید میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ الہام نازل ہوا کہ:۔

’’اِس نشان کا مدّعا یہ ہے کہ قرآن شریف خُدا کی کتاب اور میرے مُنہ کی باتیں ہیں‘‘ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 87)

قرآن مجید خُدا کے مُنہ کی باتیں ہیں!

’’میرے مُنہ کی باتیں ہیں‘‘ سے مراد یہ ہے کہ یہ خدا کے منہ کی باتیں ہیں۔یعنی خدا بتا رہا ہے کہ قرآن لفظاً نازل ہوا ہے نہ یہ کہ اس کا مفہوم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دِل میں ڈالا گیا۔جو آپؐ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا۔بعض لوگ بے سمجھی سے اس الہام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحبؑ نے قرآن مجید کو اپنے مُنہ کی باتیں کہا ہے۔حالانکہ یہ فقرہ مرزا صاحب علیہ السلام کا اپنا کلام ہے ہی نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے۔ان کو مغالطہ اس سے لگا ہے کہ پہلے فقرہ میں خدا کا ذکر بصیغہ غائب ہے اور دوسرے فقرہ میں بصیغہ متکلم۔الہامی زبان میں خدا کا یہ طریق ہے کہ کبھی وہ غائب سے متکلم کی طرف بھی التفات کرتا ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا فَسُقۡنٰہُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ ۔

(فاطر:10)

یعنی خدا وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے۔پس وہ بادل کو اُٹھاتی ہیں۔پھر ہم (یعنی خدا) اسے مُردہ علاقہ کی طرف ہانک دیتے ہیں۔

دیکھئے اس آیت میں غائب سے متکلم کی ضمیر کی طرف التفات ہے۔

یہ آریوں کا خیال ہے کہ خُدا اِنسانوں کی زبان میں کلام نہیں کرتا

اعتراض نمبر 10

مرزا صاحب نے کہا ہے:۔

''بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے''۔ (چشمہءمعرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 218)

جب یہ بات ہے تو پھر مرزا صاحب کو غیر زبانوں میں کیوں الہام ہوا؟

الجواب:۔ یہ عبارت آریوں کے اس خیال کے ردّ میں ہے کہ خدا انسان کی زبان میں نہیں بولتا اور اس نے اپنے رشیوں پر وید اپنی زبان میں نازل کئے جسے رشی نہیں جانتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس امر کو بیہودہ اور غیر معقول قرار دیتے ہیں کہ خدا کا کلام ایسی زبان میں ہو جس کو کوئی سمجھتا ہی نہیں۔ اسی عبارت کے بعد مرزا صاحبؑ نے خود فرمایا ہے کہ مجھے مختلف زبانوں میں الہامات ہوئے۔

(ملاحظہ ہو چشمۂ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 218)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو ایسے الہامات ہوئے ہیں وہ ایسی زبانوں میں ہوئے ہیں جو دنیا میں سمجھی جاتی ہیں اور اُن کے بولنے والے دُنیا میں موجود ہیں۔

پس آپؑ نے ایسی زبان میں الہام نازل ہونے کو بیہودہ اور غیر معقول قرار دیا ہے جس کو دُنیا میں کوئی نہ جانتا ہو۔

چُوہڑے اور چمار نبی نہیں ہوسکتے نبی اعلیٰ خاندان سے آتا ہے

اعتراض نمبر 11

تریاق القلوب کی ایک عبارت کی بناء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ چوہڑے اور چمار بھی نبی ہو سکتے ہیں۔

الجواب:۔ ایسے لوگوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے:۔

''اب خدا تعالیٰ کی قدرت پر خیال کر کے ممکن تو ہے کہ وہ اپنے کاموں سے تائب ہوکر مسلمان ہو جائے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایسا فضل اس پر ہو کہ وہ رسول اور نبی بھی بن جائے۔ اور اسی گاؤں کے شریف لوگوں کی طرف دعوت کا پیغام لیکر آوے اور کہے کہ جو شخص تم میں سے میری اطاعت نہیں کرے گا۔ خدا اُسے جہنم میں ڈالے گا۔ لیکن باوجود اِس امکان کے جب سے کہ دُنیا پیدا ہوئی ہے کبھی خدا نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ ایسا کرنا اسکی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ لوگوں کے لئے یہ ایک فوق الطاقت ٹھوکر کی جگہ ہے۔ کہ ایک ایسا شخص جو پشت در پُشت سے رذیل چلا آتا ہے......اب اگر لوگوں سے اس کی اطاعت کرائی جائے تو بلاشبہ لوگ اسکی اطاعت سے کراہت کریں گے۔ کیونکہ ایسی جگہ میں کراہت کرنا انسان کے لئے ایک طبعی امر ہے۔ اِس لئے خدا تعالیٰ کا قدیم قانون اور سُنت اللہ یہی ہے کہ وہ صرف اُن لوگوں کو منصبِ دعوت یعنی نبوّت وغیرہ پر مامُور کرتا ہے جو اعلیٰ خاندان میں سے ہوں اور ذاتی طور پر بھی چال چلن اچھے رکھتے ہوں۔ کیونکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے حکیم بھی ہے اور اس کی حکمت

اور مصلحت چاہتی ہے کہ اپنے نبیوں اور ماموروں کو ایسی اعلیٰ قوم اور خاندان اور ذاتی نیک چال چلن کے ساتھ بھیجے تا کہ کوئی دِل ان کی اطاعت سے کراہت نہ کرے۔یہی وجہ ہے جو تمام نبی علیہم السلام اعلیٰ قوم اور خاندان میں سے آتے رہے ہیں''۔

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 280-281)

اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چوہڑوں اور چماروں کا نبی بننا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت اور قدیم قانون اور سُنت الٰہی کے خلاف قرار دیا ہے۔اور اس جگہ جو امکان بیان ہوا ہے۔وہ صرف امکانِ عقلی ہے جس میں خدا کی صفتِ قدرت کو مدِّنظر رکھا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ قادر کی قدرت کے آگے تو یہ ممکن ہے کہ وہ کسی چوہڑے اور چمار کو نبی بنا سکے لیکن چونکہ خدا حکیم بھی ہے۔اس لئے اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان سے بنائے جائیں تا ان لوگوں کو ان کے احماء کے قبول کرنے میں کراہت نہ ہو اور یہی اسکی سنّتِ جاریہ رہی ہے۔پس اس عبارت سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی حکمت کے تقاضا کے لحاظ سے کسی چوہڑے چمار کا نبی بننا اس کی سُنت کے خلاف ہے۔امکان صرف عقلی بیان ہوا ہے نہ کہ عادّی۔پس آدھی عبارت لے لینا اور باقی عبارت کو چھوڑ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآنی آیت کا ٹکڑا ''لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ'' کو تو لے لے اور آگے ''وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی'' کو چھوڑ دے اور کہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔حالانکہ وہاں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ سُکر کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔

ایسا مسیح نہیں آ سکتا جو قرآن کے حلال وحرام کی پرواہ نہ کرے

اعتراض نمبر 12

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام اگر آ جائیں تو وہ شراب پیئیں گے اور خنزیز کھائیں گے۔ (دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ 29)

الجواب:۔ وہاں تو یہ لکھا ہے کہ:۔

''یہ بالکل غیر معقول بات ہے کہ جب لوگ نماز کیلئے مساجد کی طرف دوڑیں گے، تو وہ کلیسا کی طرف بھاگے گا۔ اور جب لوگ قرآن شریف پڑھیں گے تو وہ انجیل کھول بیٹھے گا۔ اور جب لوگ عبادت کے وقت بیت اللہ کی طرف مُنہ کریں گے تو وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوگا اور شراب پیئے گا اور سؤر کا گوشت کھائے گا۔ اور اسلام کے حلال وحرام کی کچھ پرواہ نہیں رکھے گا''۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 31)

یہ خیالات عیسائیوں کے ہیں نہ مسلمانوں کے۔ اِسی لئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو غیر معقول قرار دیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ مخالف اسے اعتراض کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ نہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مسلّمات میں سے ہے اور نہ دُوسرے مسلمانوں کے مسلّمات میں سے۔

اِس قسم کے خیالات تو عیسائیوں کے ہیں۔ چنانچہ اسی جگہ حاشیہ میں لکھا ہے:۔

''حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے کا مسئلہ عیسائیوں نے محض اپنے فائدہ کے لئے گھڑا تھا۔ کیونکہ ان کی پہلی آمد میں اُن کی خدائی کا کوئی نشان ظاہر نہ ہوا''۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس جگہ عیسائیوں کے خیال کا ہی ردّ کر رہے ہیں۔اوراسے غیر معقول قرار دے رہے ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کا ایمان

اعتراض نمبر 13

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی ایمان لائے گا؟

الجواب:۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام استفتاء اردو صفحہ 22 حاشیہ میں فرماتے ہیں:۔

''خداتعالیٰ کی طرف سے ایک کشف ظاہر کررہا ہے کہ وہ (محمد حسین بٹالوی) بالآخر ایمان لائے گا۔مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایمان فرعون کی طرح صرف اسی قدر ہوگا کہ ''اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ''۔ یا پرہیز گارلوگوں کی طرح۔واللہ اعلم۔

یہ پیشگوئی بجائے کھلے اعتراف کے اس رنگ میں پُوری ہوئی۔کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لالہ دیو کی نند صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل وزیر آباد کی عدالت میں مقدمہ نمبر 313 میں حلفاً بیان کیا کہ ''مَیں احمدی جماعت کو مسلمان سمجھتا ہوں''۔حالانکہ وہی علماء میں سے سب سے پہلے فتویٰ کفر تیار کرنے والے تھے۔ان کے خیالات میں یہ تبدیلی اُن کی قلبی تبدیلی پر گواہ ہے۔

بشیر الدولہ عالم کباب کی پیشگوئی کا مصداق

اعتراض نمبر 14

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''وحی الٰہی ہوئی تھی کہ وہ زلزلہ جو نمونہ قیامت ہوگا بہت جلد آنے والا ہے۔ بہت جلد آنے والا ہے۔ اس کے لئے یہ نشان دیا گیا تھا کہ پیر منظور محمد صاحب کی بیوی محمدی بیگم کو لڑکا پیدا ہوگا''۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ 100)

مگر ایسا کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا۔

الجواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس جگہ آگے اپنی التجا اور اس کی قبولیت کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

''اِس زلزلہ نمونہ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے...... خدا نے دُعا قبول کر کے اس زلزلہ کو کسی اور وقت پر ڈال دیا ہے اس لئے ضرور تھا کہ لڑکا پیدا ہونے میں بھی تاخیر ہوتی''۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ 101 حاشیہ در حاشیہ روحانی خزائن جلد 103 حاشیہ در حاشیہ)

اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ منظور محمد سے ''پیر منظور محمد'' مراد لینا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ایسا اجتہاد تھا جس میں اس کے خلاف احتمال بھی موجود تھا۔ چنانچہ آپؑ نے لکھا تھا۔

''19رفروری 1906ء کو رؤیا دیکھا کہ منظور محمد کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے۔ تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی اور یہ معلوم ہوا ''بشیر الدولہ'' فرمایا کئی آدمیوں کے واسطے دعا کی جاتی ہے معلوم نہیں کہ منظور محمد کے لفظ سے کس کی طرف اشارہ ہے''۔ (بدر جلد 2 نمبر 8 مکاشفات صفحہ 46 تذکرہ صفحہ 510 مطبوعہ 2004ء)

گویا حضرت اقدسؑ نے صاف فرما دیا ہے کہ اس منظور محمد کی الہاماً تعیین نہیں کی گئی۔ پس یہ صرف مخالف احتمال کے ساتھ آپؑ کا ایک اجتہاد ہی تھا کہ پیر منظور محمد کی بیوی محمدی بیگم صاحبہ سے لڑکا پیدا ہوگا۔ لہٰذا معنوی لحاظ سے اس رؤیا کی تعبیر میں منظور محمد سے مراد خدا کے نزدیک وہ شخص ہوسکتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منظور نظر و محبوب ہو۔ الہام بتاتا ہے کہ ایسا لڑکا زلزلة الساعة سے پہلے پیدا ہوگا۔ اور یہ زلزلہ کیلئے بطور علامت کے ظاہر ہونے والا تھا۔ اسی لڑکے کے نام الہامات میں کلمۃ اللہ خاں، کلمۃ العزیز۔ ھذا یوم مبارک۔ بشیر الدولہ۔ ناصر الدین۔ شادی خان بھی رکھے گئے ہیں۔ (تذکرہ صفحہ 537 مطبوعہ 2004ء)

میرا وجدان یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق دراصل حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بطور منظور محمدؐ کے ہیں اور ان کے صاحبزادہ حضرت مرزا ناصر احمد سلّمہٗ ربّہٗ، بشیر الدولہ و عالمِ کباب کی پیشگوئی کے مصداق ہیں جو اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ ثالث ہیں اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہی صفاتی نام پیشگوئی میں ناصر الدین اور فاتح الدین مذکور ہیں اور عالم کباب آپ اس طرح ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:۔

”عالم کباب سے یہ مراد ہے کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد چند ماہ تک یا جب تک کہ وہ اپنی برائی بھلائی شناخت کرے دنیا پر ایک سخت تباہی آئے گی“۔ (الحکم 10/جون 1906ء صفحہ 1 کالم نمبر 2)

اِس پیشگوئی کے بعد حضرت مرزا ناصر احمد صاحب 1909ء میں پیدا ہوئے۔ اور 1914ء میں چار سال بعد زلزلہ عظیمہ بطور علامت جنگِ عظیم کی شکل میں دنیا پر ایک سخت تباہی لایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جو صفاتی رنگ میں منظورِ محمدؐ ہیں

آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے عہد میں اپنے ایک خط میں ایک دوست کو تحریر فرمایا تھا:۔

''مجھے بھی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں ایک ایسا لڑکا دوں گا۔ جو دین کا ناصر ہوگا۔ اور اسلام کی خدمت پر کمر بستہ ہوگا''۔

(الفضل 8/ اپریل 1915ء صفحہ 5)

یہ خط 26/ستمبر 1909ء کو لکھا گیا تھا اور اس کے بعد 15/نومبر 1909ء کو حضرت مرزا ناصر احمد صاحب آپؓ کے ہاں پیدا ہوئے۔ اس خط کا عکس تاریخ احمدیت جلد چہارم مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد صاحب فاضل کے صفحہ 320 پر شائع ہو چکا ہے۔ جس پر اس خط کے لکھا جانے کی تاریخ 26/ستمبر 1909ء درج ہے۔

الہامات میں فاتح الدین بھی اس لڑکے کا نام آیا ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جن کے آپ صاحبزادے ہیں آپ کو جب فرقان بٹالین قائم کی گئی۔ اس بٹالین کے اشارات میں فاتح الدین کے نام سے موسوم فرمایا۔ (تلخیص از تاریخ احمدیت جلد 6 صفحہ 667 مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد فاضل)

الہام بِکْرٌ وثَیِّبٌ

اعتراض نمبر 15

مرزا صاحب نے لکھا ہے:۔

’’خدا کا ارادہ ہے کہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا۔ایک بِکر (کنواری) اور دوسری بیوہ۔چنانچہ یہ الہام جو بِکر کے متعلق تھا پورا ہو گیا اور اِس وقت بفضلہٖ چار پسر اس بیوی سے ہیں۔اور بیوہ کے الہام کا انتظار ہے‘‘۔

(تریاق القلوب صفحہ 34)

مگر آخر وقت تک کوئی بیوہ آپؑ کے نکاح میں نہیں آئی؟

الجواب

الہام دراصل ’’بِکْرٌ وَثَیِّبٌ‘‘ کے دو لفظوں میں نازل ہوا تھا۔ تریاق القلوب کی مندرجہ بالا عبارت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اِس الہام کے متعلق اپنا اجتہاد ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

’’اَلْمُجْتَھِدُ یُخْطِئُ وَیُصِیْبُ فَاِنْ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِنْ اَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ‘‘۔

کہ مجتہد اجتہاد میں غلطی بھی کرتا ہے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہوتا ہے۔اگر اس کا اجتہاد درست ہو تو اُسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر درست نہ ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس اجتہاد پر قائم نہیں رکھا تھا کہ بیوہ تمہارے نکاح میں آئے گی۔ بلکہ 16 رفروری 1906ء کو الہام کیا ’’تکْفِیْک

هٰذِهِ الْاِمْرَأَةُ'' کہ تیرے لئے یہی عورت (جو تیرے نکاح میں ہے) کافی ہے۔
(ملاحظہ ہو تذکرہ صفحہ 509 مطبوعہ 2004ء)

پس جب بیوہ کا انتظار اِس الہام کے بعد نہ رہا۔ تو اب اس الہام کی تشریح واقعات کے رُو سے کی جائے گی۔ واقعات نے یہ بتایا ہے کہ یہ الہام دونوں پہلوؤں سے حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ نصرت جہان بیگم رضی اللہ عنہا کی ذات میں پُورا ہوا ہے جو بِکْر کی صورت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقد میں آئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پہلے ہوگئی اور آپؓ ثیّب (بیوہ) رہ گئیں۔

خواتین مبارکہ

اعتراض نمبر 16

مرزا صاحب نے لکھا ہے:۔

''اس عاجز نے 20 رفروری 1886ء کے اشتہار میں یہ پیشگوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی کہ اُس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئیں گی اور اُن سے اولاد پیدا ہوگی''۔　(تبلیغ رسالت جلد 1 صفحہ 89، باراوّل)

اِس پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ امّ المومنین نصرت جہان بیگم رضی اللہ عنہ کے بعد آپؑ کے نکاح میں کوئی اور خاتون نہیں آئی؟

الجواب

تبلیغِ رسالت جلد 1 صفحہ 89☆ کی عبارت کے الفاظ اجتہادی ہیں نہ کہ الہامی۔

الہامی الفاظ جو 20 رفروری 1886ء کے اشتہار میں درج ہیں یُوں ہیں:۔

''اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے بعض کو اس کے بعد پائے گا۔

☆ مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ 113 باردوم

تیری نسل بہت ہوگی''۔

اِن الہامی الفاظ میں یہ ہرگز معیّن نہیں کیا گیا تھا کہ یہ خواتینِ مبارکہ آپؑ کے نکاح میں آئیں گی۔ نکاح میں آنا صرف آپؑ کا اجتہاد تھا جس کی تصحیح 16رفروری 1906ء کے الہام ''تَکْفِیْکَ ھٰذِہِ الْاِمْرَأَۃُ'' نے کردی۔ کہ اور کوئی عورت آپؑ کے نکاح میں نہیں آئے گی۔

پس یہ خواتینِ مبارکہ ازروئے واقعات اِس الہام کی روشنی میں وہ خواتینِ مبارکہ ہیں جو آپؑ کی زندگی میں آپؑ کی اولاد کے گھر آئیں۔ جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی نسل کو بہت بڑھایا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

زَلْزَلَۃُ السَّاعَۃِ کے متعلق اعتراض کا جواب

اعتراض نمبر 17

مرزا صاحبؑ نے ایک زلزلہ نمونہء قیامت کی پیشگوئی کی تھی۔ پھر اس کے متعلق اپنا ایک الہام بتایا تھا۔ ''رَبِّ اَخِّرْ وَقْتَ ھٰذَا أَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُسَمًّی''۔ کہ اے خدا بزرگ زلزلہ کے ظہور میں کسی قدر تاخیر کردے۔ خدا نمونہ قیامت زلزلہ کے ظہور میں ایک وقت مقرر تک تاخیر کردے گا۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ 100)

اور پھر یہ بھی الہام بتایا تھا:۔ ''رَبِّ لَا تُرِنِیْ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ''۔

(تذکرہ صفحہ 513 مطبوعہ 2004ء)

یہ الہام 9رمارچ 1906ء کو ہوا۔ پھر اس کے بعد 9راپریل 1906ء کا الہام بتایا ہے:۔ ''رَبِّ اَرِنِیْ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ. یُرِیْکُمُ اللّٰہُ

زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ. اُرِیْکَ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ''

(تذکرہ صفحہ 521 مطبوعہ 2004ء)

گو زلزلہ میں تاخیر ہوگئی تھی۔مگر اس آخری الہام کے مطابق یہ زلزلہ مرزا صاحبؑ کی زندگی میں آنا چاہیے تھا۔اعتراض یہ ہے کہ آپؑ کی زندگی میں کوئی ایسا زلزلہ نہیں آیا؟

الجواب:۔

وہ زلزلہ جس کے نہ دیکھنے کے متعلق الہام ہوا تھا اور جس میں تاخیر ڈال دی گئی تھی وہ ایسا زلزلہ تھا جس کا تعلق عینی رویت سے تھا۔اس کے ظہور کے وقت کو خدا نے ''اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُسَمًّی'' کہہ کر غیر معیّن کر دیا۔اور'' رَبِّ لَا تُرِنِیْ'' کے الہامی الفاظ سے یہ بتا دیا کہ اس میں اتنی تاخیر ہو جائے گی کہ آپؑ اسے اپنی ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے۔

پس ان الہامات کے بعد 9/اپریل کو جس زلزلہ کے ''رَبِّ اَرِنِیْ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ اُرِیْکَ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ'' کے الفاظ میں دکھانے کا وعدہ تھا۔اس کا تعلق رویتِ کشفی سے تھا۔اور آپؑ کو وہ زلزلہ کشفاً دکھایا گیا۔چنانچہ 11/جون 1906ء کے الہامات میں درج ہے:۔

''ایک زلزلہ کا نظارہ دکھائی دیا اور ساتھ ہی اس کے الہام ہوا۔''لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ''۔

(تذکرہ صفحہ 536 مطبوعہ 2004ء)

کشفی نظارہ میں جو زلزلہ آپؑ کو دکھایا گیا تھا۔وہ ایک تعبیر چاہتا تھا۔لہٰذا ''یُرِیْکُمُ اللّٰہُ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ'' کے الہام میں قوم کے لئے اِس زلزلہ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کی پیشگوئی تھی۔چنانچہ یہ زلزلہ عظیمہ بصورت جنگِ عظیم

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں نے مشاہدہ کیا۔اِس کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نظم میں لکھا تھا:۔

وحیِ حق کے ظاہری لفظوں میں ہے وہ زلزلہ
لیک ممکن ہے کہ ہو کچھ اور ہی قسموں کی مار

(تذکرہ صفحہ 455 مطبوعہ 2004ء)

اور تذکرہ صفحہ 454 مطبوعہ 2004ء پر نظم مذکور میں لکھا ہے:۔

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جنّ وانس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی با حالِ زار

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 152)

اِس زلزلہ کے متعلق آپؑ نے یہ نوٹ بھی دیا:۔

”خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہوگا جو نمونہ قیامت ہوگا......لیکن مَیں ابھی تک اِس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو۔بلکہ کوئی شدید آفت ہو جو قیامت کا نمونہ دکھادے جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو۔اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔ہاں اگر ایسا فوق العادت نشان ظاہر نہ ہو۔اور لوگ کُھلے طور پر اپنی اصلاح بھی نہ کریں تو اس صورت میں مَیں کاذب ٹھہروں گا“۔ (براہین احمدیہ حصّہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 151 حاشیہ)

نظم میں زلزلہ کی یہ پیشگوئی ان اشعار میں 15/اپریل 1905ء کو کی گئی۔اور ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 258-259 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق لکھا کہ:۔

”اگر خدا تعالیٰ نے اِس آفتِ شدیدہ کے ظہور میں بہت ہی تاخیر

ڈال دی تو زیادہ سے زیادہ سولہ سال ہیں...... بہر حال وہ سولہ سال سے تجاوز نہیں کرے گی''۔

18؍اکتوبر 1905ء کو حضورؑ نے رؤیا دیکھا:۔

''ایک شخص نے مجھے کنویں کی ایک کوری ٹنڈ میں ٹھنڈا پانی دیا۔ پھر الہام ہوا'' آبِ زندگی'' اِس کے بعد الہام ہوا'' **قَلَّ مِیْعَادُ رَبِّکَ**'' پھر الہام ہوا۔ خدا کی طرف سے سب پر اُداسی چھا گئی''۔

(الحکم 24؍اکتوبر 1905ء صفحہ 1 کالم نمبر 1)

پھر ریویو دسمبر 1905ء صفحہ 480 پر یہی رؤیا یوں درج ہوئی:۔

''چند روز کا رؤیا ہے کہ ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا۔ پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے لیکن بہت مصفّٰی اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام تھا'' آبِ زندگی''۔

1905ء کی اِس رؤیا اور الہامات میں بتایا گیا ہے کہ آپؑ کی وفات قریب ہے۔ صرف دو تین سال عمر کے باقی ہیں۔ اس کے بعد 26؍مئی 1908ء کو آپؑ وفات پا گئے۔

یہ الہامات بتاتے ہیں کہ یہ زلزلہ عظیمہ جس کا سولہ سال میں ہونا آپؑ نے ظاہر فرمایا تھا۔ آپؑ کی زندگی میں آنے والا نہ تھا۔ اگر زندگی میں آنے والا ہوتا۔ تو میعاد تین سال تک ہی بتائی جاتی۔ جیسا کہ رؤیا میں دو تین گھونٹ پانی دکھایا گیا۔ اور اُسے آبِ زندگی کہا گیا اور بتایا گیا کہ آپؑ کی وفات کا وقت قریب آ رہا ہے۔

پس یہ زلزلہ جس میں تاخیر ڈالی گئی۔ آپؑ کی وفات والے الہامات سے ظاہر ہے کہ آپؑ کی زندگی میں اس کا دکھایا جانا مقدّر نہ تھا۔ اسی لئے آپؑ کو یہ تفہیم ہوئی کہ یہ 1905ء سے لے کر سولہ سال کے عرصہ سے تجاوز نہیں کرے گا۔ چنانچہ

یہ زلزلہ 1914ء میں آ گیا اور تین سال تک جاری رہا۔

دیکھو یہ خدا کا کتنا عظیم الشان نشان ہے۔ جس میں زارِ روس کی تباہی کی پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہوگئی۔ ؎

''اِک نشاں کافی ہے گر دِل میں ہو خوفِ کردگار''

ہم مکّہ میں مریں گے یا مدینہ میں

اعتراض نمبر 18

مرزا صاحب نے کہا تھا کہ:۔

''ہم مکّہ میں مریں گے یا مدینہ میں'' مگر اُن کی وفات لاہور میں ہوئی۔ لہذا یہ کتنا جھوٹ ہوا کہ ''ہم مکّہ میں مریں گے یا مدینہ میں''۔

الجواب

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی قول نہیں بلکہ الہام ہے۔

اس دن تین الہام ہوئے:۔

(1) كَتَبَ اللّٰهُ لَاَ غْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِىْ۔

(2) سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْم۔

(3) ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں۔

ان کے ترجمہ اور تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:۔

1۔ ''خدا نے ابتداء سے مقدّر کر چھوڑا ہے کہ وہ اور اس کے رسول غالب رہیں گے''۔

2- ’’خدائے رحیم کہتا ہے کہ سلامتی ہے۔یعنی خائب وخاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے‘‘۔

اور یہ کلمہ کہ ’’ہم مکّہ میں مریں گے یا مدینہ میں‘‘ اِس کے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مکّی فتح نصیب ہوگی۔ جیسا کہ وہاں دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا۔اِسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائیں گے۔دوسرے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی۔خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہوجائیں گے۔فقرہ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَ غْلِبَنَّ اَنَاوَرُسُلِیْ ۔مکّہ کی طرف اشارہ کرتا ہےاورفقرہ سَلَامٌ قَوْلًامِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْم مدینہ کی طرف‘‘۔

(بدر19 جنوری1906ء صفحہ 2 کالم نمبر 1-2۔تذکرۃ صفحہ 503 مطبوعہ 2004ء)

کسی الہام کی تشریح میں ملہم کی اپنی تشریح کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اِس جگہ مکہ اور مدینہ کے لفظ مجازاً استعمال ہوئے ہیں نہ حقیقۃً۔اورمجازی استعمال میں بڑی وسعت ہے۔مجاز میں کبھی جگہ کا ذکر کر کے اس کے مکین مُراد ہوتے ہیں اور کبھی جگہ کا ذکر کر کے اس جگہ کی حالت مُراد ہوتی ہے۔یہ دونوں صورتیں مجاز کی ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا (الاعراف:102)

کہ ان بستیوں کی یعنی ان بستیوں کے مکینوں کی آئندہ کی حالت تجھ پر بیان کرتے ہیں۔اس آیت میں قریہ سے مکین قریہ مراد ہیں۔

دُوسری آیت میں فرماتا ہے:۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۔

(الاعراف:164)

اورمراد یہ نہیں کہ قریہ والوں سے پوچھو۔بلکہ قریہ بول کر دراصل قریہ

والوں کی حالت کا دریافت کرنا مراد ہے۔اس مثال میں جگہ بول کر جگہ والوں کی حالت مراد ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

''اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ''۔مَیں علم کا شہر ہوں''۔

مُراد یہ ہے کہ شہر کی بھرپور حالت کی طرح میری علمی حالت ہے یعنی میں علم سے بھرپور ہوں۔

کبھی کربلا کا لفظ بول کر کربلا کی حالت یعنی مصیبت مراد ہوتی ہے۔جیسا کہ علامہ نوعی کہتے ہیں:۔

کربلائے عشقم ولب تشنہ سرتا پائے من
صد حسینے کُشتہ در ہر گوشہء صحرائے من

''کہ میں عشق کی کربلا ہوں سرتاپا تشنہ لب سو حسین میرے صحرا کے ہر گوشہ میں موجود ہیں''۔

اعتراض نمبر 19

معترض کہتے ہیں کہ حقیقۃ الوحی ☆ میں مرزا صاحبؑ کا الہام لکھا ہے:۔

''آسمان سے کئی تخت اُترے پر تیرا تخت سب سے اُوپر بچھایا گیا''۔

اِس طرح تمام نبیوں سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا گیا؟

الجواب

اس الہام میں نبیوں سے افضل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ اپنے زمانے

☆(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 92)

کے ذوی الاقتدار لوگوں سے اور سربراہانِ مملکت سے روحانی اقتدار میں بڑھ کر ہونے کا دعویٰ ہے۔اور اس میں کیا شک ہے کہ زمانے کے امام کی روحانی حکومت اس زمانہ کی تمام مادی حکومتوں سے اپنی شان میں بڑھ کر ہوتی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اور الہام ہے جو اس کا مؤیّد ہے۔اس میں بتایا گیا ہے کہ:۔

''میں تجھے برکت پر برکت دوں گا۔یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے''۔

(برکات الدعا روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 35 وتذکرہ صفحہ 8 مطبوعہ 2004ء)

پھر فرماتے ہیں:۔

''عالمِ کشف میں مجھے وہ بادشاہ دکھلائے گے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور کہا گیا کہ یہ ہیں جو اپنی گردنوں پر تیری اطاعت کا جُوا اُٹھائیں گے اور خدا انہیں برکت دے گا''۔

(تجلّیاتِ الٰہیہ روحانی خزائن جلد 20 حاشیہ صفحہ 409)

اِن الہامات کی روشنی میں زیرِ بحث ''تخت'' والا الہام اپنے اندر پیشگوئی کی شان بھی رکھتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ بہت سے ملکوں کے بادشاہ آپؑ کے روحانی اقتدار کے نیچے آجائیں گے۔اور آپؑ کی بیعت میں داخل ہوجائیں گے۔اِس سے ثابت ہوجائے گا کہ آپؑ کا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا۔سچ فرمایا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:۔

مُلک روحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر
گو بہت دنیا میں گزرے ہیں امیر و تاجدار

(دُرِّثمین اردو صفحہ 140)

مولوی ثناءاللہ صاحب کامُباہلہ کرنے سے انکار

اعتراض نمبر 20

بعض مخالفین احمدیت کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے بددعا کی تھی کہ خدا مجھ میں اور مولوی ثناءاللہ میں فیصلہ کردے اور جھوٹے کو سچے کی زندگی میں ہلاک کردے۔ اوراس دعا کے متعلق یہ بھی ظاہر کیا کہ مجھے الہام ہوا ہے:۔

''اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ''

لہٰذا مرزا صاحب کا مولوی ثناءاللہ صاحب پہلے وفات پاجانا ان کے اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہونے کی دلیل ہے؟

الجواب

واضح ہو کہ جس خط کی تحریر کا ایسے معترضین ذکر کرتے ہیں وہ اس سے پہلے بیانات کے سلسلہ کے لحاظ سے دعائے مباہلہ کا مسوّدہ تھی نہ کہ یک طرفہ دعا۔ کیونکہ اس میں سنت اللہ کے موافق خدا تعالیٰ سے یہ فیصلہ چاہا گیا تھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو۔ اس لئے اس خط کے بعد جو خط مولوی ثناءاللہ صاحب کی طرف لکھا گیا تھا۔ اس کا عنوان ''مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ'' قرار دیا تھا نہ کہ مولوی ثناءاللہ صاحب کے متعلق کے آخری فیصلہ۔

آخری فیصلہ بذریعہ بددعا اسلام میں مباہلہ کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔ جس میں دوسرے فریق کی منظوری اور اس کی طرف بددعا کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مولوی ثناءاللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خط کو اپنے اخبار اہلحدیث 26/اپریل 1907ء میں شائع کر کے اس کی منظوری سے انکار

کر دیا۔ لہٰذا یہ یک طرفہ تحریر اب مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس بیان کردہ طریقِ فیصلہ کو منظور نہ کرنے کی وجہ سے حجت نہیں رہی۔ لہٰذا اعتراض باطل ہے۔ اس خط کا مضمون یہ ہے:۔

مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ:

بخدمت مولوی ثناءاللہ صاحب

اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

مدّت سے آپ کے پرچہ اہلحدیث میری تکذیب تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذّاب، دجّال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دُکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ مَیں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اور مجھے ان گالیوں اور اُن تہمتوں اور اُن الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہوسکتا اگر میں ایسا ہی کذّاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو مَیں آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذّاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلّت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر مَیں کذّاب اور مفتری نہیں ہوں اور خُدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو مَیں خدا کے فضل سے

امید رکھتا ہوں کہ سُنّت اللہ کے موافق آپ مکذّبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔ اور مَیں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذّاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے۔ تو اے میرے پیارے مالک! مَیں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے اُن کو اور اُن کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔

مگر اے میرے کامل اور صادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں۔ تو مَیں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراضِ مہلکہ سے۔ بجُز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے رو برو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرضِ منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دُکھ دیتا ہے۔ آمین یا رب العالمین۔ میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب مَیں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے۔

اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل :37) پر بھی عمل نہیں کیا۔ اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا۔ اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص در حقیقت مفسد اور ٹھگ اور دوکاندار اور کذّاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بد آدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بد اثر نہ ڈالتے تو میں اِن تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہیں تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے، اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذّاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اُٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تُو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۔ (الاعراف:90) آمین۔

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اسکے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الــــــــــراقــــــــــم

عبداللہ الصمد میرزا غلام احمد المسیح الموعود عافاہ اللہ و ایّد ۔

مرقوم تاریخ 15 /اپریل 1907ء مطابق یکم ربیع الاوّل 1325 ہجری روز دوشنبہ

(مجموعہ اشتہارات جلد 2، صفحہ 705، 706)(ملاحظہ ہو اہلحدیث 26/اپریل 1907ء صفحہ 4-5)

خط کے آخر میں لکھا گیا تھا کہ ”مولوی ثناءاللہ صاحب جو چاہیں اسکے نیچے لکھ دیں۔اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے“۔مراد یہ تھی کہ منظور کرلیں۔تو مباہلہ کی سُنّت کے مطابق خدا تعالیٰ فیصلہ فرمادے گا۔

اِس خط کو اپنے اخبار میں چھاپنے کے بعد مولوی صاحب نے اپنے جواب میں لکھا:۔

۱۔ ”اِس دُعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا“۔

۲۔ یہ کہ ”اس مضمون کو بطور الہام کے شائع نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دُعا کے طور پر ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر تم مر گئے تو تمہارے دام افتادہ ”خس کم جہاں پاک“ کہہ کر یہ عذر دیں گے کہ حضرت صاحب کا یہ الہام نہیں تھا بلکہ محض دعا تھی۔ یہ بھی کہہ دیں گے کہ دعائیں تو بہت سے نبیوں کی بھی قبول نہیں ہوتیں۔دیکھو حضرت نوحؑ کی دعا قبول نہ ہوئی“۔

۳۔ یہ کہ میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔اگر میں مر گیا تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہوسکتی ہے۔جب کہ (بقول آپ کے) مولوی غلام دستگیر قصوری مرحوم،مولوی اسماعیل علیگڑھی مرحوم اور ڈاکٹر ڈوئی امریکن اسی طرح سے مر گئے ہیں تو کیا لوگوں نے آپ کو سچا مان لیا ہے ٹھیک اسی طرح اگر یہ واقعہ بھی ہو گیا تو کیا نتیجہ“۔

اِسی مضمون میں مولوی ثناءاللہ صاحب نے آخر میں یہ بھی لکھا:۔

”مختصر یہ کہ میں تمہاری درخواست کے مطابق حلف اُٹھانے کو تیار ہوں اگر تم اس حلف کے نتیجے سے مجھے اطلاع دو۔اور یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے“۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے تجویز کردہ فیصلہ کو کہ ’’جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو‘‘۔قبول نہیں کیا تھا اور اُسے بے نتیجہ قرار دیا تھا۔اور مضمون کے شروع میں اہلحدیث کے صفحہ 3 پر صاف لکھا تھا:۔

’’کرشن جی نے خاکسار کو مباہلہ کے لئے بُلایا۔

جس کا جواب اہلحدیث 19 ؍اپریل میں مفصل دیا گیا۔جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مَیں حسب اقرارِ خود تمہارے کذب پر حلف اُٹھانے کو تیار ہوں بشرطیکہ تم یہ پہلے بتلا دو کہ اس حلف کا نتیجہ کیا ہوگا۔اس کے جواب میں کرشن جی نے ایک اشتہار دیا جو بقول شخصے سوال از آسماں جواب از یسماں۔پھر اس پر طُرہ یہ کہ اس اشتہار کو اہلحدیث میں درج کرنے کی ہم سے درخواست کی‘‘۔

مولوی ثناءاللہ صاحب کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ اس اشتہار سے پہلے فریقین میں مباہلہ کی گفتگو جاری تھی۔اور مولوی ثناءاللہ صاحب مباہلہ یعنی بالمقابل بددعا سے گریز کر رہے تھے اور صرف حلف اُٹھانے کو تیار ہو رہے تھے۔اور جب پندرہ اپریل کا خط انہوں نے 26؍اپریل 1907ء کے اہلحدیث میں شائع کیا تو بددعا کے ذریعہ طریق فیصلہ کو فیصلہ کن نہ جانا اور اس کی منظوری نہ دی۔خط کا عنوان ’’مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ‘‘ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ چاہتے تھے کہ مولوی صاحب اس کا جواب دیں تاکہ باہمی فیصلہ ہو۔چونکہ مولوی صاحب نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا۔اس لئے اب اس خط کو فیصلہ کن قرار نہیں دیا جاسکتا۔کیونکہ اگر اس کے مطابق فیصلہ ہو اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی وفات پہلے ہو جاتی تو ان کی ہوا خواہ فوراً یہ کہہ سکتے تھے کہ ہمارے مولوی صاحب نے تو اس طریقِ فیصلہ کو مانا ہی نہیں۔لہٰذا یہ ہم پر کیسے حجت ہوسکتا ہے۔اہلحدیث

کے نائب ایڈیٹر نے خط کا مضمون پڑھ کر بعض قرآنی آیت پیش کر کے لکھا:۔

''خدا تعالیٰ جھوٹے، دغا باز، مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے۔تا کہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کر لیں۔ پھر تم کیسے من گھڑت اصول بتلاتے ہو کہ ایسے لوگوں کو بہت عمر نہیں ملتی''۔

(اہلحدیث 26/اپریل 1907ء صفحہ 4 حاشیہ)

نائب ایڈیٹر کی یہ تحریر بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کو فیصلہ کن قرار دینے سے انکار پر مشتمل ہے۔مولوی ثناء اللہ صاحب کو یہ تحریر مسلم ہے۔پس جب دوسرے فریق نے اس طریقِ فیصلہ کو مانا ہی نہیں بلکہ اس کو ردّ کر دیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام ''قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّر'' کے مطابق وفات دے کر اپنے حضور بلا لیا اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو ان کے نائب ایڈیٹر کے پیش کردہ مضمون کے مطابق مہلت دے دی۔

عجیب بات ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں یہ طریق فیصلہ کن نہیں تھا۔لیکن جب آپؑ کی وفات اپنے الہامات کے مطابق وقوع میں آگئی۔تو اب مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک 15/اپریل 1907ء والا خطبہ فیصلہ کن بن گیا۔حالانکہ وہ پہلے لکھ چکے تھے کہ:۔

''اسے کوئی دانا منظور نہیں کر سکتا''۔

اب یہ فیصلہ کرنا سلیم الفطرت اصحاب پر منحصر ہے کہ مولوی صاحب کی پہلی تحریریں دانائی پر مشتمل تھیں یا بعد کی تحریریں دانائی پر مشتمل ہیں ہم تو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی نامنظوری کی وجہ سے یہ تحریر فیصلہ کن نہیں رہی تھی۔اور حضرت بانیء سلسلہ احمدیہ کی وفات آپ کی دوسری پیشگوئیوں کے مطابق ہوئی ہے۔اس تحریر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف لکھ دیا تھا

کہ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں بلکہ سنت اللہ کے مطابق فیصلہ چاہا گیا تھا۔اور سنت اللہ میں فیصلہ کن طریق مباہلہ ہی ہوسکتا ہے۔لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر اس تحریر کو یکطرفہ دعا قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہوگا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اسی سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا:۔

''یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے......کیا آنحضرت صلعم کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہی ہلاک ہو گئے تھے؟ بلکہ ہزاروں اعداء آپؐ کی وفات کے بعد زندہ رہے۔ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوا کرتا ہے۔ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے ......ہم تو ایسی باتیں سن کر حیران ہوتے ہیں۔دیکھو ہماری باتوں کو کیسے اُلٹ پلٹ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔اور تحریف کرنے میں وہ کمال حاصل کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔کیا یہ کسی نبی،ولی،قطب،غوث کے زمانہ میں ہوا کہ اس کے سب اعداء مر گئے ہوں بلکہ کافر منافق باقی رہ ہی گئے تھے۔ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں تو وہ سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوتے ہیں......ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھیں کہ یہ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔وہ جگہ تو نکالو۔جہاں یہ لکھا ہے''۔ (الحکم 10/اکتوبر 1907ء صفحہ 9)

یہ عبارت مولوی ثناء اللہ صاحب کے نام 15/اپریل 1907ء کے خط سے بعد کے زمانہ کی ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ صرف مباہلہ واقعہ ہونے کی حالت میں کاذب کا صادق کی زندگی میں مرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ورنہ حضرت بانیء سلسلہ احمدیہ کو یہ حقیقت مسلّم ہے کہ صادق کے وفات

پا جانے کے بعد اکثر منکر باقی رہتے ہیں۔ چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے انکار از مباہلہ اور عدم منظوری کی وجہ سے مباہلہ وقوع میں نہ آیا۔اس لئے حضرت اقدسؑ کا 15 ؍اپریل 1907ء والا خط محض مباہلہ کے لئے ایک ڈرافٹ (مسوّدہ) کی حیثیت رکھتا ہے۔اوراس میں مذکورہ دعا صرف اس صورت میں فیصلہ کن اورنتیجہ خیز قرار دی جاسکتی تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس طریقِ فیصلہ کومنظور کر لیتے۔لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔پس اس خط والی تحریر کواب زیر بحث لانا ہرگز درست نہیں۔یہ کوئی یکطرفہ دعائے ہلاکت نہ تھی اور نہ ہلاکت کی کوئی پیشگوئی تھی۔مولوی ثناء اللہ صاحب کوخود مسلّم ہے (جیسا کہ پہلے بیان ہوا) کہ یہ ’’کسی وحی یا الہام کی بناء پر پیشگوئی نہیں‘‘ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے 14 ؍اپریل 1907ء کے ایک الہام ’’اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ‘‘ کومعترضین اس خط سے متعلق قرار دے رہے ہیں۔حالانکہ اس الہام کا مطلب یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق 14 ؍اپریل 1907ء سے پہلے جو کچھ لکھا جاچکا ہے اس کے مطابق اگر وہ اس فیصلہ پر مستعد ہوئے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجائے تو وہ ضرور پہلے مریں گے۔مگر وہ تو اس پر مستعد ہی نہ ہوئے۔حالانکہ اس سے پہلے جب حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کو یہ علم ہوا کہ وہ ایسے فیصلہ کے لئے تیار ہیں تو آپ نے اپنی کتاب اعجاز احمدی میں لکھا:۔

’’میں نے سنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ میں (ثناء اللہ) اس طور کے فیصلہ کے لئے بدِل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں کہ جوشخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مرجائے...... پس ہمیں اس سے کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج دیں۔ بلکہ ہماری طرف سے ان کو اجازت ہے۔

کیونکہ ان کا چیلنج ہی فیصلہ کے لئے کافی ہے۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ کوئی موت قتل کے رو سے واقع نہ ہو۔ بلکہ محض بیماری کے ذریعہ سے ہو۔ مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا اور کسی بیماری سے تا ایسی کارروائی حکام کیلئے تشویش کا موجب نہ ٹھہرے"۔ (اعجاز احمدی روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 121-122)

پس 14/اپریل 1907ء والے الہام "اُجِیْبُ دَعْــوَةَ الدَّاعِ" کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لکھنا:۔

"ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ دراصل یہ ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہی اس کی بنیاد رکھی گئی"۔

کا تعلق ان پہلی تحریروں سے ہے جو مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق لکھی گئی تھیں۔ ان کے مطابق اگر مباہلہ وقوع میں آجاتا تو پھر دونوں فریق میں سے کسی کی ہلاکت اس کے خلاف فیصلہ کُن ہوتی۔

جب مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مرزا صاحبؑ کو مباہلہ کے لئے مستعد پایا۔ تو جان بچانے کی خاطر لکھا:۔

"چونکہ یہ خاکسار نہ واقعہ میں اور نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے۔ اس لئے ایسے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔

(الہامات مرزا بار دوم صفحہ 85)

جب مولوی ثناء اللہ صاحب کے اپنوں نے دیکھا کہ وہ چیلنج سے پھر گئے ہیں۔ جسے حضرت اقدسؑ نے اعجاز احمدی میں قبول کر لیا تھا۔ اور ان کے ساتھیوں نے ان پر کچھ گرفت کی تو ان کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے پھر 29/مارچ 1907ء کو اپنے پرچہ اہلحدیث میں لکھا:۔

"مرزائیو! سچے ہو تو آؤ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ...... انہیں ہمارے

سامنے لاؤ۔ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں دعوتِ مباہلہ دی ہوئی ہے‘‘۔

اس پر بدر کے ایڈیٹر صاحب نے اخبار بدر 4/اپریل میں لکھا:۔

’’میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے ان کے اس چیلنج کو منظور کرلیا ہے۔ وہ بے شک قسم کھا کر بیان کریں کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اور بے شک یہ بات کہیں کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو **لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْن** ۔ اور اس کے علاوہ ان کو اختیار ہے کہ اپنے جھوٹے ہونے کی صورت میں ہلاکت وغیرہ کے جو عذاب اپنے لئے چاہیں خدا سے مانگیں...... اگر آپ اس بات پر ہی راضی ہیں کہ بالمقابل کھڑے ہوکر زبانی مباہلہ ہو تو پھر آپ قادیان آسکتے ہیں اور اپنے ہمراہ دس تک آدمی لا سکتے ہیں اور ہم آپ کا زادِراہ آپ کے یہاں آنے اور مباہلہ کرنے کے بعد پچاس روپیہ تک دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ امر ہر حالت میں ضروری ہوگا۔ کہ مباہلہ ہونے سے پہلے فریقین میں شرائط تحریر ہو جاویں گے اور الفاظِ مباہلہ تحریر ہو کر اس تحریر پر فریقین اور ان کے ساتھ گواہوں کے دستخط ہو جاویں گے‘‘۔ (بدر 4/اپریل 1907ء صفحہ 4-5)

اس کے جواب میں مولوی ثناءاللہ صاحب نے 12 اور 19/اپریل 1907ء کے پرچہ میں (اکٹھا شائع ہوا) لکھا:۔

’’میں نے آپ کو مباہلہ کے لئے نہیں بلایا۔ مَیں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے۔ مگر آپ اِس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں کہ فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں۔ مَیں نے حلف اُٹھانا کہا ہے مباہلہ نہیں کہا۔ قسم اور ہے۔ اور مباہلہ اور‘‘۔

دیکھئے مولوی ثناء اللہ صاحب پھر مباہلہ سے فرار کر رہے ہیں۔ حالانکہ

انہوں نے اپنے چیلنج میں صاف لکھا تھا:۔

”انہیں ہمارے سامنے لاؤ۔جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں دعوتِ مباہلہ دی ہوئی ہے“۔

مگر جب حضرت اقدس علیہ السلام کی طرف سے مباہلہ کا چیلنج منظور کیا گیا۔تو وہ طرح دے گئے کہ مَیں نے قسم کھانے پر آمادگی کی ہے نہ کہ مباہلہ پر۔مباہلہ میں تو فریقین قسم کھاتے ہیں۔

حضرت اقدسؑ نے اُن کے اِس طریقِ کار سے یہ تاثر لیا۔کہ مولوی ثناءاللہ صاحب نہ تو کھل کر مباہلہ سے انکار کرتے ہیں۔اور نہ اس کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔اِس لئے آپؑ نے مولوی ثناءاللہ صاحب کی اس پوزیشن کو واشگاف کرنے کے لئے 15/اپریل 1907ء کوایک کھلی چٹھی بعنوان ”مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ“ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری کے نام لکھی۔اور اِس میں اپنی سنت اللہ کے موافق اپنی طرف سے دعائے مباہلہ کا مضمون لکھ دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں طاعون، ہیضہ وغیرہ امراض سے ہلاک ہو۔

مولوی ثناءاللہ صاحب نے مباہلہ میں بددعا کے طریقِ فیصلہ کو کھلے طور پر نا منظور کر کے واضح کر دیا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بالمقابل مباہلہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔اور اِس طریقِ فیصلہ سے پورے طور پر گریز کر چکے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات جب آپؑ کے الہامات مندرجہ الوصیّت وغیرہ کے مطابق ہوگئی تو اب اس خط کے مضمون کومولوی ثناءاللہ صاحب کی نامنظوری کے باوجود آپؑ کے خلاف حُجّت قرار دینا صریح انصاف کا خون ہے۔

میر ناصر نواب صاحب کی رَوایت

اِس موقع پر حضرت اقدسؑ کی وفات کے موقع پر میر ناصر نواب صاحب کی ایک روایت بھی نقل کرتے ہیں:۔

''جب میں حضرت اقدسؑ کے پاس پہنچا۔اور آپؑ کا حال دیکھا۔تو آپؑ نے مجھے فرمایا:۔میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے''۔

یہ خبر واحد صحیح نہیں۔کیونکہ یہ واقعات کے صریح خلاف ہے۔واضح ہو کہ آپ کی وفات پر آپؑ کے معالج ڈاکٹر سِدَر لینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور نے اپنے سرٹیفکیٹ میں لکھا تھا کہ آپؑ کی وفات اعصابی اسہال کی بیماری سے ہوئی ہے۔جو اطبّا آپؑ کے معالج تھے۔وہ سب ڈاکٹر سِدَر لینڈ کی رائے سے متفق تھے۔لہذا روایت میں یہ غلطی معلوم ہوتی ہے کہ میر ناصر نواب صاحب نے وبائی ہیضہ کے متعلق حضرت اقدسؑ کے استفہامیہ جملے کو جملہءخبریہ سمجھ لیا ہوگا۔اور آپؑ یہ فقرہ کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔کیونکہ لاہور میں اُن دنوں وبائی ہیضہ نہ تھا۔

لہذا یہ جملہ بطور جملہءخبریہ صحیح نہیں ہوسکتا۔کیونکہ یہ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق نہیں۔پس آپؑ کی بیماری کی صحیح تشخیص وہی ہے۔جو ڈاکٹروں نے کی۔اور وہ پُرانی اعصابی تکلیف کا دورہ تھا جس کے نتیجہ میں اسہال سے آپؑ کی وفات ہوئی۔اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

کرمِ خاکی ہوں والے شعر کی تشریح

اعتراض نمبر 21

مرزا صاحبؑ نے اپنے آپ کو انسان بھی قرار نہیں دیا۔ بلکہ کرمِ خاکی کہا ہے۔اور جائے نفرت بھی۔تو وہ نبی کیسے ہو گئے۔ان کا مشہور شعر ہے

کِرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

الجواب

یہ شعر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انکسار اور تواضع کی منہ بولتی تصویر ہے۔عجیب بات ہے کہ تواضع اور انکسار تو مومن کا ہنر ہے۔مگر عیب چین نگاہ اُسے اپنے عدم بصیرت کی وجہ سے قابلِ اعتراض ٹھہراتی ہے۔

اِسی قسم کے انکسار کا اظہار حضرت داؤد علیہ السلام کی مناجات میں بھی موجود ہے۔چنانچہ زبور نمبر 22 آیت 6 میں لکھا ہے:۔

پر مَیں کیڑا ہوں نہ انسان
آدمیوں کا ننگ ہوں اور قوم کی عار

کیا معترض حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بھی زبان درازی کرے گا کہ وہ تو انسان ہی نہ تھے؟

خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

مَا تَوَاضَعَ عَبْدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔

جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اُس کا

درجہ بلند کرتا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''لَا یَکْمَلُ اِیمَانُ الْمَرْءِ حَتّٰی یَکُوْنَ النَّاسَ عِنْدَہٗ کَالْاَبَاعِرِ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی نَفْسِہٖ فَیَرَاھَا اَصْغَرَ صَاغِرٍ''۔

ترجمہ:۔ مومن کا ایمان کمال کو نہیں پہنچتا۔ یہاں تک کہ تمام لوگ اس کے نزدیک مینگنیوں کی طرح ہوں۔ پھر وہ جو اپنے نفس کی طرف رجوع کرے۔ تو اُسے سب سے چھوٹی چیزوں میں سے چھوٹا پائے''۔

(دیکھو عوارف المعارف الجزء الثانی. الباب الثالث والستون صفحہ 127)

مینگنی تو کرمِ خاکی سے بھی حقیر ہے۔ بلکہ اس میں تو کئی کرمِ خاکی جنم لیتے ہیں۔اوراس حدیث کے مطابق اگر مومن انکسار کرے اور اپنے آپ کو حقیر سے حقیر چیز سمجھے تو یہ اس کی رفعتِ درجات کا موجب ہوتا ہے نہ ذلّت کا۔

حضرت ایوّب علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا کے حضور میں عبدِ ذلیل قرار دیا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 181 مطبوعہ مصر)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ملاحظہ ہو:۔

''اِنِّیْ ذَلِیْلٌ فَاَعِزَّنِیْ''

کہ مَیں ذلیل ہوں مجھے عزت دے۔

(مستدرک للحاکم بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی جلد1 باب الکاف مصری)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی پیدائش سے پہلی حالت کے پیش نظر صرف اپنے تئیں ہی کرم خاکی نہیں لکھا بلکہ آپ تو اپنے ایک شعر میں لکھتے ہیں:۔

اِنَّ الْمُھَیْمِنَ لَا یُحِبُّ تَکَبُّرًا
مِنْ خَلْقِہِ الضُّعَفَاءِ دُوْدَ فَنَاءٍ

(انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 271)

کہ خدا تعالیٰ اپنی ضعیف مخلوق سے تکبّر پسند نہیں کرتا جو فانی کیڑے ہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کرمِ خاکی والے شعر کا مطلب حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اپنی پیدائش سے پہلے کی حالت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ ہے کہ میں کرمِ خاکی ہوں بلحاظ اصل وضع کے انسان بھی نہیں ہوں اور اس کرمِ خاکی ہونے کی حالت میں قابلِ نفرت وجود ہوں اور قابلِ شرم۔ پھر خدا کے فضل کا ذکر کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں:۔

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ مَیں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

(براہین احمدیہ جلد پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 127)

اور کرمِ خاکی والے شعر سے پہلے لکھتے ہیں:۔

تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم
کس عمل پر دی ہے مجھ کو خلعتِ قرب و جوار

اِن اشعار سے ظاہر ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے حضور بصورت مناجات ہیں۔

ایک دوسرے شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہا ہے:۔

کرمکے بُودم مرا کردی بشر
من عجب تر از مسیحِ بے پدر

کہ اے خدا! مَیں تو ایک کیڑا تھا۔ تُو نے مجھے بشر بنا دیا۔ اور میرا معاملہ تو بے باپ مسیح سے بھی عجیب تر ہے''۔

اِس شعر سے ظاہر ہے کہ آپؑ کرم سے بشر بن گئے۔ اور اوپر کے شعروں سے ظاہر ہے کہ آپ بشر بھی ایسے بنے کہ خدا نے آپؑ کو خلعتِ قرب و جوار دی۔

کرمِ خاکی والی نظم میں ہی فرماتے ہیں:۔

مَیں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
مَیں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

لطیفہ

ایک مولوی صاحب نے ایک گفتگو میں کہا کہ مرزا صاحب تو نبی چھوڑ انسان بھی نہیں۔اور پھر یہ شعر پیش کیا گیا۔تو میں نے کہا کہ آپ نے اس شعر کے نئے معنی پیدا کر دیئے ہیں۔آپ لوگ تو کہتے ہیں کہ مرزا صاحبؑ انسان بھی نہیں۔اور حضرت مرزا صاحبؑ خدا کے حضور شکایت کرتے ہیں کہ یہ لوگ تو مجھے انسان بھی نہیں سمجھتے اور مجھے محلِّ نفرت سمجھتے ہیں اور میرے وجود کو قوم کے لئے قابلِ شرم خیال کرتے ہیں۔لیکن تیرے فضل واحسان نے مجھے پسند کرلیا۔اور مجھےنُو رِخدا بنا دیا ہے۔

حدیث ھٰذَا خَلِیُفَۃُ اللّٰہِ الْمَھْدِیُ

اعتراض نمبر 22

مرزا صاحب نے شہادت القرآن صفحہ اوّل پر" ھٰذَا خَلِیُفَۃُ اللّٰہِ الْمَھْدِیُ " کی حدیث کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے۔یہ حدیث بخاری میں موجود نہیں۔

الجواب

حدیث کا حوالہ دینے میں بے شک سہو ہوا ہے مگر یہ حدیث مستدرک للحاکم میں انہی الفاظ میں موجود ہے۔نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی حجج الکرامہ صفحہ 366 پر اسے درج کیا ہے۔

پس ان الفاظ کا حدیث میں ہونا جھوٹ نہیں صحیح بخاری کی طرف منسوب ہونا البتہ سہو ہے۔

علاّمہ سندھی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''کَمَا ذَکَرَہُ السُّیُوطِیُّ وَفِی الزَّوَائِدِ ھٰذَا اَسْنَادٌ صَحِیْحٌ رِجَالُہٗ ثِقَاتٌ رَوَاہُ حَاکِمُ فِی الْمُسْتدرَکِ وَقَالَ ھٰذَا صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ'' (حاشیہ ابن ماجہ مطبوعہ مصر جلد 2 صفحہ 269)

ترجمہ:۔ سیوطیؒ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے اور الزوائد میں ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور راوی ثقہ ہیں۔ پھر امام حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق بھی صحیح ہے۔

اِس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے۔ لہٰذا بخاری کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی جو قوّت ہو سکتی ہے اُن میں کوئی کمی دونوں اماموں کی شرائط کے مطابق ہونے کی وجہ سے قرار نہیں دی جا سکتی۔

سَہْو کو جھوٹ قرار دینا ظُلمِ عظیم ہے۔ جھوٹ بولنے میں تو کوئی غرض مدِّ نظر ہوتی ہے۔ جب یہ روایت شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ تو بخاری کی طرف نسبت سے اِس کی جو غرض ہو سکتی ہے۔ اس میں تو کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ حوالہ دینے میں اِس قسم کا سَہْو تو کئی ائمہ اور علماء سے بھی سرزد ہوا ہے۔ علامہ سعدالدین تفتازانی، علاّمہ خسرو۔ ملاّ عبدالحکیم تینوں نے اِس بات کا ذکر کیا ہے کہ حدیث ''یَکْثُرُ لَکُمُ الْحَدِیْثُ بَعْدِیْ. الٰی آخر'' امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج کی ہے (تلویح شرح توضیح جلد 1 صفحہ 261) مگر یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود نہیں چونکہ حدیث دراصل موجود ہے گو بخاری میں نہیں اس لئے ان تینوں بزرگوں کو حوالہ دینے میں سہو کا مرتکب تو قرار دیا جا سکتا ہے کاذب اور مفتری قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس سے بھی عجیب تر واقعہ امام ابن الربیع سے پیش آیا۔امام ملا علی القاری موضوعات کبیر مترجم اردو صفحہ 209 مطبوعہ قرآن محل کراچی پر لکھتے ہیں:۔

”خَیۡرُ السُّوۡدَانِ ثَلاَ ثَةٌ. لُقۡمَانُ وَ بَلاَلٌ وَ مُهۡجَعٌ مَوۡلٰی رَسُوۡلِ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ الۡبُخَارِی فِیۡ صَحِیۡحِهٖ عَنۡ وَاثِلَةَ ابۡنِ الۡاَسۡقَع بِهٖ مَرۡفُوۡعًا. كَذَاذَكَرَهُ ابۡنُ الرَّبِیۡع لٰكِنۡ قَوۡلَ الۡبُخَارِی سَهۡوُ قَلَمٍ اِمَّامِنَ النَّاسِخِ اَوۡمِنَ الۡمُصَنِّفِ فَاِنَّ الۡحَدِیۡثَ لَیۡسَ مِنَ الۡبُخَارِی وَالَّذِیۡ فِی الۡمَقَاصِد اِنَّمَاهُوَمَارَوَاهُ الۡحَاكِمُ“

یعنی حدیث ”خَیۡرُ السُّوۡدَانِ ثَلاَ ثَةٌ. الخ“ کے متعلق امام ابن الربیع نے یہ بیان کیا ہے کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے(امام ملا علی القاری فرماتے ہیں) لیکن بخاری کی طرف یہ بات منسوب کرنا سہو قلم ہے خواہ وہ ناقل کی طرف سے ہو یا مصنف کی طرف سے کیونکہ یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں ہے بلکہ جیسا کہ المقاصد میں مذکور ہوا اس حدیث کو صرف حاکم نے بیان کیا۔

جب یہ حوالہ جات پیش کئے جائیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ غیر نبی کا سہو ہے مرزا صاحب تو نبی تھے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ نسیان اور سہو انبیاء سے بھی سرزد ہو جاتا ہے خضر اور موسٰی کے واقعہ میں موسٰی علیہ السلام خود اقرار کرتے ہیں:۔

”لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ“ (الکھف:74)

کہ میں بھول گیا ہوں مجھے مواخذہ نہ کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

”اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثۡلُكُمۡ اَنۡسٰی كَمَا تَنۡسَوۡنَ“.

(بخاری کتاب الصلوۃ باب التوجہ نحو القبلة حیث کان)

کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں تمہاری طرح بھول بھی جاتا ہوں۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اس پر ذوالیدین کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا:۔

''أَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ یَارَسُوْلَ اللّٰہ اَمْ نَسِیْتَ''

کہ یا رسول اللہ نماز کی قصر ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''کُلُّ ذَالِکَ لَمْ یَکُنْ '' کہ دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔

اس پر ذوالیدین نے عرض کیا:۔

''قَدْ کَانَ بَعْضُ ذَالِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ''

کہ اے رسول اللہ ان میں سے کچھ تو ہوا ہے۔اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا:۔

''أَصَدَقَ ذُوالْیَدَیْنِ ''۔کیا ذوالیدین نے صحیح کہا ہے۔صحابہؓ نے کہا:۔

''نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ '' کہ ہاں یا رسول اللہ۔ذوالیدین نے سچ کہا ہے۔حدیث میں ہے:۔

''فَأَتَمَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَقِیَ مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ وَھُوَجَالِسٌ بَعْدَالتَّسْلِیْمِ''۔

(مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ باب السھو فی الصلاۃ والسجود لہ)

یعنی اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی نماز پوری کی۔پھر سلام کے بعد بیٹھے ہوئے دو۲ سجدے کئے۔حضورؐ کا دو۲ سجدے کرنے کا عمل سہو واقع ہونے کا عملی اعتراف ہے۔لہٰذا کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ کا فقرہ بھی سہو پر ہی مبنی قرار دینا پڑے گا۔(دیکھئے صحیح بخاری کتاب الصّلٰوۃ بَابُ تشبیک الاصابع)

حدیث سے تکفیرِ مسیح کا ثبوت

اعتراض نمبر 23

مرزا صاحب نے انجام آتھم صفحہ 3 پر لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ مسیح موعود کو کافر ٹھہرایا جائے گا۔ایسی کوئی حدیث موجود نہیں۔

الجواب

یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بعض حدیثوں سے استنباط ہے۔ چنانچہ ''شہادۃ القرآن'' صفحہ 11 پر بھی آپؑ لکھتے ہیں:۔

''پھر فرمایا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) کہ اس اُمّت پر ایک آخری زمانہ آئے گا کہ اکثر علماء اس اُمّت کے یہود کے مشابہ ہو جائیں گے اور دیانت اور تقویٰ اُن میں سے جاتی رہے گی اور جھوٹے فتوے اور مکّاریاں اور منصوبے اُن کا شیوہ ہوگا''۔ (شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 306)

اِس اقتباس میں اِس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں ایک زمانہ میں اُمّت کے یہود سے پورے طور پر مشابہ ہو جانے کا ذکر ہے۔ چنانچہ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوْهُ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ''۔

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

ترجمہ:۔ تم لوگ ضرور پہلے لوگوں کے طریق پر چلو گے جس طرح بالشت

بالشت کے مطابق اور ہاتھ ہاتھ کے مطابق ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر اُن میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہے تو تم اُن کی اتباع کرو گے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! یہود اور نصاریٰ مراد ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اور کون۔ یہود نے اپنے زمانہ کے مسیح کا انکار کیا تھا۔ ان کی تکفیر کی تھی۔ انہیں مُرتد قرار دیا تھا۔ اور بالآخر ان کو صلیب پر چڑھانے کی کوشش کی تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہود سے مشابہت میں مسلمان علماء کی طرف سے بھی اپنے زمانہ کے مسیح کی تکفیر ہونے والی تھی۔

غالبًا ایسی ہی حدیثوں سے استنباط کر کے نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے:۔

''چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر احیائے سُنّت و اماتت بدعت فرمائد علماء وقت کہ خوگر تقلیدِ فقہاء و اقتداء مشائخ و آباءِ خود باشند۔ گویند ایں مرد خانہ برانداز دین و ملّت ما است و بمخالفت برخیزند و حسبِ عادت خود حکم بتکفیر و تضلیل دے کنند''۔ (حجج الکرامہ صفحہ 363)

''کہ جب امام مہدی سنت کو زندہ کرنے کے لئے اور بدعت کو مٹانے کے لئے جدوجہد کریں گے تو علماء وقت جو فقہاء اور مشائخ اور اباء کی تقلید کے عادی ہوں گے کہیں گے، یہ شخص ہمارے دین و مذہب کا گھر برباد کرنے والا ہے اور مخالفت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنی عادت کے مطابق اُسے کافر اور گمراہ قرار دیں گے۔''

مجدّد صاحب سرہندی کا حوالہ متعلق نبوت

اعتراض نمبر 24

مرزا صاحب نے ''حقیقۃ الوحی'' صفحہ 390 پر مجدّد صاحب سرہندی کے حوالہ سے یہ مضمون لکھا ہے جس سے کثرت مکالمہ مخاطبہ ہو۔اُس کو نبی کہتے ہیں۔اُن کی ایسی کوئی عبارت موجود نہیں۔

الجواب

مکتوبات جلد اوّل دفتر اوّل حصہ پنجم مکتوب نمبر 310 میں وہ عبارت موجود ہے جس کا مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کے مطابق ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

''متشابہ (یعنی متشابہت قرآنی) خدا تعالیٰ کے نزدیک تاویل پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھر گئے ہیں۔اور علمائے راسخین کو خدا تعالیٰ اس تاویل کے علم سے ایک حصّہ وافر عطا فرماتا ہے۔چنانچہ علم غیب جو خدا تعالیٰ سے مخصوص ہے اس پر خالص رسولوں کو اطلاع بخشتا ہے۔اس تاویل کو ایسی تاویل خیال نہ کرنا۔جس رنگ میں یَدُ (ہاتھ) کی تاویل قدرت۔اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات ہے۔حَاشَا وَ کَلَّا یہ تاویل اسرار میں سے ہے۔جس کا علم اَخصّ خواص کو ہی عطا فرماتا ہے''۔

اس جگہ فارسی الفاظ یہ ہیں:۔

''چنانچہ بر علم غیب کہ مخصوص باوست سُبحانہ تعالیٰ خُلّصِ رسل را اطلاع می بخشد''۔

واضح ہو کہ حقیقۃ الوحی صفحہ 390 پر جو دو باتیں مذکور تھیں انہی دو باتوں کا ذکر اس حوالہ میں بھی مذکور ہے۔

اوّل۔ بعض افرادِ اُمّت کو مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ نصیب ہونا۔

دوم۔ رسولوں کی یہ خصوصیت کہ انہیں خدا کے خاص غیب پر اطلاع دی جاتی ہے۔

رسولوں کی یہ خصوصیت آیت لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ سے ہی اخذ کردہ معلوم ہوتی ہے۔ جس میں رسول کے لئے اظہار علی الغیب یعنی کثرت سے امورِ غیبیہ پر اطلاع دیا جانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اظہار علی الغیب کا صِلہ جب علٰی ہو۔ اس سے مراد غلبہ دینا ہوتا ہے۔ پس رسول کو دوسرے ملہمین کے مقابل خدا اُمورِ غیبیہ پر غلبہ دیتا ہے۔ یعنی ان کے مقابلہ میں رسولوں کو کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے۔

گو مکتوبات میں کثرت کا لفظ نہیں۔ لیکن ''چنانچہ بر علم غیب کہ مخصوص باوست سُبحانہ تعالیٰ'' کے فقرہ سے بکثرت اطلاع دیا جانا ہی مراد ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جس آیت سے یہ مضمون لیا گیا ہے۔ اس میں کثرت شرط ہے۔

کِسی صحیح حدیث میں مسیح کے نزول کے ساتھ السَّماء کا لفظ موجود نہیں

اعتراض نمبر 25

مرزا صاحب نے حمامۃ البشریٰ میں دعویٰ کیا ہے کہ مسیح کے متعلق کسی حدیث میں یہ لفظ نہیں کہ وہ آسمان سے اُترے گا۔ ان کی یہ بات غلط ہے کیونکہ احادیث میں مسیح کے نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ بھی موجود ہے۔

الجواب

حمامۃ البشریٰ صفحہ 54 پر درج عبارت کا ترجمہ یہ ہے:۔

''پھر اِس قوم پر سخت تعجب ہے کہ نزول مسیح سے یہی خیال کرتی ہے کہ وہ آسمان سے اُترے گا۔ اور آسمان کا لفظ اپنی طرف سے ایزاد کرتے ہیں۔ اور کسی صحیح حدیث میں اس کا اثر ونشان نہیں''۔

(حمامة البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 197 حاشیہ)

حمامة البشریٰ کے اس ترجمہ سے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ نے مطلق حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہونے کا انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ کسی صحیح حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہونے سے انکار فرمایا ہے۔

حمامة البشریٰ کے اِس نسخہ کا حصّہ اوّل ضیاء الاسلام پریس قادیان سے شائع ہوا تھا۔

ازالہ اوہام میں بھی حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

''صحیح حدیثوں میں تو آسمان کا لفظ بھی نہیں'' اور تحفہ گولڑویہ صفحہ 74، 75 پر لکھتے ہیں:۔

''کسی صحیح حدیث میں نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود نہیں''۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک کسی صحیح حدیث میں نزول کے ساتھ سمآء کا لفظ نہیں۔ پس کسی بھی شخص کا کنز العمال کی حدیث:۔

''یَنْزِلُ اَخِیْ عِیْسٰی مِنَ السَّمَآءِ عَلٰی جَبَلٍ اَفِیْقٍ'' کو ہمارے سامنے صحیح حدیث کی صورت میں پیش کرنا درست نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حمامة البشریٰ کے ترجمہ اور تحفہ گولڑویہ اور ازالہ اوہام میں کسی صحیح حدیث میں

نزول کے ساتھ آسمان کے لفظ کے موجود ہونے کے خیال کو ردّ کرتے ہیں۔ کنزالعمال کی حدیث میں اَلسَّمَآء کا لفظ کسی راوی نے اپنی طرف سے اپنی سمجھ کے مطابق بطور تشریح کے زیادہ کردیا ہے۔اسی لئے آپؑ نے حمامۃ البشریٰ میں حدیث درج کرتے ہوئے اَلسَّمَآء کا لفظ روایت سے حذف کردیا ہے۔اسی طرح امام بیہقی نے بھی نزول کے ساتھ اَلسَّمَآء کا لفظ اپنی حدیث میں خود بڑھا دیا ہوا ہے۔کیونکہ وہ اس حدیث کے متعلق صحیح بخاری کا حوالہ دیتے ہیں۔مگر صحیح بخاری میں اَلسَّمَآء کا لفظ ہرگز موجود نہیں۔

امام مہدی کے لئے رمضان میں کسوف وخسوف

اعتراض نمبر 26

مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

”کسی دوسرے مدعی مہدویت کے وقت میں کسوف خسوف رمضان میں آسمان پر نہیں ہوا“۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ 28)

یہ بیان کر کے معترضین اسے اَلذِّکْرُ الْحَکِیْم کے صفحہ 6 کی رُو سے جس میں مدعیان مہدویت کی ایک طویل فہرست درج کر کے لکھا گیا ہے کہ اُن کے زمانے میں سُورج اور چاند کو گرہن ہوا۔اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان کو جھوٹ قرار دیتے ہیں۔

الجواب

ڈاکٹر عبدالحکیم کے ایسے مہدیوں کی فہرست پیش کردینے سے کیا بنتا ہے جبکہ انہوں نے اس فہرست کو کسی دلیل کے ساتھ پیش نہیں کیا۔چاہیے تو یہ تھا کہ ان کی

طرف سے کسی مدعی مہدویت کا دعویٰ اس کی اپنی کتاب سے دکھایا جاتا۔ پھر یہ دکھایا جاتا کہ اس کے دعویٰ کے بعد رمضان میں چاند اور سورج کو انہی تاریخوں میں گرہن لگا تھا۔ اور اس مدعی نے اسے اپنے لئے بطور نشان پیش کیا تھا۔ حدیث دارقطنی کے الفاظ:۔

''اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ '' میں لَام اِفَادَہ کا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ مہدی ان دونوں نشانوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چشمۂ معرفت کے صفحہ 314، 315 کے حاشیہ میں اِس کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''ہمیں اِس بات سے بحث نہیں کہ ان تاریخوں میں کسوف وخسوف رمضان کے مہینہ میں ابتدائے دنیا سے آج تک کتنی مرتبہ واقع ہوا ہے۔ ہمارا مدعا صرف اس قدر ہے کہ جب سے نسلِ انسانی دنیا میں آئی ہے نشان کے طور پر یہ خسوف کسوف صرف میرے زمانہ میں میرے لئے واقع ہوا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کو یہ اتفاق نصیب نہیں ہوا کہ ایک طرف تو اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور دوسری طرف اس کے دعویٰ کے بعد رمضان کے مہینہ میں مقررہ تاریخوں میں خسوف کسوف بھی واقع ہو گیا ہو اور اس نے اس خسوف کسوف کو اپنے لئے ایک نشان ٹھہرایا ہو''۔

(چشمہء معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 329، 330 حاشیہ)

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

''پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ پہلے بھی کئی دفعہ خسوف کسوف ہو چکا ہے۔ اس کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے کہ وہ ایسے مدعی مہدویت کا پتہ دے جس نے اس کسوف خسوف کو اپنے لئے نشان ٹھہرایا ہو۔ اور یہ ثبوت یقینی اور قطعی چاہیے۔ اور یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ ایسے مدعی کی کوئی کتاب پیش کی

جائے جس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔اور نیز یہ لکھا ہو کہ خسوف کسوف جو رمضان میں دارقطنی کی مقرر کردہ تاریخوں کے موافق ہوا ہے وہ میری سچائی کا نشان ہے‘‘۔

مزعومہ تناقضات کی تردید

بعض لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں تناقضات دکھانے کی کوشش کی ہے اور پھر کہا ہے کہ تناقض جھوٹے کے کلام میں ہوتا ہے۔

اس امر کا اصولی جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں ہرگز کوئی حقیقی تناقض موجود نہیں۔مخالفین کو جو اختلافات نظر آتے ہیں وہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ ہیں۔

مُریدوں کی تعداد کے بیان میں بظاہر اختلاف کی وجہ

اعتراض اوّل

مرزا صاحب نے پہلے اپنے مریدوں کی تعداد پانچ ہزار بیان کی۔لیکن جب ایک سال کے بعد انکم ٹیکس کا سوال ہوا تو جھٹ لکھ دیا کہ میرے مریدوں کی تعداد دوصَد ہے۔

الجواب

اُس وقت چندہ دینے والوں کی تعداد دوصَد ہی تھی اور انکم ٹیکس کا سوال چونکہ چندہ ہی سے متعلق تھا۔لہٰذا جب کل تعداد بیان کی تو بیوی بچے شامل کر کے بیان کی تھی۔لیکن انکم ٹیکس لگانے والوں کو تو اپنی کمائی سے چندہ دہندگان کی فہرست ہی مطلوب تھی۔اسی لئے اس فہرست میں دوصَد کی تعداد بتائی جو چندہ دہندگان تھے۔

دعویٰ نبوت کے انکار واقرار میں تطبیق

اعتراض دوم

مرزا صاحب نے کئی جگہ نبی ہونے سے انکار کیا ہے اور دعویٰ نبوت کو کفر قرار دیا ہے۔لیکن کئی جگہ اپنے آپ کو نبی کی صورت میں پیش کیا ہے۔

الجواب

چونکہ نبی کی اقسام ہیں: تشریعی اور غیر تشریعی۔اس لئے پہلی قسم کا نبی ہونے سے آپؑ نے انکار کیا۔اور دوسری قسم کا نبی ہونے کا اس شرط کے ساتھ اقرار کیا ہے کہ آپؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بھی ہیں۔چنانچہ آپؑ اپنے آخری خط میں جو اخبار عام مورخہ 26رمئی 1908ء میں شائع ہوا لکھتے ہیں:۔

''یہ الزام جو میرے پر لگایا جاتا ہے۔کہ مَیں اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں سمجھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعتِ اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں یہ الزام میرے پر صحیح نہیں۔بلکہ ایسا دعویٰ میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اِس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے''۔

اِس کے بعد اپنی نبوت کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:۔

''جس بناء پر مَیں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں، وہ صرف اس قدر ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں

میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اسکے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اُس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دُنیا سے گزر جاؤں گا''

(خط مندرجہ اخبار عام 26رمئی 1908ء)

اور اشتہار ''ایک غلطی کے ازالہ'' میں فرماتے ہیں:۔

''جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ مَیں نے اپنے رسولِ مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہیں معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پُکارا ہے۔ سو اب بھی مَیں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا''۔

(ایک غلطی کا ازالہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210-211)

اور پھر **نزول المسیح** حاشیہ صفحہ 3 پر تحریر فرماتے ہیں:۔

''اس نکتہ کو یاد رکھو کہ میں رسول اور نبی نہیں ہوں یعنی باعتبار نئی شریعت اور نئے دعویٰ اور نئے نام کے۔ اور میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیّتِ کاملہ کے۔ میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل

انعکاس ہے''۔

(نزول المسیح۔روحانی خزائن جلد18 صفحہ 381 حاشیہ)

پس نبوت کے اقرار اور انکار میں وجوہ مختلف ہیں۔لہٰذا اس میں کوئی تناقض نہیں۔

قبر مسیح کے متعلق مسیح موعودؑ کے بیانات

اعتراض سوم

مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰؑ کی قبر ''ست بچن'' صفحہ 63 پر یروشلم میں بتائی ہے اور ازالہ اوہام میں لکھا ہے ''مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا''۔اور ''ست بچن'' صفحہ 164 پر یہ بھی لکھا ہے کہ بلادِ شام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کی پرستش ہوتی ہے۔پھر اسی جگہ حاشیہ میں یہ لکھا ہے۔کہ ''اب تک کشمیر میں مسیح کی قبر موجود ہے''۔ (ست بچن صفحہ 164)

الجواب

بلادِ شام میں جس قبر کی پرستش ہوتی ہے،انجیل کی رُو سے وہ وہی قبر ہے جس میں واقعہ صلیب کے بعد حضرت مسیحؑ کو بے ہوشی کی حالت میں رکھا گیا۔اور یروشلم والی قبر اور بلادِ شام والی قبر ایک ہی ہے۔کیونکہ یروشلم بلادِ شام میں واقعہ تھا۔

حدیث نبویؐ میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کا موجود ہونا مذکور ہے۔جس کی پرستش ہوتی ہے۔چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:۔

''ہاں بلادِ شام میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر کی پرستش ہوتی ہے اور مقررہ تاریخوں پر ہزارہا عیسائی سال بسال اس جگہ پر جمع ہوتے ہیں۔سو اس

حدیث(یَعْنِیْ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَأَنْبِیَآءِ ھِمْ مَسَاجِدَ)۔ (بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ ووفاته) سے ثابت ہے۔کہ درحقیقت وہ قبر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ہی قبر ہے۔جس میں مجروح ہونے کی حالت میں وہ رکھے گئے تھے‘‘۔

(ست بچن روحانی خزائن جلد10 صفحہ 309)

پس یہ وہ قبر ہے۔جس میں حضرت مسیح مُردہ ہونے کی حالت میں دفن نہیں کئے گئے تھے بلکہ مجروح ہونے کی حالت میں رکھے گئے۔اور چونکہ واقعہءِ صلیب یروشلم میں پیش آیا تھا۔اس لئے ست بچن روحانی خزائن جلد10 صفحہ 309 پر یروشلم کی جس قبر کا ذکر ہے۔وہ وہی ہے جس میں حضرت مسیح مجروح ہونے کی حالت میں رکھے گئے تھے۔

اور ست بچن روحانی خزائن جلد10 صفحہ 309 کے حاشیہ میں جس قبرِ مسیح کا سرینگر میں بیان ہونا مذکور ہے۔وہ وہ قبر ہے جس میں آپؑ طبعی وفات پانے کے بعد دفن ہوئے۔اور تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ واقعہءِ صلیب کے بعد حضرت مسیحؑ نے کشمیر میں ہجرت فرمائی تھی اور اسّی سال سے زائد عمر وہاں بسر کی تھی۔اور پھر وفات پا کر خانیار کے محلّہ میں دفن ہوئے تھے جہاں آج تک یُوز آصف نبی کے نام سے اُن کی قبر موجود ہے۔

گلیل میں حضرت مسیح کے طبعی وفات پانے کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجیلی بیانات کے رُو سے کیا ہے۔چنانچہ ازالہ اوہام میں تحریر فرماتے ہیں:۔

’’یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا۔بلکہ اسی باب کی تیسری آیت ظاہر کر رہی ہے کہ بعد فوت ہو جانے کے کشفی طور پر مسیح چالیس دن تک

اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ اِس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ مسیح بوجہ مصلوب ہونے کے فوت ہوا۔ کیونکہ ہم ثابت کرآئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے صلیب سے مسیح کی جان بچائی تھی بلکہ یہ تیسری آیت باب اوّل اعمال کی مسیح کی طبعی موت کی نسبت گواہی دے رہی ہے۔ جو گلیل میں اس کو پیش آئی۔ اس موت کے بعد مسیح چالیس دن تک کشفی طور پر اپنے شاگروں کو نظر آتا رہا''۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 353-354)

اِس سے ظاہر ہے کہ پادریوں کو انجیل کی رُو سے لاجواب کرنے کیلئے آپؑ نے کتاب اعمال کے باب اوّل آیت تین کی رُو سے مسیح کے گلیل میں طبعی وفات پانے کا ذکر کیا ہے۔ جس سے ثابت کرنا مقصود ہے کہ عیسائیوں کا یہ خیال غلط ہے کہ مسیح خاکی جسم کے ساتھ مرنے کے بعد آسمان پر اُٹھائے گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعمال کے بیان کو سچ، عیسائیوں کے لئے ان کی کتاب کے لحاظ سے قرار دیا تھا نہ اس لحاظ سے کہ حضورؑ خود بھی اس بیان کو سچا جانتے ہیں۔ آپؑ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عیسائیوں کو اپنی مسلّمہ کتاب کا یہ بیان سچ مان لینا چاہیے اور دفن ہو کر زندہ ہونے کے خیال کو جھوٹ جاننا چاہیے۔

لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے وجدان کی رُو سے مسیح کا گلیل میں طبعی وفات پانا ایک مشکوک امر تھا۔ اِس لئے آپؑ نے اسی جگہ ازالہ اوہام میں فرما دیا:۔

''یاد رہے کہ یہ تاویلات اس حالت میں ہیں کہ ہم ان عبارتوں کو صحیح اور غیر محرف قبول کر لیں۔ لیکن اس کے قبول کرنے میں بڑی دقتیں ہیں''۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 356)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجدان میں حضرت مسیح علیہ السلام کا

گلیل میں فوت ہوکر دفن ہونا اور پھر چالیس دن تک کشفی طور پر ملتے رہنا ثابت نہیں۔ بلکہ اس کے قبول کرنے میں آپؑ کے نزدیک بڑی دِقتیں ہیں۔

کشمیر میں حضرت مسیح کا جانا اور وفات پانا آپ کے نزدیک محقّق امر ہے۔

چنانچہ آپؑ اسی ست بچن میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''ہاں ہم نے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی بلادشام میں (مراد گلیل۔ناقل) قبر ہے۔مگر اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے پر مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر وہی ہے جو کشمیر میں ہے''۔

(ست بچن روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 307 حاشیہ)

پھر راز حقیقت روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 172 پر تحریر فرماتے ہیں:۔

''خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم سے......اس راقم کی سچائی ظاہر کرنے کے لئے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ جو سری نگر میں محلّہ خانیار میں یوز آسف کے نام سے قبر موجود ہے وہ درحقیقت بلا شک وشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔

حضرت مسیح کا حواریوں کو جسمانی زندگی کے ساتھ ملنا ''مسیح ہندوستان میں'' روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 21-22 پر مذکور ہے۔اس جگہ لکھا ہے:۔

''مسیح قبر سے نکل کر گلیل کی طرف گیا......آخر ان گیارہ حواریوں کو ملا جب کہ وہ کھانا کھا رہے تھے اور اپنے ہاتھ اور پاؤں جو زخمی تھے دکھائے۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید یہ رُوح ہے تب اس نے کہا مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ رُوح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو ان سے ایک بھُنی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتا لیا اور ان کے سامنے کھایا۔دیکھو مرقس باب 16 آیت 14 اور لوقا باب 24 آیت 39 اور 40 اور 41 اور 42۔

ان آیات سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ مسیح ہرگز آسمان پر نہیں گیا بلکہ قبر سے نکل کر جلیل کی طرف گیا اور معمولی جسم اور معمولی کپڑوں میں انسانوں کی طرح تھا اگر وہ مرکر زندہ ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ جلالی جسم میں صلیب کے زخم باقی رہ جاتے''۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا شاگردوں کو کشفی طور پر ملنا تسلیم نہیں کرتے بلکہ اپنی جسمانی زندگی میں ملنا ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس بات پر کہ مسیح مرکر جی اُٹھا اور یہ معجزہ سرزد ہوا حضورؑ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''کیوں یسوع نے جس کا یہ فرض تھا کہ اپنے اس معجزہ کی یہودیوں میں اشاعت کرتا اس کو مخفی رکھا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے ظاہر کرنے سے منع کیا۔ اگر یہ کہو کہ اس کو پکڑے جانے کا خوف تھا تو میں کہتا ہوں کہ جب ایک دفعہ خدائے تعالیٰ کی تقدیر اس پر وارد ہو چکی اور وہ مرکر پھر جلالی جسم کے ساتھ زندہ ہو چکا تو اب اس کو یہودیوں کا کیا خوف تھا۔ کیونکہ اب یہودی کسی طرح بھی اس پر قدرت نہیں پا سکتے تھے۔ اب تو وہ فانی زندگی سے ترقی پا چکا تھا۔ افسوس ہے کہ ایک طرف تو اس کا جلالی جسم سے زندہ ہونا اور حواریوں کو ملنا اور جلیل کی طرف جانا اور پھر آسمان پر اٹھائے جانا بیان کیا گیا ہے اور پھر بات بات میں اس جلالی جسم کے ساتھ بھی یہودیوں کا خوف ہے اس ملک سے پوشیدہ طور پر بھاگتا ہے کہ تا کوئی یہودی دیکھ نہ لے اور جان بچانے کے لئے ستّر کوس کا سفر جلیل کی طرف کرتا ہے۔ بار بار منع کرتا ہے کہ یہ واقعہ کسی کے ساتھ بیان نہ کرو۔ کیا یہ جلالی جسم کے لچھن اور علامتیں ہیں؟ نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی جلالی اور نیا جسم نہ تھا وہی زخم آلودہ

جسم تھا جو جان نکلنے سے بچایا گیا اور چونکہ یہودیوں کا پھر بھی اندیشہ تھا اس لئے برعایت ظاہر اسباب مسیح نے اس ملک کو چھوڑ دیا۔اس کے مخالف جس قدر باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب بیہودہ اور خام خیال ہیں‘‘۔

(مسیح ہندوستان میں روحانی خزائن جلد15 صفحہ 48-49)

کشمیر کی تاریخ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ راجہ گوپانند کے عہد میں یُوز آسف نبی بیت المقدس سے وادیٔ کشمیر میں مرفوع ہوئے اور وہاں انہوں نے باقی عمر گزار دی اور وفات پا کر سری نگر کے محلّہ خانیار کے مقام ’’انز مرہ‘‘ میں دفن ہوئے۔

قرآن کریم بھی گواہ ہے کہ مسیحؑ اور ان کی والدہ نے یروشلم سے ہجرت کی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

’’وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ‘‘۔ (المؤمنون: 51)

کہ ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو نشان بنایا اور اُن کو اُونچی جگہ پر پناہ دی جو آرام والی اور چشموں والی ہے۔

تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کشمیر کا علاقہ تھا جہاں انہیں پناہ دی گئی۔

حدیثِ نبوی میں وارد ہے:۔

’’اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيْسٰى اَنْ يَّاعِيْسٰى اِنْتَقِلْ مِنْ مَكَانٍ اِلٰى مَكَانٍ لِئَلَّا تُعْرَفَ فَتُؤْذٰى‘‘۔

(کنز العمال جلد3 خوف العافیۃ من الاکمال حدیث نمبر5955)

یعنی خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اب ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاؤ تا کہ تم پہچان نہ لئے جاؤ اور پھر دکھ نہ دیئے جاؤ۔

حیات مسیح کا رسمی عقیدہ اور دعویٰ مسیح موعود

اعتراض چہارم

براہین احمدیہ کے پہلے حصوں کے صفحہ 498 پر مرزا صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دوبارہ اصالتاً آمد تسلیم کی۔ لیکن بعد میں ان کی وفات کے قائل ہو گئے اور خود مسیح موعود کا دعویٰ کر دیا۔ جیسا کہ فتح اسلام اور ازالہ اوہام وغیرہ سے ظاہر ہے۔

الجواب

ان دونوں قسم کی عبارتوں میں اس وجہ سے تناقض قرار نہیں دیا جا سکتا کہ پہلا عقیدہ آپؑ کا رسمی تھا اور دوسرا عقیدہ آپؑ نے وحی الٰہی کے ماتحت اختیار کیا جس میں آپؑ کو خبر دی گئی کہ:۔

''مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے۔ **وَكَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا**''۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 402)

اِس الہام نے آپؑ پر کھول دیا کہ آپؑ ہی امتِ محمدیہ کے مسیح موعود ہیں۔ ورنہ مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ تو آپ کا اُسی جگہ براہین احمدیہ میں موجود تھا۔ دونوں عقیدوں میں تناقض تب قرار دیا جا سکتا ہے اگر آپ کی عبارتوں میں ٹکراؤ ہوتا مگر پہلے عقیدے میں تبدیلی تو آپؑ نے الہام سے کی۔ حدیث نبوی میں وارد ہے:۔

كَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْ بِهٖ۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کے عقیدہ اور عمل سے موافقت پسند کرتے تھے۔ ان امور میں جن میں وحی نہ ہوئی ہوتی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وحی

ہو جانے پر آپؐ پہلے عقیدہ اور عمل کو بدل دیتے تھے۔ایسی تبدیلی پر تحویلِ قبلہ شاہد ناطق ہے اب اگر کوئی تحویل قبلہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد اور اعمال میں تناقض قرار دے تو وہ ظالم ہوگا۔ کیونکہ آپ کے پہلے عقیدہ اور عمل میں تبدیلی وحی سے ہوئی تھی اس لئے خدا کی وحی سے جو تبدیلی عقیدہ اور عمل میں پیدا ہو تو وہ تبدیلی حقیقی تناقض کے ذیل میں نہیں آتی جو قابلِ اعتراض ہوتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''مَیں نے براہین میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر لکھا ہے وہ ذکر صرف ایک مشہور عقیدہ کے لحاظ سے ہے جس کی طرف آج کل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں۔سو اسی ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے میں نے براہین میں لکھ دیا تھا کہ میں صرف مثیل موعود ہوں اور میری خلافت صرف رُوحانی خلافت ہے۔لیکن جب مسیح آئے گا تو اس کی ظاہری اور جسمانی دونوں طور پر خلافت ہوگی۔ یہ بیان جو براہین میں درج ہو چکا ہے صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثارِ مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے کیونکہ جو لوگ خدائے تعالیٰ سے الہام پاتے ہیں وہ بغیر بلائے نہیں بولتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے''۔

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 196-197)

دعویٰ مسیح موعود سے انکار اور اُس کا مفہوم

اعتراض پنجم

مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے اور مسیح موعود ہونے سے انکار بھی کیا ہے۔ یہ دونوں باتیں ازالہ اوہام میں موجود ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

''اِس عاجز نے جو مثیلِ موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج ہی میرے مُنہ سے سُنا گیا ہو''۔ (ازالہ اوہام صفحہ 190)

اور ازالہ اوہام صفحہ 179 میں لکھتے ہیں:۔

''واضح ہو کہ یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ جنہوں نے اس عاجز کا مسیح موعود ہونا مان لیا ہے وہ لوگ ہر یک خطرہ سے محفوظ اور معصوم ہیں اور کئی طرح کے ثواب اور اجر اور قوتِ ایمانی کے وہ مستحق ٹھہر گئے ہیں''۔

پس تناقض ظاہر ہے۔

الجواب

حضرت مرزا صاحبؑ نے مسلمانوں کے خیالی ''مسیح موعود'' ہونے سے انکار کیا ہے نہ کہ احادیث کے مصداق مسیح موعود سے۔ مسلمانوں کا خیالی مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصالتاً ہیں اور مسیح موعودؑ کا دعویٰ اس خیالی مسیح کے مثیلِ موعود ہونے کا ہے۔ پس مثیلِ موعود ہو کر آپ اُمتِ محمدیہ کے لئے مسیح موعود ہیں۔

دلیل اس بات کی کہ اس جگہ مسلمانوں کے خیالی مسیح موعود ہونے سے انکار کیا ہے۔ یہ ہے کہ آپ چند سطریں آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

''مَیں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں جو شخص یہ

الزام میرے پر لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذّاب ہے‘‘۔

مسلمان حقیقی ابن مریم کا آنا خیال کرتے تھے اور اُسے مسیح موعود جانتے تھے اس لئے اس جگہ ان کے مزعوم اور خیالی مسیح موعود ہونے سے انکار کیا گیا ہے نہ کہ حدیثوں کے مصداق مسیح موعود سے چنانچہ آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

’’میری زندگی کو مسیح ابن مریم سے اشد مشابہت ہے اور یہ بھی میری طرف سے کوئی نئی بات ظہور میں نہیں آئی کہ میں نے ان رسالوں میں اپنے تئیں وہ موعود ٹھہرایا ہے جس کے آنے کا قرآن شریف میں اجمالاً اور احادیث میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ میں تو پہلے بھی براہین احمدیہ میں بتصریح لکھ چکا ہوں کہ میں وہی مثیل موعود ہوں جس کے آنے کی خبر روحانی طور پر قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں پہلے سے وارد ہو چکی ہے‘‘۔

(ازالہ اوہام صفحہ 190 روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 192)

چونکہ آپ کے نزدیک حضرت عیسٰی علیہ السلام کا مثیل موعود ہی امتِ محمدیہ کے لئے حقیقی مسیح موعود ہے اس لئے آپؑ نے ازالہ اوہام کے دوسرے مقامات میں اپنے تئیں مسیح موعود قرار دیا ہے۔ مگر اپنی تصریح کے مطابق نہ کہ مخالفین کے خیال کے مطابق۔

نیز آپ کے مسیح موعود ہونے کے یہ معنی بھی نہیں کہ آپ میں حضرت عیسٰیؑ کی روح حلول کر آئی ہے۔ جیسا کہ بعض کم فہموں نے آپ کے متعلق یہ خیال کر لیا کہ مرزا صاحبؑ بطور تناسخ عیسٰی ابن مریم ہونے کے مدعی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام علماء کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

’’ان کی یہ خاص مراد کشفاً والہاماً وعقلاً وفرقاناً مجھے پوری ہوتی نظر نہیں آتی

کہ وہ لوگ سچ مچ کسی دن حضرت مسیح بن مریم کو آسمان سے اترتے دیکھ لیں گے"۔
(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 198)

اور یہ بھی لکھا:۔

"یہ خیال کہ تناسخ کے طور پر حضرت مسیح بن مریم دنیا میں آئیں گے سب سے زیادہ ردّی اور شرم کے لائق ہے"۔
(ازالہ اوہام صفحہ 87 روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 147)

پس آپؑ لوگوں کے خیالی مسیح موعود نہیں (یعنی حقیقی ابن مریم نہیں) اور نہ بطور تناسخ مسیح ابن مریم ہونے کے مدعی ہیں۔ بلکہ آپؑ مسیح موعود ہیں بطور بروز۔ پس اعتراض میں پیش کردہ دونوں باتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ مسیح موعود ہونے سے انکار کی وجہ مسیح موعود ہونے کے اقرار سے مختلف ہے اور جب اقرار و انکار کے اعتبارات و وجوہ مختلف ہوں تو موضوع بدل جانے کی وجہ سے تناقض اُٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ تناقض پایا جانے کے لئے موضوع ایک ہی ہونا بھی ضروری شرط ہے۔
لَوْلَا الْاِعْتِبَارَاتُ لَبَطَلَتِ الْحِكْمَةُ۔

فضیلت بر مسیحؑ کے عقیدہ میں تبدیلی کی وجہ

اعتراض ششم

تریاق القلوب کے صفحہ 157 پر حضرت عیسٰی علیہ السلام پر جزوی فضیلت کا عقیدہ درج ہے اور ریویو جلد اوّل نمبر 6 میں اس کے برخلاف حضرت عیسٰی علیہ السلام سے تمام شان میں بڑھ کر ہونے کا ذکر ہے۔

الجواب

پہلا عقیدہ اجتہادی تھا اور دوسرا عقیدہ الہامی اس لئے دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ جب تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت عیسٰی علیہ السلام سے نبوت میں اپنی نسبت نہیں سمجھتے تھے اس وقت تک ایسے الہامات سے جن میں حضرت مسیحؑ کی فضیلت کا ذکر تھا اجتہاداً جزوی فضیلت مراد لیتے تھے۔لیکن وحی الٰہی کی صراحت سے جب آپؑ پر یہ انکشاف ہوگیا کہ آپؑ نبی ہیں مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی اور اسی زمانہ میں یہ الہام بھی ہوا۔کہ

''مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 17)

تو آپؑ نے اپنے عقیدہ میں اس الہامی انکشاف سے تبدیلی فرمالی۔پس آپؑ کے کلام میں کوئی حقیقی تناقض موجود نہیں۔اختلاف صرف آپ کے پہلے اجتہاد اور بعد کے الہام میں ہے اور اجتہاد میں کسی الہام سے تبدیلی کوئی قابل اعتراض امر نہیں بلکہ وہ اجتہاد درست نہ ہو۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

''مَاحَدَّثْتُکُمْ عَنِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی فَھُوَحَقٌّ وَمَاقُلْتُ فِیْہِ

مِنْ قِبَلِ نَفْسِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ أُخْطِیءُ وَ اُصِیْبُ"

(نبراس شرح الشرح العقائد النسفی صفحہ 392)

کہ جو بات میں تمہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بتلاؤں وہ حق ہے اور جو اجتہاداً اپنی طرف سے کہوں تو میں انسان ہوں خطا بھی کر سکتا ہوں۔ اور درست بات بھی کہتا ہوں۔

فضیلت کے مسئلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے عقیدہ میں بھی تبدیلی ہوئی تھی۔ایک وقت آپ فرماتے تھے:۔

"لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی"۔

(صحیح بخاری کتاب الخصومات باب ما یذکر فی الاشخاص......)

یعنی مجھے مُوسیٰ پر فوقیت نہ دو۔

لیکن جب آپؐ کو خاتم النبیّین قرار دیا گیا تو اس الہامی انکشاف پر جو تمام انبیاء پر آپؐ کی فضیلت کو ظاہر کرتا تھا آپ نے یہ اعلان فرما دیا:۔

"فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ"۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ)

کہ مجھے چھ باتوں میں تمام نبیوں پر فضیلت دی گئی ہے اور آخری بات یہ بتائی کہ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّون کہ میرے بعد تشریعی انبیاء کا آنا منقطع ہو گیا ہے۔اور غالباً اس آیت کے نزول کے بعد ہی آپؐ نے فرمایا کہ "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ" کہ مَیں تمام بنی نوع کا سردار ہوں اور یہ کوئی فخر یہ بات نہیں (یعنی یہ اظہار حقیقت ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ

"اَنَا سَیِّدُ النَّبِیِّیْنَ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخَرِیْنَ"

(دیلمی)

کہ مَیں سب پہلے اور پچھلے نبیوں کا سردار ہوں کیونکہ خاتم النبیین کا یہ بھی

ایک مفہوم ہے۔اور نیز یہ فرمایا:۔

''اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْن '' کہ میں سب نبیوں کا لیڈر رہوں اور پھر یہ بھی فرمادیا۔''لَوْ کَانَ موسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ '' کہ اگر موسٰی زندہ ہوتے تو میری پیروی کے بغیر انہیں چارہ نہ ہوتا۔

(مرقاۃ۔مشکوٰۃ جلد 5 صفحہ 564)

کجا یہ انکسار اور تواضع تھی کہ حضرت موسٰی علیہ السلام پر بھی اپنی فضیلت قرار نہیں دیتے تھے اور کجا یہ شان ہے کہ اب اپنے تئیں تمام نبیوں سے افضل اور ان کا سردار قرار دیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اگر موسٰی زندہ ہوتا تو باوجود نبوت کے بھی میرا خادم ہوتا۔اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

محدّث اور نبی

اعتراض ہفتم

مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے۔نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا کے حکم سے کیا گیا۔

اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں لکھتے ہیں:۔

''چندروز ہوئے ہیں کہ ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ سے دیا گیا۔حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں''۔ (ایک غلطی کا ازالہ[1] صفحہ 1)

پھر لکھتے ہیں:۔

''جس کے ہاتھ پر اخبار غیبیہ من جانب اللہ ظاہر ہوں گے

[1] ایک غلطی کا ازالہ۔روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 206

بالضرورت اس پر مطابق آیت لَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا''۔ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 4 روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 208)

پھر آگے لکھتے ہیں:۔

''یادرکھنا چاہیے کہ ان معنوں (بروزی معنوں) کے رُو سے مجھے نبوت اور رسالت سے انکار نہیں ہے اسی لحاظ سے صحیح مسلم میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا گیا۔اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔اگر کہو اس کا نام محدّث رکھنا چاہیے تو مَیں کہتا ہوں۔تحدیث کے معنے کسی لغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہے۔مگر نبوت کے معنی اظہار امر غیب ہے''۔

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 7۔روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 209)

دونوں عبارتوں میں تناقض ظاہر ہے۔ایک جگہ محدث ہونے کا دعویٰ۔ دوسری جگہ محدث ہونے سے انکار۔اور نبی ہونے کا اعلان کیا ہے۔

الجواب

بیشک اشتہار ایک غلطی کے ازالہ سے پہلے یعنی 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معروف اصطلاح کی رُو سے نبوت کے دعویٰ سے انکار کیا ہے۔اور اپنی نبوت کی تاویل محدث کے لفظ سے کی ہے مگر محدثیت کو بھی اس وقت کوئی معمولی مرتبہ نہیں سمجھا۔بلکہ یہ لکھنے کے بعد کہ

''نبوت کا دعویٰ نہیں محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا کے حکم سے کیا گیا ہے''

آگے لکھا ہے:۔

''اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہّ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے''۔ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 320)

نیز ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 478 پر علاماتِ مسیح موعود کے ضمن میں لکھتے ہیں:

’’ازانجملہ ایک یہ ہے کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا یعنی خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی پانے والا لیکن اس جگہ نبوت تامّہ کاملہ مراد نہیں کیونکہ نبوت تامّہ کاملہ پر مُہر لگ چکی ہے بلکہ وہ نبوت مُراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے۔ جو مشکوٰۃ نبوتِ محمدیّہ سے نُور حاصل کرتی ہے سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے‘‘۔ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 478)

پس محدّث کو ازالہ اوہام میں آپؑ نے مِنْ وَجْہٍ نبی قرار دیا ہے۔ اور اس سے نبوت تامہ کاملہ کی نفی قرار دی ہے جو تشریعی نبوت ہوتی ہے۔ نبوتِ جزئیہ کی نفی نہیں کی بلکہ نبوتِ جزئیہ کا جاری رہنا حسب حدیث ’’لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ‘‘ آپ نے اپنی کتاب توضیح مرام میں جو ازالہ اوہام سے بھی پہلے کی ہے۔ بیان کیا ہے۔ اور اس کی تشریح میں لکھا ہے:۔

”اَیْ لَمْ یَبْقَ مِنْ اَنْوَاعِ النُّبُوَّۃِ اِلَّا نَوْعٌ وَّاحِدٌ وَّھِیَ الْمُبَشِّرَاتُ“
(توضیح مرام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 60)

یعنی نبوت کی اقسام میں سے صرف ایک قسم باقی ہے وہ اَلْمُبَشِّرَاتُ ہیں۔ اسی نبوت کو محدث کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ مغز شریعت اُس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔ اور اس کے آگے لکھا ہے کہ۔

’’نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں‘‘۔ (توضیح مرام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 60)

پس 1900ء سے پہلے محدثیت کے پیرایہ میں آپؑ کو نبوت کا دعویٰ تھا لیکن نبوت تامّہ کاملہ سے انکار تھا جو وحی شریعت کا حامل ہوتی ہے۔ چنانچہ توضیح مرام میں فرماتے ہیں:۔

"اِنَّ النُّبُوَّةَ التَّامَّةَ الْحَامِلَةَ لِوَحْیِ الشَّرِیْعَةِ قَدِ انْقَطَعَتْ وَلٰکِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِیْ لَیْسَ فِیْھَا اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ فَھِیَ بَاقِیَةٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ لَا اِنْقِطَاعَ لَھَا اَبَدًا۔" (توضیح مرام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 61)

کہ نبوت تامّہ جو وحی شریعت کی حامل ہوتی ہے منقطع ہوگئی ہے۔ لیکن وہ نبوت جس میں صرف المبشّرات ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن تک باقی ہے اس کا کبھی انقطاع نہیں ہوا۔

پس جس نبوت کا آپ نے انقطاع مانا ہے۔ کبھی آپ نے اپنے آپ کو اس کا مصداق قرار نہیں دیا۔ بیشک 1901ء تک آپ کو بہ پیرایہ محدثیت نبوت غیر تشریعیہ پانے کا دعویٰ رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہّ کے زمانہ میں آپؑ پر یہ بھی الہام کیا تھا:۔

"اَنْتَ مُحَدَّثُ اللّٰہِ فِیْکَ مَادَّةٌ فَارُوْقِیَّةٌ".

اس سے آپؑ نے یہ اجتہاد کیا کہ آپؑ کی نبوت سے مراد خدا تعالیٰ کے نزدیک محدّثیت ہے اور یہی خدا کا حکم یعنی فیصلہ ہے اپنے لئے نبی اور رسول کی تاویل محدث کی۔ پس اپنی نبوت کو محدّثیت تک محدود قرار دینا ایک اجتہادی امر تھا۔

لیکن 1901ء کے قریب آپؑ پر یہ انکشاف ہوگیا کہ آپ کو اب اس تاویل کی ضرورت نہیں بلکہ آپؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے صریح طور پر نبی کا خطاب دیا گیا ہے۔ جب یہ حقیقت آپؑ پر منکشف ہوئی تو آپ نے اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں یہ اعلان فرما دیا کہ آپؑ کو محض محدّث قرار دینے سے آپؑ کی پوری شان کا

اظہار نہیں ہوتا۔ کیونکہ محدث کے معنی اظہارِ امر غیب نہیں بلکہ نبی کے لفظ سے ہی آپ کی پوری شان کا اظہار ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں آپؑ پر منکشف ہو گیا کہ آپؑ کو محدث خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں معنوں میں قرار دیا گیا تھا۔ جن معنوں میں ہر نبی محدث ہوتا ہے۔ یعنی خدا کی ہمکلامی کا شرف رکھنے والا، چنانچہ حمامۃ البشریٰ میں آپؑ نے صاف یہ لکھا تھا:۔

''اس بات کا کہنا جائز ہے کہ نبی علی وجہ الکمال محدث ہے۔ اسی طرح جائز ہے کہ ہم کہیں محدث اِستعداد باطنی کی وجہ سے نبی ہے کیونکہ محدث بالقوہ نبی ہے اور کمالات نبوت سب محدثیت میں مخفی اور مضمر ہوتے ہیں''۔

(ترجمہ عربی عبارت حمامۃ البشریٰ روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 300)

پس اس تبدیلی عقیدہ کے بعد بھی اب آپ کو محدث علیٰ وجہ الکمال کہنا جائز ہے۔ البتہ آپ کی نبوت کو محدثیت تک محدود رکھنا جائز نہیں۔ پس یہ تبدیلی جو واقع ہوئی ہے یہ بھی خدا تعالیٰ سے صریح طور پر نبی کا خطاب پانے کے انکشاف کے باعث ہے۔ لہٰذا آپؑ کے کلام میں کوئی حقیقی اور معنوی تناقض موجود نہیں۔ صرف ایک تاویل کا لفظی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی لئے آپؑ نے ایک اشتہار ایک غلطی کے ازالہ میں یہ بھی تحریر فرمایا:۔

''جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اس طور کا نبی کہلانے سے مَیں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے

خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے''۔

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210-211)

اس سے ظاہر ہے کہ دونوں زمانوں کی عبارتوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت ورسالت میں معنوی طور پر توافق اور تطابق ہے کوئی اختلاف نہیں۔ (اختلاف صرف محدث کی تاویل اختیار کرنے میں ہے۔اور وہ بھی وحی الٰہی کے باعث اس قسم کا تدریجی انکشاف کسی مامور من اللہ کے دعویٰ میں ہرگز قابل اعتراض نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ انبیاء کا تدریجی طور پر مقام نبوت پانا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''راہِ دیگر آنست کہ بتوسط حصول ایں کمالاتِ ولایت وصول بکمالاتِ نبوت میسر می گردد وایں راہ دوم شاہراہ است واقرب است بوصول و ہر کہ بکمالات نبوت رسیدہ است الّا ماشاء اللہ تعالیٰ بایں راہ رفتہ است از انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام واز اصحاب کرام ایشاں بہ تبعیت ووراثت''۔

(مکتوبات مجدّد الف ثانی جلد اوّل مکتوب 301 صفحہ 141 مطبوعہ رؤف اکیڈمی لاہور)

یعنی دوسری راہ کمالات نبوت پانے کی یہ ہے کہ کمالاتِ ولایت حاصل کرنے کے واسطہ سے کمالاتِ نبوت کا حاصل کرنا میسر ہو یہ شاہراہ ہے اور کمالِ نبوت تک پہنچنے میں قریب ترین راہ ہے۔ والاّ ماشاء اللہ۔اسی راہ پر بہت سے انبیاء اور ان کے اصحاب ان کی پیروی اور وراثت سے چلے ہیں۔

پس جب پہلے ولایت کے مقام پر پہنچ کر ولایت یعنی محدثیت حاصل کرنے کے بعد کئی انبیاء (بقول مجدد الف ثانی) نبوت کے مقام پر پہنچے ہیں اور اسی طرح مقام نبوت انہوں نے تدریجاً حاصل کیا ہے تو اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اپنی نبوت کی پوری شان ظاہر ہونے میں تدریج پائی گئی تو یہ کیونکر قابل اعتراض ٹھہر سکتی

ہے۔ جب کہ مصلحت اور حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ فیضان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ثابت کیا جائے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا۔

''خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کیلئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپؐ کے فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا اس لئے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔ اور میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلّ ہے نہ کہ اصلی نبوت (یعنی تشریعی نبوت۔ ناقل) اسی وجہ سے حدیث اور میرے الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ایسا ہی میرا نام اُمتی بھی رکھا ہے تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کے ذریعہ سے ملا ہے''۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 154 حاشیہ)

احمدیوں کے دونوں فریق میں لفظی نزاع

احمدیوں کے لاہوری فریق سے ہمارا اتحاد نہایت آسانی سے ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ہم میں اور اُن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے بارہ میں صرف ایک لفظی نزاع ہے دونوں فریق میں اس بارہ میں میرے نزدیک کوئی حقیقی نزاع نہیں۔ دونوں آپ کو اپنے دعاوی میں صادق مانتے ہیں۔ نزاع کے لفظی ہونے کی وجہ درج ذیل ہے:۔

1۔ لاہوری فریق اس بات کا قائل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے آپؐ کے بعد کوئی تشریعی نبی نہیں آسکتا۔ اس بارہ میں ہمارا اُن سے پُورا اتفاق ہے۔

2۔ لاہوری فریق یہ مانتا ہے کہ آیت خاتم النبیین کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی مستقل نبی نہیں آسکتا۔ ہم اس بات میں بھی ان سے پورے متفق ہیں۔

3۔ لاہوری فریق کو اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان کے الہامات میں نبی اور رسول کہا گیا ہے اور ہم ان سے اس بات میں بھی متفق ہیں۔

4۔ لاہوری فریق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نبی اور رسول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ مامور من اللہ ہیں اور آپ پر بکثرت امور غیبیہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اظہار ہوتا رہا ہے۔ ہم لاہوری فریق سے نبی کے ان معنی میں بھی پورے طور پر متفق ہیں۔

5۔ لاہوری فریق یہ کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی ہیں نہ کہ صرف نبی ہم اس بارہ میں بھی لاہوری فریق سے پورا اتفاق رکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت ورسالت اور اس کے معنی اور کیفیت کے متعلق دونوں فریق ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

جُزوی اختلاف

ہم دونوں فریق میں صرف ایک جزوی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جو یہ ہے کہ:۔

لاہوری فریق یہ کہتا ہے کہ آپؑ نبوت کا شعبہ قویّہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور حدیث صحیح مسلم کا لفظ ''نبی اللہ'' آپؑ پر صادق آتا ہے مگر آپؑ کی نبوت محدثیت تک محدود ہے اور ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپؑ علی وجہ الکمال محدث ہیں جو نبی ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا آپؑ کا مقامِ نبوت محض محدث کے مقام سے بالا ہے۔ یہ محض لفظی نزاع ہے۔ کیونکہ ہم دونوں فریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی اور رسول بھی جانتے ہیں اور ہمیں اس نبی اور رسول کے معنی میں بھی اتفاق ہے اور ہم دونوں فریق آپؑ کو تشریعی اور مستقل نبی نہیں جانتے بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی جانتے ہیں۔ مگر اشتہار ایک غلطی کا ازالہ کی روشنی میں ہم آپؑ کی نبوت کو محض محدثیت نہیں سمجھتے کیونکہ ایسا کہنے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔ اور اپنا مقام یہ قرار دیا ہے:۔

''خود حدیثیں پڑھتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت میں اسرائیلی نبیوں کے مشابہ لوگ پیدا ہوں گے اور ایک ایسا ہوگا کہ ایک پہلو سے نبی ہوگا اور ایک پہلو سے امّتی۔ وہی مسیح موعود کہلائے گا''۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 104 حاشیہ)

نیز فرماتے ہیں:۔

’’اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزار ہا اولیاء ہوئے ہیں اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی بھی‘‘۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 30 حاشیہ)

نیز حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 406-407 پر لکھتے ہیں:۔

’’غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے مَیں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرتِ امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہوجاتی کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی اسی قدر مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ اور امور غیبیہ سے حصہ پالیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہوجاتے۔تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہوجاتا اس لئے خدا تعالیٰ کی مصلحت نے اُن بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیشگوئی پوری ہوجائے‘‘۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 406-407)

اِن حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کا مقامِ نبوت ایک مخصوص مقام ہے جو کہ اب تک کسی محدثِ امت کو حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ صرف آپ

کو ہی ساری امت میں سے اس وقت تک یہ مقام حاصل ہوا ہے۔

پس ہمارے نزدیک یہ مقامِ نبوت محدثیت والی جزوی نبوت سے بالا ہے۔ کیونکہ آپؑ کے نزدیک اس وقت تک ایسا نبی جو ایک پہلو سے امتی بھی ہو صرف ایک ہی شخص گزرا ہے جو مسیح موعود ہے اور دوسرے صلحاء میں نبی کا نام پانے کی شرط جو امور غیبیہ کو بکثرت پانا ہے پورے طور پر پائی نہیں گئی لہٰذا اگر دوسرے صلحاء نبی کا نام پا لیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں رخنہ واقع ہو جاتا۔ پس ان حوالہ جات کی روشنی میں آپؑ کو عام محدثین کی طرح محض محدث سمجھنا جائز نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ میں فرمایا ہے:۔

''امتِ محمدیہ میں محدثیت کا منصب اس قدر بکثرت ثابت ہوتا ہے۔ جس سے انکار کرنا بڑے غافل اور بے خبر کا کام ہے۔ اس امت میں آج تک ہزار ہا اولیاء اللہ صاحبِ کمال گزرے ہیں جن کی خوارق اور کرامات بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ثابت اور محقق ہو چکی ہیں''۔

(براہین احمدیہ چہار حصص روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 653 حاشیہ)

پس اولیاء اللہ یا بالفاظ دیگر محدثین تو امت محمدیہ میں ہزار ہا گزرے ہیں اور ان میں سے امور غیبیہ بکثرت پانے کی وجہ سے صرف مسیح موعود علیہ السلام کو خدا اور رسول کی طرف سے نبی کا نام دیا گیا ہے۔

لہٰذا یہ امر اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مسیح موعودؑ کا مقام نبوت میں محض محدث سے بالا ہے۔ یہ وہ بات ہے جس سے ہمارے لاہوری دوستوں کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہمارے اور لاہوری فریق کے درمیان محض ایک لفظی نزاع ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بوجہ نبوت علی وجہ الکمال محدث جانتے ہیں اور

لاہوری فریق آپؑ کی نبوت کو محدثیت تک محدود قرار دیتا ہے۔اگر ہمارے یہ دوست مندرجہ بالا عبارتوں سے صحیح استفادہ کریں تو بے شک وہ مسیح موعود علیہ السلام کو محدث کہیں مگر انہیں نبوت میں آپ کا مقام تمام محدثین امت سے بالا سمجھنا چاہیے۔آخر علیٰ وجہ الکمال محدث تو ہر نبی ہوتا ہے۔پس ہم میں اور ان میں لفظی جھگڑا رہ گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہونے کی وجہ سے علی وجہ الکمال محدث ہیں یا آپ کی نبوت محض محدثیت تک محدود ہے۔اس سے بالا نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان بھی جو ابھی آپ کو نہیں مانتے نبوت کے بارہ میں ایک لفظی نزاع ہی قرار دیا ہے۔جیسا کہ آپ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ 503 پر تحریر فرماتے ہیں:۔

''یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ (یعنی صرف نبی ہونے کا۔ناقل) کیا ہے کس قدر جہالت کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔اے نادانو میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔صرف مراد میری نبوت سے کثرتِ مکالمت ومخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے......(یعنی یہ فرمارہے ہیں کہ میرا دعویٰ ایسی نبوت کا ہے جس کے لئے امتی ہونا ضروری ہے۔ناقل) پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔وَلِکُلٍّ اَنْ یَّصْطَلِحَ ''۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 503)

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان مسئلہ نبوت میں صرف ایک لفظی نزاع قرار دیتے ہیں۔نہ کہ حقیقی نزاع تو

لاہوری فریق سے ہماری بدرجہ اولیٰ لفظی نزاع ہوئی کیونکہ وہ ہماری طرح اس بات کے قائل ہیں۔

حضرت مسیح موعود خدا تعالیٰ کی طرف سے یعنی مامور من اللہ ہونے کے دعویٰ میں سچے ہیں اور امت کے لئے مہدی معہود و مسیح موعود ہیں اور خدا تعالیٰ نے آپ کا نام نبی اور رسول بھی رکھا ہے۔

مندرجہ بالا حوالہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل نبی ہونے کا نہیں بلکہ اِتباع نبوی میں خدا کے حکم سے نبوت پانے کا دعویٰ ہے۔ پھر چشمہء معرفت میں آپ فرماتے ہیں:۔

''خدا کی یہ اصطلاح ہے جو کثرت مکالمات ومخاطبات کا نام اس نے نبوت رکھا ہے''۔ (چشمہء معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 341)

لہٰذا خدا کی اصطلاح میں آپؑ نبی ہیں مگر مسلمانوں کی معروف اصطلاح میں آپ کا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں۔ اس اصطلاح کے متعلق آپؑ نے لکھا ہے:۔

''اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبیِ سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا سے تعلق رکھتے ہیں'' (مکتوب 17 راگست 1899)

ان معنی میں نبی ہونے سے آپؑ کو شروع دعویٰ سے لے کر آخر تک ہمیشہ انکار رہا ہے اور اس جگہ اسلام کی اصطلاح سے مراد مسلمانوں کی عُرفی اصطلاح ہے نہ کہ خدا کی اصطلاح۔ خدا کی اصطلاح میں تو آپ اپنے تئیں نبی قرار دیتے ہیں اور درحقیقت اسلام کی کوئی اصطلاح خدا کی اصطلاح سے مختلف نہیں ہوسکتی۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے لاہوری فریق کے دوست دیر تک روٹھے رہنے

کے بعد آپس میں مل جائیں آخر وہ چھ سال تک حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کو حضرت مسیح موعودؑ کے بعد واجب الاطاعت خلیفہ تسلیم کرتے رہے ہیں۔ تو اب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث سے آملنے میں کوئی روک نہیں ہونی چاہیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیت میں خلافت کو قدرتِ ثانی کا نام دیا ہے اور بطور مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر فرمایا۔ اور جماعت احمدیہ میں سنتِ قدیمہ کے مطابق اس قدرت ثانی کے لئے یہ پیشگوئی کی کہ اس کے کئی مظاہر ہوں گے اور اس کا سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ پس ان بھائیوں کو بھی قدرتِ ثانی کے تمام مظاہر کو مان لینا چاہیے تا سب اکٹھے ہو کر خدمتِ اسلام کریں۔ خدا کی قدرتِ ثانی کا ردّ کرنا محرومی ہے۔ انہیں اس محرومی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ انہیں اس کی توفیق دے۔ اَللّٰھُمَّ آمِیْن۔

اعتراض ہشتم

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ تورات میں ہے کہ ایک مرتبہ چارسو نبیوں کو شیطانی الہام ہوا یہ نبی بَعل بُت کے پجاری تھے نہ کہ ایماندار۔

(1۔سلاطین باب 16)

الجواب

حضرت مسیح موعودؑ نے بَعل بُت کے پجاری نبیوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ تحریر فرمایا ہے:۔

’’مجموعہ تورات میں سلاطین اول باب بائیس آیت انیس میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چارسو نبی نے اس کی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی وہ جھوٹے ہوئے اور بادشاہ کو شکست ہوئی۔‘‘ (ازالہ اوہام طبع سوم صفحہ 257)

پھر اپنی کتاب ضرورۃ الامام میں انہی چار سو نبیوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

’’بائبل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہوا تھا اور ایک پیغمبر کو جبرائیل سے الہام ہوا تھا۔...... سو یہ خوشخبری سچی نکلی اور ان چار سو نبیوں کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔‘‘(ضرورۃ الامام صفحہ ۱۷،۱۸)

یہ سب کچھ سلاطین باب 22 آیت 19 میں لکھا ہوا موجود ہے۔ بائبل کے محاورہ میں پیشگوئی کو نبوت کہتے ہیں اور انہیں پیشگوئی کرنے والے معنوں میں نبی کہہ دیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ باب 16 والے بعل کے پجاری نبی 400 نہ تھے بلکہ 450 تھے (ملاحظہ ہو 1۔سلاطین $\frac{18}{22}$) پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔

تورات وانجیل میں طاعون کی پیشگوئی

اعتراض نہم

مرزا صاحب نے کشتی نوح میں لکھا ہے کہ تورات وانجیل میں مسیح کی آمد کے وقت طاعون کی پیشگوئی کا ذکر ہے اس کا حوالہ دیا جائے۔

الجواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے لئے انجیل متی $\frac{24}{8}$ کا حوالہ دیا ہے۔ انجیل مطبوعہ 1857ء میں متی $\frac{24}{8}$ میں مسیح کی ایک نشانی ’’مری پڑنا‘‘ بھی بیان کی گئی ہے لیکن افسوس بعد میں عیسائیوں نے اس عبارت کو اردو انجیل متی سے نکال دیا مگر انگریزی ایڈیشن میں یہ عبارت موجود ہے۔ انجیل لوقا $\frac{21}{10}$ پر بھی یہ پیشگوئی

موجود ہے کہ جا بجا کال اور مری پڑے گی۔ توریت میں بھی زکریاہ $\frac{14}{12}$ میں میں طاعون کی پیشگوئی موجود ہے۔ انگریزی بائیبل میں تو لفظ پلیگ PLAGUE بھی موجود ہے لکھا ہے:۔

AND THIS SHALL BE THE PLAGUE WHERE WITH THE LORD WILL SMITE THE PEOPLE.

یعنی پلیگ ہوگی جس سے خدا تعالیٰ کے گھر کے خلاف لڑائی کرنے والوں کو خدا ہلاک کر دے گا۔

اعتراض دہم

قرآن وحدیث میں طاعون کی پیشگوئی کا کوئی ذکر نہیں مگر مرزا صاحب نے قرآن وحدیث میں بھی طاعون کی پیشگوئی موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔

الجواب

قرآن مجید میں ہے وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۔(النمل:83) یعنی جب اتمامِ حجت ہوجائے گی تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک کیڑا نکالیں گے جو ان کو کاٹے گا۔ کَلَّمَهٗ تَكْلِيْمًا کے معنی لغت عربی میں جَرَّحَهٗ بھی ہیں یعنی اس نے اسے زخمی کیا۔(المنجد)

قَالَ اَبُوْ عَبْدُ اللّٰهِ وَ قرء تَكْلِمُهُمْ مِنَ الْكَلِمِ وَهُوَ الْجُرْحُ وَالْمُرَادُ بِهِ الْوَسْمُ۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قراءۃ تکلم سے مراد ہے کہ وہ کیڑا ان کو کاٹے گا اور زخم پہنچائے گا۔ (بحارالانوار جلد 13 صفحہ 232)

حدیث میں ہے فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَ اَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ

عَلَیۡھِمُ النَّغۡفَ فِیۡ رِقَابِھِمۡ فَیُصۡبِحُوۡنَ فَرۡسٰی کَمَوۡتِ نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ۔

(مسلم جلد نمبر 2 کتاب الفتن ذکر صفۃ الدجال صفحہ 277 مصری)

یعنی خدا کا نبی مسیح موعود اور اس کے صحابی خدا کی طرف متوجہ ہوں گے تو خدا تعالیٰ ان کے مخالفوں کی گردنوں میں ایک پھوڑا ظاہر کرے گا۔ وہ صبح کو ایک آدمی کی موت کی طرح ہو جائیں گے۔

بحار الانوار میں ایک حدیث ہے **قدام القائم موتان موتٌ اَحمر و موتٌ اَبیض . اَلۡمَوۡتُ الۡاَحۡمَرُ اَلسَّیۡفُ وَ الۡمَوۡتُ الۡاَبۡیَضُ الطَّاعُوۡنُ۔**

(بحار الانوار جلد 13 صفحہ 156)

یعنی امام مہدی کی علامات میں ہے کہ اس کی عام قبولیت سے پہلے دوؔ موتیں ہوں گی سرخ موت اور سفید موت۔ سرخ موت تو تلوار ہے اور سفید موت طاعون ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''یہی طاعون ہے اور یہی وہ دابّۃ الارض ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں ہم اس کو نکالیں گے اور وہ لوگوں کو اس لئے کاٹے گا کہ وہ ہمارے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡھِمۡ اَخۡرَجۡنَا لَھُمۡ دَآبَّۃً مِّنَ الۡاَرۡضِ تُکَلِّمُھُمۡ اَنَّ النَّاسَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوۡقِنُوۡنَ۔[1] اور جب مسیح موعود کے بھیجنے سے خدا کی حجت اُن پر پوری ہو جائے گی تو ہم زمین میں سے ایک جانور نکال کر کھڑا کریں گے وہ لوگوں کو کاٹے گا اور زخمی کرے گا اس لئے کہ لوگ خدا کے نشانوں پر ایمان نہیں لائے تھے۔

(نزول المسیح۔ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 415،416)

[1] النمل:83

ایضاً صفحہ 43 پر ہے:۔

’’یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا کہ وہ دابّة الارض یعنی طاعون کا کیڑا زمین میں سے نکلے گا اس میں یہی بھید ہے کہ تا وہ اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ وہ اُس وقت نکلے گا کہ جب مسلمان اور ان کے علماء زمین کی طرف جھک کر خود دابّة الارض بن جائیں گے۔ ہم اپنی بعض کتابوں میں یہ لکھ آئے ہیں کہ اس زمانہ کے ایسے مولوی اور سجادہ نشین جو متقی نہیں ہیں اور زمین کی طرف جھکے ہوئے ہیں یہ دابّة الارض ہیں اور اب ہم نے اِس رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ دابّة الارض طاعون کا کیڑا ہے۔ ان دونوں بیانوں میں کوئی شخص تناقض نہ سمجھے۔ قرآن شریف **ذوالمعارف** ہے اور کئی وجوہ سے اس کے معنی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد نہیں۔‘‘ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 421)

پھر فرماتے ہیں:۔

’’یاد رہے کہ اہلِ سنّت کی صحیح مُسلم اور دُوسری کتابوں اور شیعہ کی کتاب اکمال الدین میں بتصریح لکھا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون پڑے گی بلکہ اکمال الدین جو شیعہ کی بہت معتبر کتاب ہے اُس کے صفحہ ۳۴۸ میں ......لکھا ہے کہ یہ بھی اس کے ظہور کی ایک نشانی ہے کہ قبل اس کے کہ قائم ہو یعنی عام طور پر قبول کیا جائے دنیا میں سخت طاعون پڑے گی۔‘‘

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 396، 397)

تمّت بِالخیر